آج لائبہ کی رسم حنا تھی۔ گھر بھر میں مہمانوں کا میلہ سا لگا تھا۔ کوٹھی کے لان میں چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں جہاں لڑکیاں شادی بیاہ کے گیت گا رہی تھیں۔ بچے، بچیاں رقص میں مصروف تھے۔ معمر خواتین لڈی ڈال رہی تھیں۔ ان کا شوق قابل دید تھا۔ ساتھ ہی تالیوں کا شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔

لائبہ پیلے جوڑے میں ملبوس کھڑکی میں کھڑی ڈھلتی شام کے سائے میں جشن مناتے اُن لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو اس دعا کے ساتھ اس محفل میں شریک تھے کہ ہونے والی دلہن اگلے گھر میں سچی محبتیں پائے...... مگر وہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ محفل، یہ خوشیاں اور آگے کی زندگی میں ملنے والے ہر رشتے کی بنیاد فقط فریب تھا۔ انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کچھ لوگوں کی سسکیاں، آہیں اور حسرتیں بددعائیں بن کر کچھ اس طرح سے سفر کر رہی ہیں کہ اب کوئی دعا اس کا مقدر نہیں بن سکتی۔

زندگی میں اس سے صرف ایک بھول ہوئی تھی جس کی سزا اُسے اب تک مل رہی تھی۔ آج اُسے اپنے شدت سے یاد آ رہے تھے مگر وہ انہیں پکار نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُس کی پکار اوّل تو ان تک پہنچے گی نہیں اور پہنچ بھی گئی تو وہ اپنے کان بند کرلیں گے۔

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی تبھی کومل کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی پشت پر آن ٹھہری مگر لائبہ بے خبر رہی۔ تب کومل نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لائبہ نے اُسے پلٹ کر دیکھا اور پھر اپنے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکان لے آئی مگر کہا کچھ نہیں اور کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی...... اس کی زندگی کی کتاب کا ورق ورق کومل پڑھ چکی تھی، اس لئے اُسے لائبہ کے دل کی حالت سمجھنے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہ تھی۔

"لائبہ، میں جانتی ہوں جو ہو رہا ہے، وہ بہت تکلیف دہ ہے لیکن تم بھی تو جانتی ہونا کہ اگر تمہارا اور زاویال سکندر کا رشتہ نہیں بنا تو وہ رشتہ نہیں رہے گا جو تمہارے جینے کی وجہ ہے اور میں جانتی ہوں کہ اس رشتے کی خاطر تم سب کچھ کرسکتی ہو۔" پتہ نہیں وہ اُسے ہمت دے رہی تھی یا سمجھا رہی تھی۔ بہرحال وہ اُسے یہ احساس دلانے کی کوشش ضرور کررہی تھی کہ اس کی زندگی کے ساتھ کسی اور کی زندگی بھی وابستہ ہے۔

"جانتی ہوں، تبھی تو کانٹوں بھرے راستے پر چلنے کی ہامی بھری ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔ اس مرتبہ کومل خاموش رہی۔

"پتہ ہے کومل، اس دنیا کی صرف دو حقیقتیں ہیں۔ ایک ضرورت جس کے تحت زاویال سکندر مجھ سے رشتہ جوڑ رہا ہے اور دوسری مجبوری، جس کی وجہ سے میں اس کی زندگی میں شامل ہو رہی ہوں۔" وہ ضبط کی انتہا پر تھی۔

کومل کچھ نہیں بولی۔ بھلا ایک ڈوبتا ہوا انسان دوسرے ڈوبتے ہوئے انسان کو ساحل تک پہنچنے کا یقین کیسے دلا سکتا تھا۔

O..........O..........O

اور وہ دن آ ہی گیا جب لائبہ رخصت ہوکر "سکندر ولاز" میں آ گئی۔ جہاں اس کا استقبال بڑے لاڈ و پیار سے کیا گیا تھا لیکن سکندر خیام نے حسبِ توقع لائبہ کو باور کرا دیا کہ وہ صرف اور صرف اس گھر میں زاویال سکندر کی ضد کی وجہ سے آئی ہے ورنہ اُن کی نگاہ میں لائبہ کی کوئی حیثیت نہیں اور تب لائبہ کا جی چاہا کہ ان کی ہر غلط فہمی دور کردے، انہیں بتادے کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے مگر وہ پابند تھی، اس لئے خاموش رہی۔

سکندر خیام اور بیگم جہاں آراء کی صرف تین اولادیں تھیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ سب سے بڑے بیٹے ارسلان تھے جو پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے اور انہوں نے اپنی کلاس فیلو ثریا سے شادی کی تھی اور دونوں نے مل کر اسپتال کھولا تھا۔ ان کے دو بچے تھے پنکی اور ببلو۔ دوسرا نمبر شازیہ کا تھا۔ ان کی شادی زبیر سے ہوئی تھی۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں اور اسی وجہ سے وہ اپنے سسرال والوں اور شوہر کی نگاہ میں مجرم تھیں مگر انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہتی تھیں اور سب سے آخری نمبر زاویال سکندر کا تھا جو ضدی، گھمنڈی اور بے حس تھا۔ وہ صرف اپنے لئے جینے کا عادی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اگر کچھ چاہئے تو ہر قیمت پر چاہئے۔ وہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے کسی کو بھی راستہ بنا سکتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال لائبہ تھی۔

لائبہ اس سے زیادہ اس گھر کے لوگوں کے متعلق اور کچھ نہیں جانتی تھی اور یہ معلومات بھی اسے مہوش بیگم کے توسط سے ملی تھیں۔

O..........O..........O

ثریا بھابھی اور شازیہ آپا اُسے سجے سجائے کمرے میں جہازی سائز بیڈ پر بٹھا گئیں جس پر گلاب کے پھول بکھرے تھے اور اردگرد گلاب اور موتیے کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ ان کے جاتے ہی وہ بیڈ سے اُٹھ کھڑی ہوئی، اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ پھول نہیں انگارے ہوں۔ وہ

کتنی دیر بے حس و حرکت دیوار کے ساتھ لگی کھڑی رہی۔ پھر ایک دم اسے خیال آیا کہ اس نے مہوش بیگم سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ اب اسے آگے کیا کرنا ہے۔ اس لئے وہ کمرے کے وسط میں رکھے ٹیبل کے قریب آئی جہاں بے تحاشا تحائف رکھے تھے اور ساتھ ہی اس کا پرس بھی دھرا تھا۔ اُس نے تمام تحائف کو نظر انداز کرکے اپنا پرس اُٹھا لیا اور اس میں سے لفافے نکال نکال کر میز پر ڈھیر لگانے لگی، جو اسے مختلف خواتین نے سلامی کی صورت دیئے تھے۔

اُس میں ایک مخمل کی ڈبیہ بھی تھی جس میں ہیرے کی انگوٹھی موجود تھی۔ یہ اُسے زاویال کے سب سے اچھے دوست عمران کی بیوی نے دی تھی مگر اسے ان سب چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ اب تو اُسے خود اپنی ذات میں بھی دلچسپی نہ رہی تھی۔ اُس نے بہت تلاش کیا مگر موبائل پرس میں نہ تھا۔ اُس نے اُکتا کر زیورات اُتار کر ایک طرف رکھے۔ جوڑا بنے بالوں کو پنوں سے آزاد کیا اور دوپٹہ ایک طرف شانے پہ ڈال کر پرس قالین پر اُلٹ دیا۔ تمام چیزیں قالین پہ بکھر گئیں اور وہ نیچے بیٹھ کر ایک مرتبہ پھر سے موبائل تلاش کرنے لگی، تبھی آہستگی سے دروازہ کھلا اور بڑی آن بان کے ساتھ زاویال سکندر اندر داخل ہوا۔ اُس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کرکے کنڈی لگادی اور اندر کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ لائبہ بیڈ کے بجائے قالین پہ بیٹھی چیزیں اُلٹ پلٹ رہی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ لائبہ اسے بیڈ میں نہیں ملے گی مگر اس طرح ملے گی، زاویال کو اندازہ نہ تھا۔ نجانے وہ کس الجھن میں گرفتار تھی۔ زاویال چند لمحے اُسے دلچسپی سے دیکھتا رہا؟ پھر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا۔

"یہ سب سمیٹنے میں، میں کچھ مدد کردوں؟" اس کا انداز دوستانہ تھا۔

لائبہ ایک پل کے لئے چونکی مگر اگلے لمحے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں ٹھیک ہے، میں خود کرلوں گی۔" وہ اپنے ریشمی بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے بولی اور غیر ارادی طور پر اپنا ڈھلکتا سرخ آنچل سنبھالا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ اس کے چہرے پر اس عمل کے دوران اُکتاہٹ آگئی۔ اُسے یقین ہوگیا کہ وہ موبائل گھر میں ہی بھول آئی ہے اور زاویال کے گھر سے وہ فون کرکے اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی، اس لئے اس نے تلاش ترک کردی اور چیزیں سمیٹ کر پرس میں ڈال دیں۔

جب وہ پرس واپس ٹیبل پر رکھنے آئی تو اس کی نگاہ ان لفافوں اور ڈائمنڈ کی انگوٹھی پر ٹھہری۔

زاویال ایزی چیئر پر سگریٹ سلگائے بیٹھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ چند پل یونہی سرک گئے۔ پھر زاویال نے خود ہی پہل کی۔ "کیا ہوا، کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"یہ سلامی کے نام پر جو اتنا کچھ ملا ہے، اس کا کیا کرنا ہے، یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"اسے تم رکھ لو، اپنی اچھی اداکاری کا انعام سمجھ

کر۔" زاویال نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

اور اُس کے ساتھ ہی لائبہ کے چہرے کے خدوخال میں تناؤ سا آگیا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "مسٹر زاویال سکندر، میں جانتی ہوں کہ آپ بہت امیر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کو اپنی امارت کا احساس بھی ہے مگر مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن آپ دوسروں کی خودداری کو ٹھیس پہنچائیں، یہ مناسب نہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم صرف اپنے معاہدے کی شرائط کو یاد رکھیں اور بس!...... وہ تلخی سے گویا ہوئی تو زاویال کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔ لائبہ چینج کرنے ڈریسنگ روم میں گئی تو زاویال نے سگریٹ جوتے تلے مسل ڈالا۔ "ہنہ نجانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔"

O..........O..........O

دوسرے روز زاویال فقط دنیا دکھاوے کی خاطر رسم نبھانے لائبہ کو مہوش بیگم کے گھر لایا تھا مگر درحقیقت زاویال کو مہوش بیگم سے آگے کے

ڈوبتا ساحل

معاملات طے کرنے تھے۔ تمام راستے دونوں کے درمیان خاموشی کی دیوار حائل رہی تھی اور گھر کی چار دیواری میں آکر بھی یہ خاموشی نہیں ٹوٹی تھی، شاید دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو مہوش بیگم بڑی بے تابی سے لائبہ کی جانب بڑھیں لیکن اس سے قبل کہ وہ اُسے گلے لگانے کی کوشش کرتیں، لائبہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "اس وقت یہاں کوئی ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں موجود ہم دونوں تمہاری اصلیت سے بخوبی واقف ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"ہُنہ، اس کا دماغ تو ہر وقت ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔ غلطی میری ہی ہے، میں نے اسے لاڈ و پیار میں زیادہ بگاڑ دیا۔ اسی لئے تو کسی دوسرے کو کچھ سمجھتی ہی نہیں۔" وہ اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے خواہ مخواہ کی وضاحتیں کرنے لگیں۔

"بہرحال یہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں یہاں آپ سے چند ضروری باتیں کرنے آیا تھا۔" زاویال شانے اُچکا کر لاپروائی سے بولا۔

O..........O..........O

نیہا جونہی سفید چادر میں لپٹی گھر سے باہر نکلی، کلو کے ہوٹل میں بیٹھے لڑکے اُٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔

"اے سرکار ایک نگاہ اِدھر بھی ڈال لیں۔

کب سے ایک نظر کو ترس رہے ہیں آپ کے خادم۔" وہ شیطانی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے بولا۔

نیہا کو پسینے آگئے۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آنکھیں نم سی ہوگئیں۔ نیہا کا جی چاہا کہ پلٹ کر واپس گھر چلی جائے مگر وہ جانتی تھی کہ یہ ہرگز ممکن نہیں کیونکہ اگر پلٹ کر گھر چلی گئی تو یقیناً اُسے دادی اور امی کو اس کی وجہ بتانی پڑے گی اور نتیجے میں وہ اس کی پڑھائی چھڑوا کر گھر بٹھا لیں گی، جو اسے ہرگز منظور نہ تھا کیونکہ وہ پڑھائی کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتی تھی۔ یہ اس کے گریجویشن کا آخری سال تھا۔ اُسے امید تھی کہ شاید اسے یونیورسٹی میں پڑھنے کا موقع مل جائے۔

نیہا نے چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا اور تیز قدموں سے آگے بڑھی۔ ساتھ ہی لڑکوں کی رفتار بھی بڑھ گئی۔

"ارے اس پارسائی پہ کون نہ مرمٹے۔" ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ نیہا کو لگا کہ اس کی سانسیں رُک جائیں گی، وہ مرجائے گی، نہیں تو بے ہوش ضرور ہوجائے گی۔ نیہا کی خاموشی اُن لفنگوں کو شیر بنا رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی ناقابل برداشت جسارت کرتے، اُن کی نگاہ اعتزاز حسن پہ پڑی جو پولیس یونیفارم میں جیپ سے اُتر رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتے ہی اِدھر اُدھر ہوگئے کیونکہ ایک تو وہ اس کے عہدے سے واقف تھے اور دوسرے وہ اعتزاز حسن اور نیہا کے رشتے سے بھی واقف تھے۔ وہ قریب آیا تو نیہا نے بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا، جس کا جواب اعتزاز نے نرمی سے دیا اور پھر بولا۔ "تم کہاں جا رہی ہو؟"

"کالج۔" اس نے مختصراً کہا۔

"چلو میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں۔" اعتزاز نے بڑی اپنائیت سے پیشکش کی۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی اور پلیز اب مجھے یہ باور کرنے دیں کہ زندگی کی ہر مسافت مجھے تنہا طے کرنی ہے، خواہ وہ راہ پھولوں کی ہو یا کانٹوں کی۔" وہ ملتجی تھی۔

"وہ لڑکے پھر سے تمہارا راستہ روک سکتے ہیں۔" اعتزاز نے معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا۔

"جن لوگوں کی راہ میں بدقسمتی اور بدنامی کی

سلمٰی یونس

پہلی قسط

دیوار حائل ہو، انہیں لوگوں کی دی ہر اذیت معمولی لگتی ہے اور پھر آگ ہمارے گھر کے چراغ سے لگی ہے، اس لئے اس آگ میں ہمیں تنہا ہی جلنا پڑے گا۔ آپ اس آگ میں مت کودیں بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح ایک طرف کھڑے ہوکر ہمارے جلنے کا تماشا دیکھئے۔ یہ نظارہ، یہ تماشا دیکھنے کا موقع آپ کو بار بار نہیں ملے گا۔" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی جبکہ اعتزاز سناٹے میں رہ گیا۔

O..........O..........O

لائبہ بیڈ پر لیٹی چھت کے گھومتے پنکھے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی بھی اسی طرح ایک ہی محور میں گھوم رہی تھی، ایک دائرہ میں مقید ہوگئی تھی، جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی اور اگر وہ یہ دائرہ توڑ بھی دیتی تب بھی آزاد نہ ہو پاتی۔ اس کی کہانی اس جادوگر کی سی تھی جس کی جان ایک طوطے میں تھی اور جو کوئی اس طوطے کو اپنے قبضے میں کرلیتا، جادوگر اپنی زندگی ختم ہوجانے کے خوف سے اس کا غلام ہوجاتا۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ اس کی جان جس طوطے میں تھی، وہ مہوش بیگم کے بس میں تھا اور وہ اس کی گردن پہ ہاتھ رکھ کر لائبہ سے سو فون بھی کروا سکتی تھیں اور وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کرسکتی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں غرق تھی، تبھی دروازہ کھلنے کی آواز پر اُس نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا اور مہوش بیگم کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھی مگر چہرے پر تناؤ سا آگیا۔ مہوش بیگم کمر پہ ہاتھ رکھے سامنے کھڑی لائبہ کو گھور رہی تھیں۔

"باہر جو تم نے تماشا کیا، اس کا مطلب؟" انہوں نے غصے سے پوچھا۔

"مطلب تو ناسمجھ لوگ پوچھتے ہیں اور اگر تم ناسمجھ ہوتیں تو آج ہم کٹھ پتلیوں کی طرح تمہارے اشاروں پر ناچ نہ رہے ہوتے۔" لائبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لائبہ بی بی اپنی حد میں رہو۔ زیادہ ہواؤں میں اُڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں اُڑنا سکھا سکتی ہوں تو مجھے ہر پنچھی کے پَر کاٹنا بھی آتا ہے۔" انہوں نے گویا دھمکایا۔

لائبہ بیڈ سے نیچے اُتر آئی۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ "مہوش بیگم، ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے پَر بھی سلامت ہیں اور ان میں پرواز کی طاقت بھی ہے مگر ہمیں کون سے آسمان میں اُڑنا ہے، کس آکاش میں پرواز کرنی ہے اور کہاں رک جانا ہے۔ یہ تم طے کرتی ہو، ہم وہ کٹھ پتلیاں ہیں جن کی ڈور تمہارے ہاتھ ہے۔ تم ہمیں جب اور جیسے چاہو نچا سکتی ہو۔" وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی اور مہوش بیگم بڑے غرور سے گردن اکڑائے کھڑی تھیں جبکہ لائبہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ "کہتے ہیں کہ گناہوں کی سزا روزِ قیامت ملے گی مگر مجھے تو سزا دنیا میں ہی مل گئی اور میری سزا یہ ہے کہ قدرت نے تم جیسی عورت کو میری زندگی پر اختیار دے دیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

"شاباش اسی طرح میری طاقت اور اپنی کمزوریوں کو یاد کرتی رہو۔ میری جان آگے کا سفر آسان ہوجائے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

لائبہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور وہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے لائبہ کو اپنے آگے کے لائحہ عمل کے متعلق بتا رہی تھیں کیونکہ زاویال ان کے خیال میں کروڑوں کی آسامی تھا۔

O..........O..........O

گرمیوں کے دن تھے۔ دھوپ میں بڑی شدت تھی۔ اس لئے کالج سے گھر تک کا پیدل فاصلہ طے کرتے ہوئے وہ گویا جھلس ہی گئی تھی۔ ٹانگوں میں الگ درد تھا۔ اکثر وہ سوچتی کہ امی اور دادی سے کہہ کر وین لگوالے گی مگر پھر گھر کے حالات دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو راحیلہ کچن سمیٹ رہی تھی، جس کا مطلب تھا کہ تمام گھر والے کھانا کھا کر آرام کرنے کے لئے لیٹ چکے ہیں۔ اس نے برآمدے میں بچھے پلنگ پر کالج بیگ رکھا اور بیٹھ کر جوتے اُتارنے لگی۔

تبھی راحیلہ کچن سے باہر آگئی۔ "نیہا آپی آپ کب آئیں؟" اس نے حیرت سے نیہا کو دیکھا۔

"بس ابھی، مگر یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے؟" نیہا نے پوچھا۔

"وہ ابھی ابھی دادی اماں باہر گئی ہیں۔" راحیلہ تخت کے نیچے رکھی جھاڑو نکالتے ہوئے بولی۔

"وہ کہاں گئی ہیں؟" نیہا نے جوتے پلنگ کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتی ہیں کہ جب سے لائبہ آپا اس گھر سے گئی ہیں، تب سے اس گھر کی بیٹیوں پر اس قدر اعتماد نہیں کیا جاتا کہ انہیں کوئی اپنے آنے جانے کی وجہ بتائے۔ اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ گھر میں اگر

میری سہیلی کا بھی فون آتا ہے تو دادی اماں پہلے خود بات کرکے تسلی کرتی ہیں کہ دوسری طرف کہیں کوئی لڑکا تو نہیں۔" راحیلہ بے حد دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ ابھی تو نجانے ہمیں اور کتنی آزمائشوں سے گزرنا ہے۔ پتہ نہیں اپنے گھر والوں کا اعتماد پانے کے لئے ابھی کتنے امتحانات دینے باقی ہیں۔" اس کے ہونٹوں سے آہ نکلی تھی۔

O..........O..........O

شام کو زاویال اُسے لینے آیا تو لائبہ خاموشی سے اس کے سنگ چل دی۔ دونوں کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ لائبہ کی نگاہیں دوڑتے بھاگتے مناظر پر تھیں اور زاویال ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے تھا۔

تبھی زاویال نے خاموشی توڑی۔ "اگر تم مائنڈ نہ کرو تو کیا میں میوزک سن سکتا ہوں۔ ایکچوئلی مجھے ڈرائیو کرتے ہوئے میوزک سننے کی عادت ہے۔" زاویال نے خوشگوار موڈ میں اجازت طلب کی۔ درحقیقت وہ اپنے اور اس کے درمیان موجود اجنبیت کی دیوار گرانا چاہتا تھا۔

"نہ تو میں آپ کی اجازت کی پابند ہوں اور نہ ہی آپ میری۔ یہ بات جاننے کے باوجود اگر آپ اجازت طلب کررہے ہیں تو پھر آپ کو بھولنے کی بیماری ہے یا آپ کو لفظوں کا زیاں پسند ہے۔" وہ جواباً قدرے ناگواری سے بولی۔

"دیکھو، معاملہ صرف اتنا ہے کہ مجھے اجنبیت پسند نہیں، اس لئے ہمیں دوستی کرلینی چاہئے۔ آگے کا سفر آسان ہوجائے گا۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"دوستی ان سے کی جاتی ہے جن کو انسان قابل بھروسا سمجھے اور جو کچھ میں آپ کے متعلق جانتی ہوں، اس کی روشنی میں، میں آپ پر بھروسا نہیں کرسکتی۔ اس لئے یہ اجنبیت ہم دونوں کے لئے بہتر ہے۔" وہ صفائی سے بولی۔

اور زاویال کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی لڑکی نے اس کی ذات کی تحقیر کی تھی ورنہ لڑکیاں اس سے دوستی کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھتی تھیں، پھر بھلا لائبہ کی اوقات کیا تھی کہ اُسے نا کہتی۔ یہی بات اُسے غصہ دلا گئی۔ اس نے جھٹکے سے گاڑی روک دی۔ لائبہ حیران نہیں ہوئی، وہ جیسا تھا اس کے حساب سے زاویال کو اسی طرح ردعمل دینا چاہئے تھا۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟" اس کا موڈ ایک دم بگڑ گیا۔

"اب یہ میں ہر ایک کو تو بتانے سے رہی۔" اُس نے سادگی سے کہا اور نگاہیں پھر سے باہر کے مناظر پر جمادیں اور زاویال کا خون کھول اٹھا مگر اس نے فی الوقت خود کو کنٹرول کیا تھا مگر اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس توہین کا بدلہ ضرور لے گا۔

O..........O..........O

شام ہوچکی تھی، اس لئے نیہا نے صحن دھو کر چارپائیاں بچھادیں۔ اس وقت اکثر آسیہ بانو کے پاس محلے کی خواتین آیا کرتی تھیں۔ راحیلہ نے ہنڈیا چڑھادی تو نیہا ایک طرف چوکی پر بیٹھ کر آٹا گوندھنے لگی۔ تبھی شاہدہ کمرے سے فون سن کر نکلیں اور کچن میں چلی آئیں۔ آہٹ پہ دونوں بہنیں چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔ "نیہا اور راحیلہ رات کے کھانے کے لئے دو تین اچھی چیزیں بنالو۔ کچھ مہمان آرہے ہیں۔" ان کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"امی کون آرہا ہے؟" راحیلہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"رات کو پتہ چل جائے گا۔ تم لوگوں کو جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ وہ کہہ کر چلی گئیں اور نجانے کیوں نیہا کو ان کی آواز میں لرزش سی محسوس ہوئی۔

وہ اپنی ماں کو جانتی تھی۔ وہ جب بھی کوئی بہت بڑا دکھ چھپانے کی کوشش کرتیں، ان کی کیفیت ایسی ہوجاتی۔ پتہ نہیں کیوں نیہا کو لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی بہت بڑی بات ہے جسے شاہدہ چھپانے کی کوشش میں ایک اذیت سے گزر رہی ہیں۔ شاید حالات پہلے سے ہوتے تو اب تک شاہدہ اپنا دکھ اس سے کہہ چکی ہوتیں کیونکہ آج تک انہوں نے ہر معاملے میں اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کیا تھا مگر اب حالات مختلف تھے۔ جب سے لائبہ اس گھر سے گئی تھی تب سے اس گھر کے لوگوں نے اپنے سائے پر بھی اعتماد کرنا چھوڑ دیا تھا۔ نیہا اس کا ذمہ دار اس گھر کے کسی فرد کو نہیں سمجھتی تھی، وہ اپنی جگہ غلط نہ تھے۔

"آخر ایسا کونسا مہمان ہمارے گھر آرہا ہے جس کی آمد کو یوں صیغۂ راز میں رکھا جارہا ہے؟" راحیلہ کے سوال نے اسے چونکا دیا۔

"پتہ نہیں۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی اور دوبارہ آٹا گوندھنے میں مشغول ہوگئی مگر اب اس کا ذہن رات آنے والے مہمانوں کی آمد میں اُلجھا ہوا تھا۔

O..........O..........O

رات کے کھانے سے فراغت پاکر سبھی لیونگ روم میں قالین پر زاویال اور لائبہ کو گھیرے بیٹھے تھے اور ان کی لو اسٹوری جاننے کو بے قرار تھے۔ اس وقت لیونگ روم میں زاویال کے والدین کے علاوہ اس کی پوری فیملی موجود تھی اور اتنا ہی نہیں، اس کے کزنز کے علاوہ اس کا عزیز دوست اور اس کی بیوی بھی موجود تھے۔ لائبہ کو عجیب کوفت سی محسوس ہو رہی تھی گویا وہ مارے باندھے بیٹھی تھی۔

"ہاں بھئی اب بتاؤ کہ تم دونوں کی پہلی ملاقات کہاں ہوئی۔ یہ ملاقات محبت میں کیسے بدلی اور پھر شادی تک کیسے جا پہنچی؟" ثریا بھابھی جاننے کو بے تاب تھیں۔

"ارے بھئی ملاقات کہاں ہونی ہے۔ یہ کنویں پر پانی بھر رہی تھیں اور میں شہر سے لوٹ رہا تھا اور تب میرا گاؤں کی گوری پر دل آ گیا اور......" اس سے قبل کہ زاویال اپنی بات مکمل کرتا، سب نے گود میں رکھے کشنز اس پر برسانے شروع کر دیئے۔

"اچھا بابا اچھا، بتاتا ہوں۔" زاویال نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ سب رک گئے۔ لائبہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ کیا کہے گا اور جب زاویال بولا تو لائبہ حیران رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ہاں بھئی ہماری پہلی ملاقات ساحلِ سمندر پر ہوئی۔ میں نے جب پہلی مرتبہ لائبہ کو دیکھا تو اک یقین سا میری رگ و پے میں سرایت کر گیا کہ اگر یہ میری زندگی میں آ جائے تو میری ذات کی تکمیل ممکن ہو سکتی ہے اور جس گھڑی میں نے اسے مانگا شاید وہ گھڑی قبولیت کی تھی، اسی لئے آج یہ میری ہے۔" اس کے لہجے میں چاہت اور آنکھوں میں جذبے بول رہے تھے۔

لائبہ نے نا چاہتے ہوئے بھی بے اختیار اس کی جانب دیکھا مگر نجانے کیوں زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی۔ تو یہ جھوٹ بھی ایسے بولتا ہے کہ سچ کا گمان ہو۔ اس نے دل ہی دل میں زاویال کو داد دی۔

"کیا بات ہے بھئی محبت ہو تو ایسی۔" ثریا بھابھی متاثر ہوئیں۔

"بے فکر رہے بیگم، شروع شروع میں ہر شادی شدہ جوڑے کی محبت رومیو، جولیٹ کی سی لگتی ہے۔ حقیقت تو بعد میں کھلتی ہے۔" ارسلان بھائی نے مصنوعی آہ بھری۔ سب منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیسی حقیقت؟" ثریا بھابھی نے شاکی لہجے میں پوچھا۔

"بھئی اس بارے میں میری رائے محفوظ ہے۔" ارسلان بھائی جلدی سے بولے۔

"دیکھا بھابھی ارسلان بھائی آپ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" زاویال نے اُکسایا۔

"اچھا بیٹا تم ہمارا پتہ کاٹ رہے ہو مگر فکر مت کرو، ہمیں بھی ایسے بہت سے مواقع ملیں گے۔ آخر تم بھی شادی شدہ ہو گئے ہو۔" ارسلان بھائی نے دھمکایا۔

سب ہنسنے لگے مگر زاویال کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ خوف جو ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ جانے کا ہوتا ہے۔ یہ بات ثریا بھابھی کو عجیب لگی۔ بھلے یہ سب مذاق سہی مگر پھر بھی زاویال کا ردِعمل اور اس کی بات پر لائبہ کا ردِعمل دونوں ان کی سمجھ سے بالاتر تھے۔

O..........O..........O

جن مہمانوں کی آمد متوقع تھی۔ وہ شفقت اور اس کی فیملی تھی۔ اس سے زیادہ نیہا کے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ وہ لوگ اس کے لئے منگنی کا سامان لائے تھے اور اس وقت شاہدہ اس کے سامنے ان کا لایا جوڑا اور زیور کا ڈبہ لئے کھڑی تھیں اور یہ سب پہن کر منگنی کی رسم کے لئے اُسے باہر آنے کو کہہ رہی تھیں۔

نیہا نے یوں انہیں دیکھا گویا پوچھ رہی ہو، میرا جرم کیا ہے، جس کی سزا کے طور پر میرا ناتا شفقت جیسے انسان سے جوڑا جا رہا ہے۔ وہ شفقت جس نے آج تک خاندان کی ہر لڑکی کو غلط نگاہوں سے ہی دیکھا ہے، جس کے اس بازار کی عورتوں سے تعلقات ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سی برائیاں تھیں۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہو مگر ان حالات میں شفقت نے تم سے رشتہ جوڑنے کی خواہش کر کے ہم پر احسان کیا ہے ورنہ جن کی بہنیں لائبہ جیسی ہوں، وہ لڑکیاں والدین کی چوکھٹ پر بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ ہم نے تو اپنی بچی کھچی عزت کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔ چاہو تو تم بھی لائبہ کی طرح اس عزت کو اپنے قدموں تلے روند ڈالو۔ اپنے لئے نئی راہیں تلاش کر لو اور ہمیں کیا معلوم کہ تم نے بھی اپنے لئے پہلے ہی سے کچھ سوچ رکھا ہو۔ ارے اگر ایسا ہے تو مجھ بدنصیب کو بتا دو تاکہ اس ذلت سے پہلے میں اپنی جان دے دوں۔ بیٹیاں تو میرے ہاتھ میں نہیں مگر کم از کم میں یہ تو کر ہی سکتی ہوں نا۔" وہ وہیں چارپائی پہ بیٹھ کر رونے لگیں۔

نیہا کو ان کی باتوں نے بے حد تکلیف پہنچائی تھی۔ اس وقت وہ اس حالت میں نہ تھی کہ اپنے متعلق کوئی وضاحت کر سکتی۔ راحیلہ کو غصہ آ گیا، اس لئے وہ بول پڑی۔ "امی آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ لوگ لائبہ آپا کے گناہوں کی سزا نیہا آپی کو کیوں دے رہے ہیں۔ آخر انہوں نے کیا کیا ہے؟" راحیلہ کی عادت تھی کہ وہ غلط بات برداشت نہیں کرتی تھی۔

"تم خاموش رہو۔ تم سے کسی نے فیصلہ کرنے کے لئے رائے نہیں مانگی۔ مجھے نیہا کی زبان سے سننا ہے۔" انہوں نے راحیلہ کو ٹوک دیا جس پر راحیلہ کا منہ بن گیا۔ اب وہ نیہا سے مخاطب ہوئیں۔ "کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ یاد رکھنا کہ تمہیں پڑھائی کی اجازت اسی لئے ملی تھی کہ اب تم اپنی زندگی کے تمام اختیارات ہمارے سپرد کر دو گی۔" انہوں نے گویا یاد دلایا۔

"آپ لوگ جو چاہتے ہیں وہی ہو گا۔" نیہا کی آواز کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آواز میں ویسا ہی درد تھا جو مرتے ہوئے مریض کی آواز میں آخری لمحات میں ہوتا ہے۔

راحیلہ کو لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ شاہدہ بھی اسی کیفیت میں تھیں مگر اس وقت وہ صرف ماں بن کر نہیں سوچ سکتی تھیں۔ وہ ایک بہو تھیں جو ہمیشہ سے ساس سے یہی سنتی آئی تھیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کی ٹھیک سے پرورش نہیں کر سکیں۔ وہ لائبہ کی ہر غلطی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتی تھیں۔ شاہدہ بیوی تھیں، وہ بیوی جنہیں اپنے شوہر کی عزت سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی۔ ایک تو کیا وہ اس عزت کے لئے سو بیٹیوں کو قربان کر سکتی تھیں۔

O..........O..........O

ایک سال میں لائبہ کی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں مگر اب بھی لائبہ کو وہ چھوٹا سا گھر بڑی شدت سے یاد آتا جہاں والدین کی دعاؤں کا سایہ اور بہنوں کی پُرخلوص محبتیں تھیں۔ آج اس کے لئے فیضان سے ہونے والے جھگڑے بھی میٹھی یادوں میں شامل تھے۔ وہی جھگڑے جنہیں اس نے کبھی اپنی زندگی کا روگ بنا لیا تھا۔

زاویال تولئے سے گیلے بال رگڑتا باتھ روم سے باہر آیا تو لائبہ صوفے پر بیٹھی ہاتھ میں کھلی کتاب لئے نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ زاویال کو یقین تھا کہ یہ کتاب وہ اپنے گھر سے ہی لائی ہو گی کیونکہ اس گھر اور اس کمرے کی کوئی چیز وہ زاویال سے پوچھے بنا استعمال نہیں کرتی تھی۔ زاویال صوفے پر اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھا تھا مگر لائبہ کا دھیان اب وہاں نہ تھا۔

"کیا میں تم سے دو منٹ بات کر سکتا ہوں؟" اس نے سنجیدگی سے اجازت طلب کی۔ لائبہ پہلے چونکی اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔ پتہ نہیں اُسے بات کرنا پسند نہ تھا یا وہ اس وقت اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زاویال سمجھ نہیں پایا مگر اس وقت وہ اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا اور لائبہ نے ہامی صرف اس لئے بھری تھی کہ وہ زاویال کی بات سننے پر مجبور تھی۔ زاویال تاخیر کئے بنا بولا۔ "لائبہ جس راہ پر ہم نے قدم رکھا ہے، اس راہ پر ابھی کتنا سفر اور باقی ہے، یہ میں نہیں جانتا مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر ہم درمیان سے اجنبیت نکال دیں تو یہ سفر ہم دونوں کے لئے آسان ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ہمارے درمیان یہ بیگانگی قائم رہی تو کسی وقت بھی یہ بھید کھل سکتا ہے کہ درحقیقت ہمارا رشتہ کیا ہے، جو میں نہیں چاہتا۔ اس لئے بہت زیادہ نہ سہی مگر کم از کم ہمیں ایک دوسرے کی پسند و ناپسند تو پتہ ہونی ہی چاہئے۔" اتنا کہہ کر وہ لائبہ کو اپنی پسند و ناپسند سے آگاہ کرنے لگا جبکہ لائبہ ایک اچھے سامع کی طرح سنتی رہی۔ وہ اپنی بات ختم کر چکا تو بولا۔ "اب تم بتاؤ تمہاری پسند و ناپسند کیا ہے۔"

"مجھے ہر وہ شے ناپسند ہے جو انسان کو جینے پر مجبور کر دے، جیسے سینے میں دھڑکتا دل، رگوں میں گردش کرتا ہوا خون، آتی جاتی سانسیں اور وہ رشتے جو انسان کو کمزور کر دیں۔ اس قدر کہ وہ خود سے ہی ہار جائے اور جہاں تک میری پسند کا سوال ہے تو مجھے تاریکی پسند ہے، جس میں کوئی قریب نہیں ہوتا۔ مجھے زندگی سے نہیں موت سے عشق ہے اور میں منتظر ہوں کہ وہ کب میرا نصیب بنے گی۔ میرا نہیں خیال اس سے زیادہ آپ کو میرے متعلق کچھ جاننا ہے۔" لائبہ نے اپنی بات ختم کر کے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

زاویال اس کی باتیں سن کر دو پل کے لئے ساکت رہ گیا۔ اس کی زندگی میں آج تک ہزاروں لڑکیاں آئی تھیں مگر ان میں ایسے خیالات کسی کے نہ تھے۔ اس لئے زاویال کو جھٹکا لگنا فطری سی بات تھی لیکن زاویال نے اپنی حیرت اس پر عیاں نہ ہونے دی۔

O..........O..........O

شفقت کے نام کی انگوٹھی اُس کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے نام سے منسوب ہو گئی۔ وہ لوگ رسم کے نام پر اس انگوٹھی کے علاوہ جوڑا، سیٹ، پھل، مٹھائی اور نجانے کیا کچھ لائے تھے۔

ان کے جانے کے بعد دونوں بہنیں وہ سب سمیٹ سمیٹ کر فریج میں رکھ رہی تھیں۔ آسیہ بانو تو بے حد خوش تھیں البتہ شاہدہ اس سے نگاہیں ملاتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔ اس سے وہ کچھ نہ کہہ سکیں البتہ افتخار فاروقی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اتنا کہا تھا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ تم سوچ رہی ہو گی کہ ہم نے تمہاری زندگی کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے، تم سے کیوں نہیں پوچھا، تو اس کا جواب صرف اتنا ہے کہ تم اپنے باپ کا غرور ہو اور میں نے تمہارے لئے جو فیصلہ کیا ہے، وہ اس مان کے ساتھ کیا ہے کہ میری بیٹی کو اپنے باپ پر بھروسا ہے۔ اگر کوئی شکایت ہو تو کہہ سکتی ہو۔" وہ جیسے اس کے دل کی بات جاننا چاہتے تھے۔

نیہا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تب وہ بس اتنا ہی بولے۔ "خوش رہو آباد رہو۔"

O..........O..........O

آج کالج جاتے ہوئے اتفاقاً ہی بس اسٹاپ پر نیہا کا اعتزاز حسن سے سامنا ہو گیا تھا۔ نیہا کو معلوم تھا کہ وہ اسی کی خاطر کھڑا ہے کیونکہ بس میں اس کا آنا جانا نہیں تھا۔ نیہا نے اُس کی موجودگی کو نظرانداز کر دیا تو وہ اس کے قریب چلا گیا۔

"کیسی ہو تم؟" اعتزاز نے نرمی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے اعتزاز کی جانب دیکھے بنا، کھردرے لہجے میں جواب دیا۔

"خالہ جان اور خالو جان"...... اور اس سے قبل کہ اعتزاز کچھ اور پوچھتا۔ وہ بھڑک اٹھی۔

"کیا جاننا چاہتے ہیں آپ کہ آپ کے والد نے جس طرح سے میرے ماں باپ کی توہین کی، جس انداز میں انہیں ذلیل کیا، اس کے بعد وہ زندہ ہیں یا نہیں، تو مسٹر اعتزاز حسن غور سے سنیے کہ میرے ماں باپ اب تک زندہ ہیں اور اپنی بیٹی کو سدا سہاگن رہنے کی دعا دینے کے لئے دن گن گن کر گزار رہے ہیں اور انشاءاللہ میرا گھر بستے ہوئے بھی دیکھیں گے۔ شفقت کے ساتھ۔" نیہا کا انداز جتانے والا تھا۔

اور اتنا سنتے ہی اعتزاز ایک پل کے لئے ساکت سا ہو گیا مگر اگلے پل سنبھل کر بولا۔ نیہا تم ہوش میں تو ہو۔ جانتی بھی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟" اُسے ایک لمحے کے لئے نیہا کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا تھا۔

"میں نے وہی کہا ہے جو سچ ہے، یقین کرنا نہ کرنا آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔" وہ اتنا کہہ کر اپنی مطلوبہ بس کی جانب بڑھ گئی۔

اعتزاز کسی بُت کی مانند وہیں ایستادہ تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شفقت جس سے نیہا سب سے زیادہ نفرت کرتی ہے، آج اسی کو اپنا جیون ساتھی بنانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اب تو شک کی گنجائش نہ تھی کیونکہ وہ نیہا کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی دیکھ چکا تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ کیا نہ کرے؟

O..........O..........O

دعوتوں کا سلسلہ تمام ہوا تو بیگم جہاں آراء نے گھر کی ذمہ داریاں لائبہ کے سپرد کرنے کا سوچا اور اسی لئے آج اُس سے کھیر پکوائی جا رہی تھی۔ "سکندر ولا" کے رہنے والے جس قدر ماڈرن تھے، لائبہ کو ان سے یہ روایتی سی رسم نبھانے کی توقع نہ تھی۔ بہرحال وہ اپنے کردار کو نبھانے کی پابند تھی، اس لئے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکان سجائے تھی۔

ثریا بھابھی اور عمران کی بیوی طاہرہ موجود تھیں۔ تبھی زاویال، عمران اور ارسلان بھائی بھی چلے آئے۔ وہ کچن سے باہر کھڑے تھے۔ تبھی طاہرہ نے چھیڑا۔ "واہ بھئی محبت ہو تو ایسی، کہاں تو جناب نے کبھی کچن کا راستہ تک نہیں دیکھا اور کہاں اب کھنچے چلے آئے ہیں، کچے دھاگے سے بندھے۔" طاہرہ نے زاویال کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"بھئی جن کے لئے چاند، تارے توڑے جا سکتے ہیں، آگ کا دریا عبور کیا جا سکتا ہے، ان کے لئے کچن تک آنا تو بہت ہی معمولی بات ہے۔" وہ چاہت بھری نگاہوں سے لائبہ کا چہرہ تکتے ہوئے بولا۔

لائبہ نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر کھیر کی جانب متوجہ ہوئی مگر وہ دل ہی دل میں زاویال کی ایکٹنگ کی داد دے رہی تھی اور نجانے کس خیال کے تحت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ تبھی ثریا بھابھی بولیں۔ "بھئی خالی مسکرانے سے کام نہیں چلے گا۔ محبت کا جواب محبت سے دینا ہو گا۔" ثریا بھابھی انہیں گھیرنے کے موڈ میں تھیں۔

"میں کیسے......؟" لائبہ نروس ہو گئی شاید یہ تقاضا غیر متوقع تھا۔

"دیکھو تو کیسے شرما رہی ہے جیسے یہ اس کا شوہر نہ ہو بلکہ کوئی اجنبی ہو۔" طاہرہ کو ہنسی آ گئی۔

لائبہ نے مدد طلب نگاہوں سے زاویال کو دیکھا مگر اس نے شانے اُچکا کر گویا ہری جھنڈی دکھائی۔

لائبہ کو اس گھڑی زاویال پر بہت غصہ آیا مگر ابھی تو وہ خود پھنسی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ کچھ نہ کہہ سکی تو گھر والوں کو شک ہو جائے گا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

"میری آنکھیں نم ہوں یا لب بے اختیار کھل اُٹھیں، اس کی وجہ آپ ہی ہوتے ہیں کیونکہ محبت کی انتہا یہی ہے اور بس میں تمام عمر آپ سے اتنی ہی محبت کر سکتی ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی اور سب "واہ واہ" کر اُٹھے۔ بھلا اس سے زیادہ کوئی کسی کو چاہ سکتا ہے۔" ثریا بھابھی متاثر ہوئیں۔

"بھئی جتنی محبت کی یہ دعویدار ہیں، اُس سے کہیں زیادہ محبت میں ان سے کرتا ہوں۔" وہ لائبہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ لائبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ زاویال کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ لائبہ نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"اچھا تو ثابت کرو۔" ثریا بھابھی نے چیلنج کیا۔ لائبہ ٹپٹا کر دونوں کو دیکھنے لگی۔

"کروں گا ضرور کروں گا مگر وقت آنے پر۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

اور سب زاویال کی جان کو آ گئے۔ لائبہ جانتی تھی کہ وہ اُسے پریشان کرنے کے لئے یونہی کہہ رہا ہے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ زاویال کا کریکٹر کیا ہے اور ایسے کریکٹر لیس لوگ محبت کرنا تو دور، اُس کی الف، ب بھی نہیں جانتے۔ لائبہ نے حقارت سے سوچا۔

زاویال کی تیز نگاہیں لائبہ کے چہرے کے تاثرات پڑھیں۔ اُسے یقین تھا کہ اس گھڑی لائبہ عام لڑکیوں جیسا کچھ نہیں سوچ رہی ہو گی۔

O..........O..........O

"جیسے زندگی کے متعلق ہر ایک کا اپنا نظریہ ہوتا ہے، اپنی رائے ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح مختلف شعراء نے محبت کو ایک الگ انداز میں

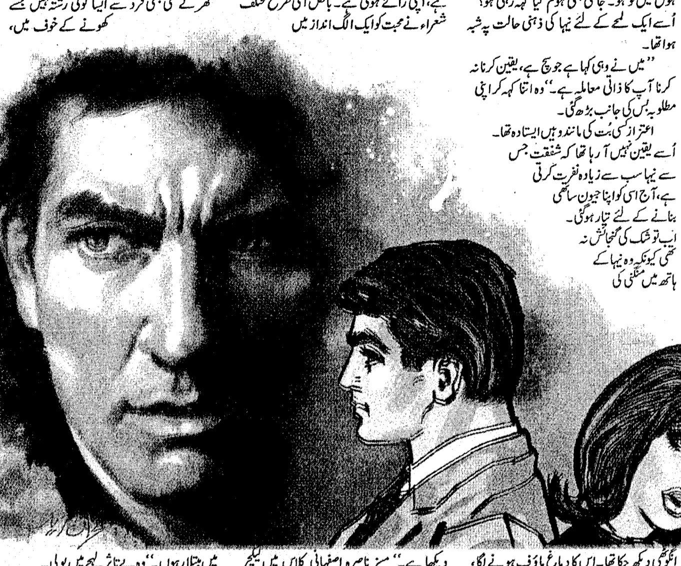

دیکھا ہے۔" مسز ناصرہ اصفہانی کلاس میں لیکچر دے رہی تھیں۔ نیہا بڑی بددلی سے بیٹھی تھی، اس لئے نہیں کہ اُسے پڑھائی سے دلچسپی نہ تھی یا مسز ناصرہ سے کوئی پرابلم تھی بلکہ اس محبت اور زندگی کے موضوع سے اُسے اذیت کا سا احساس ہو رہا تھا۔ زندگی جس کا ہر پل ایک آزمائش تھا اور محبت، محبت کے متعلق سوچتے سوچتے اُس کا دھیان اعتزاز کی جانب چلا گیا۔ وہ شخص جو اس کی زندگی کا واحد خواب تھا جس کی تعبیر پانے کے لئے اس نے کبھی دن و رات دعائیں مانگی تھیں مگر بس وہ ایک پل ہی تو تھا جب اس کی زندگی کا واحد خواب کرچی کرچی ہو گیا۔

وہ رشتہ جو اچانک ہی دو دلوں کے بیچ بنا تھا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ادھورا رہ گیا تھا اور نیہا جانتی تھی کہ اب یہ رشتہ کبھی مکمل نہیں ہو پائے گا کیونکہ جو اس کے اور اعتزاز کے بیچ آ چکا تھا، اُس نے دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے لا کھڑے کئے تھے اور جب سے اس کا اور شفقت کا رشتہ جڑا تھا، تب سے دونوں کے بیچ اک آگ کا دریا آ ٹھہرا تھا اور اس آگ کے دریا کو عبور کرنے کا مطلب تمام رشتوں کو تیاگ دینا تھا اور اس وقت نیہا اور اعتزاز دونوں یہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ لائبہ کے جانے کے بعد نیہا کو اپنے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے کا حق نہ رہا تھا اور پھر وہ خودغرض بھی نہ تھی کہ اپنی خوشیوں کے لئے اپنے چاہنے والوں کو آزمائش میں ڈال دیتی، اس لئے اس نے اپنی ہر خواہش کو اپنے دل کے قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔ یوں بھی اسے اپنی ماں اور باپ کی عزت کے عوض ملی خوشیاں نہیں چاہیئے تھیں۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی تبھی مسز ناصرہ نے اُسے کھڑا کر دیا۔ وہ نیہا کا نظریہ جاننا چاہتی تھیں۔

دو دلوں کے درمیان جب رشتے کی شروعات ہوتی ہے تب صرف محبت حقیقت ہوتی ہے اور کچھ نہیں مگر پھر آہستہ آہستہ یہی حقیقت، تلخ حقیقت بن جاتی ہے۔ ایک مقام ایسا آتا ہے کہ جب کئی دوسرے رشتوں کو زندگی دیتے دیتے محبت اپنی موت آپ مر جاتی ہے اور اس کی لاش پر تنہا رونے والا صرف ایک ہی انسان بچتا ہے اور یہ وہی انسان ہوتا ہے جو محبت کو حقیقت مان کر اسی مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔ جہاں کبھی محبت نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

وہ کہتے ہیں نا کہ دُکھے ہوئے دلوں سے صرف آہ نکل سکتی ہے تو نیہا کے لبوں پر بھی اس وقت اس کا نظریہ نہیں بلکہ اس کے دکھوں کی داستان تھی۔ مسز ناصرہ نے محسوس کیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر تو یہاں موجود ہے مگر ذہنی طور پر غیر حاضر تھی، اس لئے انہوں نے کچھ کہنے کے بجائے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی مگر اعتزاز اب بھی اُس کی سوچوں کا محور تھا۔

O..........O..........O

لائبہ رات کو کمرے میں سونے کے لئے آئی تو زاویال صوفے پر بیٹھا تھا اور سامنے شیشے کی چمکتی میز پر شراب کی بوتل، گلاس اور دیگر لوازمات دھرے تھے۔ لائبہ اُسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ گئی اور لانڈری سے آئے کپڑوں کو الماری میں رکھنے لگی۔

"چاہو تو تم بھی پی سکتی ہو۔ اچھا ہے مجھے کمپنی مل جائے گی۔" زاویال نے آفر دی۔

"تھینکس۔" لائبہ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"تمہیں شاید ڈر لگ رہا ہے کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے، تو ڈونٹ وری ہمارے گھر میں اس وقت سب سو جاتے ہیں۔" زاویال نے جیسے اُس کا مذاق اُڑایا۔

"میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور ویسے بھی ڈر وہاں جنم لیتا ہے، جب انسان کو پانے اور کھونے کا مرحلہ درپیش ہو اور میرا آپ سے یا اس گھر کے کسی بھی فرد سے ایسا کوئی رشتہ نہیں جسے کھونے کے خوف میں، میں مبتلا رہوں۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

زاویال اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھا اور لائبہ کے دل پر اک قیامت سی گزر گئی۔ اس نے شاید کبھی محبت نہیں کی تھی مگر ایک رشتہ زندگی میں ایسا ضرور ملا تھا جس میں بندھ کر محبت کا سا احساس ہوتا تھا۔ وہ ایک پل کے لئے ماضی میں کھو گئی مگر زاویال کی آواز اُسے حال میں لے آئی۔ وہ ایک پل کے لئے چونکی اور پھر نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" زاویال نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"میں اُس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی مگر حقیقتاً وہ اس پل بے سکون ہو گئی تھی کئی زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔

O..........O..........O

سب سونے کے لئے جا چکے تھے جبکہ نیہا اب تک نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ تب اچانک فون بج اٹھا۔ نیہا نے بے اختیار ہی پہلے اپنے قریب سوئی راحیلہ کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اگلی نگاہ وال کلاک پر ڈالی۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے؟ اس نے اٹھتے ہوئے قدرے پریشانی سے سوچا۔

"ہیلو!" اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں اعتزاز بات کر رہا ہوں۔" دوسری جانب سے شناسا آواز سنائی دی۔

نیہا کے دل میں جیسے ٹیس سی اُٹھی، آنکھوں میں نمی سی اُتر آئی مگر وہ بڑے ضبط سے بولی۔ "کہیے کیسے فون کیا؟" نیہا نے اپنا لہجہ حد درجہ تلخ کر لیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اعتزاز نے بنا تمہید باندھے کہا اور نیہا کو یاد آیا کہ کبھی وہ جو یہ سن لیتی کہ خاندان کی فلاں تقریب میں اعتزاز بھی شرکت کر رہا ہے تو وہ اپنے گنے چنے جوڑوں میں سے بھی ایک جوڑا منتخب کرنے میں گھنٹوں لگا دیتی کہ جسے پہننے کے بعد اعتزاز کی خاموش مگر ستائش بھری نگاہیں اُس پر ٹھہر جائیں۔

اُس کا بس نہ چلتا تھا کہ اعتزاز حسن کا ہر راستہ پھولوں سے سجا دیتی مگر اب یکدم ہی بہت کچھ بدل گیا تھا۔ آج وہ اسی اعتزاز حسن سے ملنے کی خواہشمند نہ تھی جو کل کی طرح آج بھی دل کے کسی کونے میں چھپا بیٹھا تھا۔

"میرا نہیں خیال کہ مجھے آپ سے یا آپ کو مجھ سے ملنے کی کوئی ضرورت ہے اور بہتر ہو گا کہ آپ آئندہ فون نہ کریں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ آنکھوں کی نمی کے ساتھ دل کا درد بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ واپس اپنی جگہ آ بیٹھی۔

کتنی ہی مرتبہ اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی مگر دھیان اعتزاز کی جانب رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود نیہا سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اب دونوں کے بیچ کہنے سننے کو رہ کیا گیا تھا اور اگر کچھ کہنے اور سننے کو تھا تو اس کا وقت گزر چکا تھا۔

"نیہا کی تمام رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی۔ کبھی اپنے ماضی کے میٹھے پل یاد کرنے، کبھی بے وفائی کا ماتم کرتے اور کبھی اپنے گناہ و ثواب کا حساب کرتے۔ جو بھی تھا مگر یہ حقیقت اٹل تھی کہ اس کے ہر آنسو اور ہنسی کی وجہ صرف اور صرف اعتزاز حسن تھا۔

اس کے کانوں میں چڑیا کے چہچہانے کی آواز پڑی۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔ راحیلہ اب بھی سو رہی تھی۔ نیہا نے اُٹھ کر کمرے کی واحد کھڑکی جو صحن کی طرف کھلتی تھی، اس کے پردے ہٹا دیئے۔ صبح کی روشنی اندر داخل ہو کر ہر سو پھیل گئی۔ نیہا نے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ ابھی راحیلہ کے اسکول جانے میں کافی وقت تھا، اس لئے نیہا اسے سوتا چھوڑ کر صحن میں چلی آئی۔ صحن کے ایک طرف چڑیوں کے لئے باجرا ڈالا، پیالے میں پانی بھر کے رکھا اور پھر نل سے پائپ لگا کر صحن میں بنی کیاری میں لگے پھولوں اور پودوں کو پانی دینے لگی۔

تب تک شاہدہ بھی اٹھ کر باہر آ چکی تھیں۔ "کیا بات ہے، بڑی دل جمعی سے کام کر رہی ہو...... کیا کالج جانے کا ارادہ نہیں؟"

"بس ایسا ہی سمجھیں۔" وہ مسلسل اپنے کام میں مصروف رہی البتہ انداز ٹالنے والا تھا۔

"حیرت ہے یوں تو تمہیں کالج جانے کا خبط سوار رہتا ہے اور آج......" بات کرتے کرتے وہ اس کے سامنے آ گئیں تو باقی کی بات ادھوری چھوڑ دی۔ "یہ تمہاری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں۔ یوں لگ رہا ہے کہ رات بھر سوئی نہیں ہو۔" شاہدہ نے اُسے بغور دیکھا۔

"سوئی تو واقعی نہیں، نوٹس جو بنانے تھے۔" وہ نگاہیں چُراتے ہوئے بولی۔

"نیہا بس یہی بات ہے نا؟" شاہدہ فکرمند سی تھیں۔

"جی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نیہا ایک بات یاد رکھنا، زندگی کے ہر موڑ پر، ہر رشتے میں مجھے گھاٹا ہی ہوا ہے۔ میں نے قدم قدم پر دھوکا ہی کھایا ہے۔ اگر زندگی میں کبھی تم بھی لائبہ کی طرح اپنی خواہشات سے ہار جاؤ تو اپنی جیت کا جشن منانے سے پہلے تمہیں اپنے ہاتھوں سے اپنی ماں کو قبر میں اُتارنا پڑے گا۔" وہ انجانے خدشے کے تحت کانپتے ہوئے لہجے میں بولیں اور نیہا نے بے اختیار انہیں گلے سے لگا لیا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی مگر اپنے ماں، باپ کی جھکی گردن نہیں دیکھ سکتی تھی۔

O..........O..........O

"جو لوگ زندگی میں کچھ پانے کے لئے بہت کچھ جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں سے گنوا دیتے ہیں۔ وہ اس سمندر کی طرح ہوتے ہیں جس سے لوگ پیاس بجھا لیتے ہیں مگر وہ خود ہمیشہ پیاسا رہتا ہے۔

لائبہ سب کے ساتھ ٹی وی پہ بیٹھی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ جس میں ایک مجبور باپ اپنی باغی بیٹی کے سامنے کھڑا عزت کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اُسے سمجھا رہا تھا۔

لائبہ کو دیکھتے دیکھتے ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے وہ مجبور باپ افتخار فاروقی ہیں اور وہ باغی لڑکی خود لائبہ ہے۔ اس باپ کے لہجے میں وہی بے چارگی تھی جو کبھی افتخار فاروقی کے لہجے میں تھی اور وہ لڑکی اتنی ہی بے حسی کا مظاہرہ کر رہی تھی جتنا لائبہ نے کیا تھا۔ لائبہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"لو بھائی زاویال تمہاری بیوی تو بہت ہی کمزور دل کی مالک ہے۔" ثریا بھابھی کے ہونٹوں پر لائبہ کو دیکھ کر مسکراہٹ آ گئی۔

پھر سب ہی لوگوں نے چونک کر لائبہ کی جانب دیکھا۔

(جاری ہے)

سلمیٰ یونس

قسط : 2

لائبہ نے جلدی سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے آنسوؤں کو اس کی کمزوری سمجھ بیٹھے۔ بیگم جہاں آراء اُس کے قریب آبیٹھیں۔ زاویال اور ثریا بھابھی بھی قریب چلے آئے۔ سب اُس سے رونے کی وجہ پوچھ رہے تھے مگر اُس نے یہ کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا کہ اُسے اپنے گھر والوں کی یاد آرہی ہے۔

''یہ سب تمہاری غلطی ہے۔ تمہیں یاد بھی ہے کہ آخری مرتبہ تم لائبہ کو کب اُس کے گھر والوں سے ملانے لے گئے تھے؟'' بیگم جہاں آراء نے زاویال کو آڑے ہاتھوں لیا۔ زاویال سٹپٹا گیا۔ اُس نے وضاحت کے لئے لب وا کئے مگر اس سے قبل ہی جہاں آراء بیگم اُسے روکتے ہوئے بولیں۔ ''مجھے کوئی ریزن نہیں سننا۔ کل ہر صورت تم اسے اس کے گھر لے کر جاؤ گے۔'' بیگم جہاں آراء کا انداز اس قدر فیصلہ کن تھا کہ زاویال کو کچھ بھی کہنا بے مصرف لگا، البتہ اس نے ایک سلگتی نگاہ لائبہ پر ڈالی۔

لائبہ تو خود پریشان تھی۔ اب انہیں کیا کہتی کہ وہ مہوش بیگم کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی، کجا اس چاردیواری میں جانا مگر وہ یہ سب کسی کو نہیں بتا سکتی تھی کیونکہ جو زخم اس کے دل پر لگے تھے، ان کی مسیحائی اب ممکن نہ تھی۔

☆......☆......☆

نیہا کالج کے گیٹ سے نکلی تو اعتزاز کو دیکھ کر چونک اُٹھی۔ وہ اُسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر اعتزاز سامنے آگیا۔ اس وقت وہ پولیس یونیفارم میں نہیں بلکہ جینز اور کاٹن کی شرٹ میں تھا۔ اردگرد ڈھیروں لڑکیاں موجود تھیں۔ کچھ اپنی گاڑیوں کی جانب بڑھ گئیں تو کچھ پیدل ہی چل پڑی تھیں اور ان میں کچھ لڑکیاں ان دونوں کی جانب بھی متوجہ تھیں۔ ان کی نگاہوں میں اعتزاز اور نیہا کو ساتھ دیکھ کر بڑے عجیب سے رنگ آٹھہرے تھے۔ نیہا کو ان کی نگاہیں اپنے وجود پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

تب اس نے خفگی سے اعتزاز کی جانب دیکھا۔

''اس طرح میرا راستہ روکنے کی وجہ؟''

''تم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''اب کچھ کہنے اور سننے کی گنجائش نہیں رہی۔ جو سلوک آپ کے گھر والے میرے والدین کے ساتھ کر چکے ہیں، اُس کے بعد تو میں آپ کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ بھی جواباً صاف گوئی سے بولی۔

''جانتا ہوں اور یہ بھی معلوم ہے کہ میرا تم پر کوئی حق نہیں۔ اس کے باوجود پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم اپنے اور شفقت کے رشتے سے خوش ہو؟''

اس نے سوالیہ نگاہوں سے نیہا کو دیکھا۔

''کوئی آپ کو آپ سے بڑھ کر چاہے، اس مقام پر آپ کا ہاتھ تھام کر منزل تک لے جائے جہاں انسان اپنا سب کچھ کھو چکا ہو، یہاں تک کہ اپنی ذات کا یقین بھی، اُس انسان کو سہارا دینے والا، اُس کا ساتھ دینے والا انسان معمولی نہیں ہوتا بلکہ ہر لڑکی کا آئیڈیل ہوتا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں شفقت کی زندگی کا حصہ بننے جا رہی ہوں۔'' نیہا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''نیہا! زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی ہے، اُسے یوں برباد مت کرو، پلیز۔'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔

''دولت مند بننے کے مواقع انسان کو زندگی میں بار بار نہیں ملتے اور میں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی جبکہ اعتزاز حسن اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

لائبہ کمرے میں خاموشی سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ آنسو اب بھی تسلسل سے بہہ رہے تھے۔ اُسے بڑی شدت سے اپنے یاد آرہے تھے۔ وہ رشتے جنہیں اس نے ایک رشتے پر قربان کر دیا تھا لیکن آج وہ ایک رشتہ اس کی زندگی میں کہیں نہ تھا لیکن وہ سارے رشتے اُسے یاد تھے جن سے اس نے منہ موڑ لیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی، تبھی زاویال کمرے میں داخل ہوا مگر لائبہ کو اس کی موجودگی کا احساس نہ ہو سکا۔

زاویال بیڈ کے قریب چلا آیا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میرے گھر والوں کے سامنے یہ ٹسوے کیوں بہائے جا رہے تھے؟'' وہ قدرے غصے میں تھا۔

''بس ویسے ہی......'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے سنبھل کر بولی۔

''تمہیں میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا کہ ہمیں ہر حال میں اتنا آسودہ اور خوشحال نظر آنا ہے کہ کسی کو شک نہ ہو کہ ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں۔ آج تو اچھا ہے کہ کسی نے سوال نہیں کیا مگر کل کچھ بھی ہو سکتا ہے، اس لئے پلیز یہاں اپنی فیلنگز کو کنٹرول میں رکھو اور صرف وہی کرو جس کی تمہیں قیمت دی گئی ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر، جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا اور اس پل لائبہ کو بڑی شدت سے اپنے بے حیثیت ہونے کا احساس ہوا۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آراء نے زبردستی زاویال اور لائبہ کو شاپنگ کے لئے بھیجا تھا۔ گاڑی پارک کرتے ہوئے زاویال نے لائبہ کی جانب دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ زاویال اندازہ نہیں لگا پایا کہ کل رات کی بات کا اُس پر کیا اثر ہوا ہے۔ گاڑی سے اُتر کر دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ دونوں کا رُخ شاپنگ سینٹر کی جانب تھا۔

زاویال نے نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ نیلے رنگ کے جدید تراش خراش کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس، ماڈرن ہیئر اسٹائل اور مناسب میک اَپ کے ساتھ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں شاپنگ سینٹر میں داخل ہوئے، تبھی ایک لڑکی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں لائبہ کے لئے شناسائی تھی۔ لائبہ کو بھی اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ وہ زوبا ریہ تھی جسے لائبہ، زوبی کہہ کر پکارتی تھی۔ زاویال خاموش کھڑا تھا۔

لائبہ کی حالت اس وقت ایسی تھی جیسے اجنبی دنیا میں کوئی اپنا مل گیا ہو۔ وہ اس کی جانب بڑھی مگر زوبی بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی، گویا اسے چھوت کی بیماری ہو۔ لائبہ کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔

''تم تو میرے قریب بھی مت آنا، تم جیسی گھٹیا عورت کے تو سائے سے بھی دور رہنا چاہئے۔'' زوبی کی آنکھوں میں حقارت تھی۔ ''ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے مگر تم نے تو اپنی سہیلی کا بھی گھر نہ چھوڑا۔'' بات کرتے کرتے اس کی نگاہ زاویال پر پڑی۔ ''لگتا ہے آج کل اس کا شکار تم ہو لیکن بچ کر رہنا کیونکہ سانپ کے کاٹے کا علاج ہو سکتا ہے مگر اس کے دیئے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔ اس پر یقین کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ یقین کا مطلب تک نہیں جانتی۔ اس لئے ایک پل میں لوگوں کو برباد کر دیتی ہے۔'' وہ حقارت سے کہہ کر چلی گئی اور لائبہ سر جھکائے سب کچھ سنتی رہی۔ زاویال کے لئے اس کی خاموشی ایک معمہ تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ نے شاپنگ کے دوران کچھ بھی اپنی پسند سے نہیں لیا تھا۔ جو زاویال نے کہا، بنا سوال کئے، بنا اپنی پسند و ناپسند ظاہر کئے رکھ لیا۔ جس سے زاویال کو اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے۔ جب لائبہ نے اس سے کہا کہ وہ چند گھنٹوں کے لئے اسے مہوش بیگم کے پاس چھوڑ دے تو زاویال نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی کومل کے کمرے میں چلی آئی جہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے مہوش بیگم کے وہ خاص مہمان گئے تھے، جو رات کے اندھیرے میں آتے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے چلے جاتے۔ ان کی خاطر داری کی ذمہ داری باقی بہت سی لڑکیوں کی طرح کومل پر بھی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی لیکن لائبہ کو سامنے دیکھا تو ایک دم سے خوش ہو اُٹھی اور بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔

لائبہ کو لگا جیسے کوئی اپنا ہو اور یہ حقیقت تھی کہ اپنوں کو چھوڑنے کے بعد جو ایک اپنا سا رشتہ ملا تھا، وہ کومل ہی کا تھا۔ وہ کبھی اس کی دوست بن جاتی، کبھی بہن اور کبھی کوئی بزرگ، اس لئے لائبہ بڑی آسانی سے اپنا ہر دُکھ اس سے کہہ ڈالتی تھی۔ اس وقت بھی وہ کومل سے اپنا دُکھ بانٹنے آئی تھی۔

کومل نے اُسے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''اتنے دنوں بعد صورت دکھائی ہے، لگتا ہے مجھے بھول گئیں۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

''کومل، آج زوبی ملی تھی۔'' اس نے گویا دھماکا کیا...... کومل کتنی دیر تک ساکت سی رہی۔ بہت سے پل خاموشی کی نذر ہو گئے۔

''کسی بھی اتفاق یا واقعے کو حقیقت کی سند تب ملتی ہے جب اُس پر یقین کیا جائے، جو کچھ ہوا، اس پر تو وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں، وہ آج بھی مجھے ہی ذمہ دار سمجھتی ہے، کل کی طرح آج بھی اپنے باپ اور شوہر کو فرشتہ سمجھتی ہے۔'' لائبہ اس کے رویئے پر دکھی تھی، جس کی غمازی اس کی آنکھوں میں اُمڈتی نمی تھی۔

کومل نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا، تم حوصلہ رکھو۔ دیکھو درحقیقت غلطی زوبی کی بھی نہیں، اپنے باپ اور شوہر پر وہ اندھا اعتماد کرتی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے آج تک جو اُسے دکھایا، وہ وہی دیکھتی رہی ہے، ایسے میں اس سے شکوہ جائز نہیں۔'' کومل نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''مجھے تو کسی سے بھی شکوہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ میں خود بہت سے لوگوں کی مجرم ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں کچھ چھوٹ جانے والے اور کچھ ٹوٹ جانے والے رشتوں کا درد صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کومل نے اُسے گلے لگایا تو لائبہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

اتوار کا دن تھا۔ نیہا کپڑوں کا ڈھیر لئے نل کے پاس بیٹھی تھی۔ شاہدہ کچن میں کھانا پکا رہی تھیں۔ راحیلہ کمروں کی صفائی میں مصروف تھی جبکہ برآمدے میں تخت پر براجمان آسیہ بانو پان سامنے رکھے اپنے قریب کرسی پر بیٹھے افتخار فاروقی سے نیہا اور شفقت کی شادی کی بابت ان سے بات کر رہی تھیں۔ سب بھلے ہی اپنے کاموں میں مصروف ہوں مگر سب کی توجہ دونوں کی گفتگو پر تھی۔

''میں تو کہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے، یہ شادی کر ڈالو، یہ نہ ہو کہ وہ اپنا ارادہ بدل لیں، اگر ایسا ہوا تو ہماری رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی اور پھر یہ نہ ہو کہ تمہیں تمام عمر بیٹیوں کو اپنی چوکھٹ پر بٹھا کر بوڑھا کرنا پڑے۔'' وہ خوف زدہ سے انداز میں بولیں۔

افتخار فاروقی نے اپنے چہرے کے آگے سے اخبار ہٹایا تو ان کے چہرے پہ قدرے ناگواری تھی اور جب وہ بولے تو ان کے لہجے میں بھی وہی ناگواری در آئی تھی۔ ''اماں! آپ بھی عجیب باتیں کر رہی ہیں۔ ان لوگوں نے خود رشتہ مانگا تھا۔ دونوں طرف سے زبان ہوئی ہے۔ شریف گھرانوں میں زبان سے پھر جانے کا رواج نہیں ہوتا۔'' انہوں نے دلیل دی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر آسیہ بانو کو ڈر کس بات کا ہے۔ اب آسیہ بانو انہیں کیا بتاتیں کہ شفقت کے گھر والے کئی مرتبہ انہیں جتا چکے ہیں کہ انہوں نے نیہا کو اپنے بیٹے شفقت سے منسوب کر کے احسان عظیم کیا ہے ورنہ ان کے بیٹے کو رشتوں کی کمی نہیں اور درحقیقت معاملہ بھی یہی تھا کیونکہ جن حالات میں نیہا کو ان لوگوں نے قبول کیا تھا، یہ رشتہ کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

افتخار فاروقی کا گھرانہ شرافت و رواداری کی مثال سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے برادری میں اُنہیں کل تک بہت عزت حاصل تھی۔ خاندان کے تمام لوگ اپنے ذاتی معاملات میں بھی ان کی رائے ضروری خیال کرتے لیکن اب عالم یہ تھا کہ رائے لینا تو دور، برادری کے لوگ اُن سے بات تک کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کا سبب فقط لائبہ کا ایک غلط قدم تھا۔ لائبہ کے ایک غلط اور باغیانہ فیصلے نے انہیں اتنا مجبور کر دیا تھا کہ وہ نیہا کا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دینے پر مجبور ہو گئے تھے جو دولت مند ہونے کے علاوہ اپنی ذات میں ایسی کوئی خوبی نہیں رکھتا تھا کہ کوئی شریف لڑکی اسے اپنا شریک سفر بناتے ہوئے فخر محسوس کرتی مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا، جو سب نے سوچا تھا، وہ نہیں ہوا اور جو ہوا، وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

سب کا خیال تھا کہ نیہا کی شادی اس کے ماموں زاد اعتزاز حسن سے ہو گی مگر مقدروں کا کھیل بڑا نرالا ہوتا ہے۔ یہ مقدر ہی تو تھا کہ نیہا، شفقت کی زندگی میں شامل ہو رہی تھی۔

''اگر تم کہو تو اگلے اتوار کو انہیں کھانے پر بلوا لیتی ہوں، اسی وقت شادی کی تاریخ بھی طے کر لیں گے۔'' آسیہ بانو اصرار کرتے ہوئے بولیں۔

''اماں، آپ کے کہنے پر میں نے اس رشتے کے لئے تو ہامی بھر لی اور جانتا ہوں کہ ایک دن ناچاہتے ہوئے مجھے ایک دن اپنی بیٹی کو اس شخص کے ساتھ رخصت کرنا پڑے گا جو میری بیٹی کے لائق نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کی زندگی میں وہ بدترین گھڑی اتنی جلدی آئے۔'' وہ اتنا کہہ کر چلے گئے اور تب نیہا کو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ والدین کی محبت کی انتہا کیا ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آراء، زاویال کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ بڑے ریلیکس انداز میں میوزک سن رہا تھا۔ انہیں دیکھا تو زاویال اٹھ بیٹھا۔ ریموٹ سے میوزک سسٹم آف کیا اور بولا۔ ''مما، آپ یہاں، خیریت تو ہے؟''

وہ حیران اس لئے تھا کیونکہ بیگم جہاں آراء تبھی بچوں کے کمروں میں جاتی تھیں جب انہیں کوئی اہم بات کرنی ہوتی تھی۔

''زاویال، آج دو دن ہو گئے، تم تو لائبہ کو میکے میں چھوڑ کر جیسے بھول ہی گئے۔'' وہ خفا سی تھیں۔

''مما، آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ لائبہ بہت اُداس ہے، اس لئے اُسے اُس کے میکے چھوڑ آؤ، تو میں چھوڑ آیا۔'' وہ نارمل سے انداز میں بولا۔ وہ خاموش رہیں تو زاویال مزید بولا۔ ''مما، جب وہ جی بھر کر وہاں رہ لے گی تو آجائے گی۔''

''ابھی تم دونوں کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں، جو تم اتنے آرام سے کہہ رہے ہو کہ آجائے گی، گویا وہ تمہاری بیوی نہ ہو بلکہ کوئی اجنبی ہو۔'' انہوں نے قدرے شاکی نگاہوں سے زاویال کو دیکھا۔

''میرا، میرا وہ مطلب نہیں۔'' زاویال ایک دم سٹپٹا گیا۔ وہ تو اپنی رو میں بول گیا مگر اگلے پل اسے احساس ہوا کہ اُسے کچھ بھی کہنے سے قبل سوچنا ضرور چاہئے کیونکہ اس کی زندگی اب نارمل نہیں بلکہ ایسے مقام پر آگئی ہے جہاں اُس کی ذرا سی بے احتیاطی بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی ہے اور اس صورت میں اُسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی جولیا کو کھونا پڑتا۔ وہ جولیا جس کو پانے کے لئے زاویال نے شادی کا ڈرامہ رچایا تھا اور لائبہ کو مہرہ بنایا تھا اور لائبہ اس سے باخبر تھی۔

''بہرحال یہ باتیں پھر کسی وقت کریں گے، ابھی تو تم اتنا کرو کہ لائبہ کو گھر لے آؤ کیونکہ شام کو دعوت ہے، بہت سے مہمان آرہے ہیں۔'' انہوں نے اطلاع دی۔

''کون آرہا ہے؟''

''ہمارے بہت سے ملنے والے تمہاری اور لائبہ کی شادی میں شریک نہیں ہو سکے، تو سوچا کہ انہیں کھانے پر مدعو کر لوں، اس طرح سے وہ بہو سے بھی مل لیں گے اور مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جائے گا، اس لئے جلد از جلد اسے لے آؤ۔'' وہ تاکید کرتی ہوئی چلی گئیں۔ زاویال کوفت میں مبتلا ہو گیا۔ اسے رہ رہ کر لائبہ پر غصہ آرہا تھا جو وہاں جا کر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے کتنی مرتبہ لائبہ کو فون کیا مگر اس کا موبائل مسلسل آف تھا۔ مہوش بیگم کے گھر میں بھی کوئی فون نہ اٹھا رہا تھا، تب زاویال خود ہی چلا آیا۔ لائبہ آنکھیں موندیں لیٹی تھی، موبائل کی آواز تو اس تک پہنچ رہی تھی مگر اس نے جان بوجھ کر موبائل نہیں اٹھایا کیونکہ وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

زاویال نے لائبہ کو اتنے سکون سے لیٹے دیکھا تو اُسے غصہ آگیا۔ صبح سے اس کی جان عذاب میں آئی ہوئی تھی، ہر ایک پوچھ رہا تھا کہ لائبہ کب آئے گی، وہ ٹھیک تو ہے، کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟...... اور لائبہ یہاں پُرسکون انداز میں بیڈ پر لیٹی تھی۔ وہ بیڈ کے قریب چلا آیا مگر اس وقت اس کی اپنی ذات میں اس قدر شور تھا کہ آہٹ تک سنائی نہ دی۔ زاویال نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا، شیشے کا گلدان زمین پہ دے مارا۔

لائبہ نے ایک دم چونک کر آنکھیں کھول دیں اور زاویال کو سامنے دیکھ کر حیران ہو گئی مگر اگلے پل اُس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

''یہ کیا طریقہ ہے، ایک تو آپ بنا اجازت میرے کمرے میں آگئے، اس پر یہ سب......؟'' لائبہ کی نگاہیں بکھرے کانچ پر تھیں۔

''میں جب چاہے، جہاں جا سکتا ہوں اور یہ حق مجھے اس روپے نے دیا ہے جو میں ہر مہینے مہوش بیگم کو دیتا ہوں۔'' وہ تکبر سے بولا۔

''آپ کے روپے میں اتنی طاقت ضرور ہے کہ وہ کسی کا وقت خرید سکے مگر آپ کی دولت آپ کو یہ حق ہرگز نہیں دیتی کہ آپ کسی کے کمرے میں یوں منہ اُٹھائے چلے آئیں یا دوسروں کی ذاتیات میں دخل اندازی کریں۔'' لائبہ کو زاویال کی یہ حرکت اچھی نہ لگی تھی۔

''بہرحال میں یہاں تمہارا لیکچر سننے نہیں آیا، تیار ہو جاؤ، اس وقت تمہاری ضرورت ''سکندر ولا'' میں ہے۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ گویا وہ انسان نہ ہو بلکہ کوئی کٹھ پتلی ہو اور سچ یہ تھا کہ زاویال کے نزدیک اس کی اہمیت اس سے زیادہ نہ تھی۔

''ٹھیک ہے، میں شام تک آجاؤں گی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تم بھول رہی ہو کہ میں تمہارا وقت خرید چکا ہوں اور جب تک میں اس کی قیمت ادا کر رہا ہوں، اس وقت تک تمہارا اپنے وقت پر اختیار نہیں ہے، اس لئے دو منٹ کے اندر کپڑے تبدیل کر کے باہر آجاؤ ورنہ مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔'' وہ وارننگ دینے والے انداز میں باہر نکل گیا۔

کاش مسٹر زاویال سکندر، تم یہ جان پاتے کہ جنہیں تقدیر بے بس کر دیتی ہے، انہیں اگر دنیا و جہاں کے اختیارات بھی مل جائیں تو وہ بے بس ہی رہتا ہے جیسے کہ میں......! لائبہ نے آنسو پیتے ہوئے کرب سے سوچا۔

☆......☆......☆

شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ پارٹی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ لائبہ بھی انتظامات میں حصہ لے رہی تھی لیکن بیگم جہاں آراء نے اُسے تیار ہونے بھیج دیا۔ وہ وارڈ روب کھولے کپڑوں کا انتخاب کر رہی تھی، تبھی زاویال کمرے میں داخل ہوا۔ لائبہ جان بوجھ کر متوجہ نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں وہ اسے اپنی اہمیت کا احساس دلانا چاہتی تھی یا اسے جتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لئے کتنا غیر اہم ہے۔

لائبہ نے ہلکی ایمبرائیڈری والا ڈریس منتخب کیا اور اسے وارڈ روب سے نکال کر اس کا بغور جائزہ لینے لگی، تبھی زاویال اس کے قریب چلا آیا اور اس کے ہاتھ سے ڈریس لے لیا۔ لائبہ نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

''گھر میں پارٹی ہے، سوئم نہیں۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

اتنے دن میں لائبہ اتنا تو جان گئی تھی کہ زاویال غصے کا بہت تیز ہے، ذرا ذرا سی بات پر قیامت برپا کر دیتا اور اس وقت وہ اس سے کوئی اُلٹی بات کر کے تماشا کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے اس کے ہاتھ سے اپنا ڈریس لے کر وارڈ روب میں پھینکنے کے سے انداز میں رکھا اور پھر اس کی جانب دیکھا۔

''جی اب بتایئے مجھے کیسے کپڑے پہننے ہیں، کیسا زیور پہننا ہے، مہمانوں سے کیسے پیش آنا ہے اور ہاں پلیز، مجھے یہ ضرور بتا دیجئے گا کہ مجھے سانس لینے کی اجازت ہے یا نہیں؟'' اس کی برداشت جواب دے گئی تو وہ پھٹ پڑی۔ لہجے میں بھی تلخی آگئی۔

زاویال کو اس پل ندامت سی محسوس ہوئی مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ آخر معاملہ اَنا کا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی کے لئے اپنی اَنا کو قربان کر دے، اس لئے نادم ہوتے ہوئے بھی اس کے لبوں تک سوری کا لفظ نہیں آیا۔ اُس نے بڑے روکھے انداز میں کہا۔ ''اتنا ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں، جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ہمارے معاہدے کی شرائط کے مطابق ہو رہا ہے اور ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کی باتیں اچھی یا بری لگیں۔ ہمارا رشتہ صرف ضرورت و مجبوری کا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا اور چلا گیا۔

تو کیا میری اس بیزاری کو وہ میری کمزوری یا جذباتیت سمجھتا ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا مگر جواب ندارد......!

☆......☆......☆

پارٹی بے حد شاندار تھی۔ ہر ایک نے لائبہ کی تعریف کی تھی۔ اس پارٹی میں شہر کی بڑی بڑی ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ پارٹی میں لڑکے لڑکیاں جوڑے بنا کر ڈانس کر رہے تھے۔ سکندر خیام ایک طرف کھڑے بزنس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ثروت بھابھی اور بیگم جہاں آراء اپنی کولیگز میں بزی تھیں اور زاویال ساری لڑکیوں کے گھیرے میں یوں کھڑا تھا جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

ایک وقت تھا لائبہ یہ سارے مناظر ٹی وی اسکرین پر دیکھ کر حیران ہوتی اور آج سب کچھ اتنا بدل گیا تھا کہ تمام ایسے مناظر جو اس کی دنیا کا کبھی حصہ نہ رہے تھے، اُس کی آنکھوں کے سامنے تھے لیکن وہ بالکل متحیر نہیں ہوئی کیونکہ اب بہت فرق آ گیا تھا۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ زمین پر کھڑے ہو کر آسمان کو چھونے کی جستجو کرتی تھی اور آج اس کے قدموں تلے نہ زمین رہی تھی اور نہ سر پر آسمان۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی، تبھی اُسے کسی نے پکارا۔ لائبہ نے پلٹ کر دیکھا۔ بتیس تینتیس سال کا ایک خوش شکل اور ہینڈسم انسان اس کے سامنے کھڑا تھا اور اُسے اپنے ساتھ ڈانس کی آفر کر رہا تھا۔

''سوری...... میرا ڈانس کرنے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے انکار کر دیا۔

''چلیں ڈانس نہ سہی، ہم تھوڑی دیر بات تو کر سکتے ہیں۔'' وہ بُرا مانے بغیر بولا۔

لائبہ خاموش رہی، جس کا مطلب اس نے یقیناً ''ہاں'' ہی سمجھا تھا۔ اس لئے گفتگو کی ابتدا کی۔ ''میرا نام سہیل غفار ہے، یقیناً آپ نے زاویال سے میرا نام سنا ہوگا۔'' وہ پُر یقین لہجے میں بولا۔

''نہیں!'' لائبہ نے اس قدر صاف گوئی سے کہا کہ ایک پل کے لئے سہیل غفار سٹپٹا گیا مگر قدرے سنبھل کر بولا۔ ''مستقبل میں، میں اور زاویال ایک ساتھ بزنس کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' اس نے لائبہ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

زاویال کی مکمل توجہ ان دونوں پر تھی۔ لائبہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ مسکرا کر بولا۔ ''لگتا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کا مکمل طور سے احساس ہے، شاید اسی لئے غرور آپ کے مزاج کا حصہ بن گیا ہے۔''

سیاہ ستاروں بھری ساڑھی میں لائبہ کا حسن حقیقتاً مکمل لگ رہا تھا۔ سہیل غفار کا دل بے قابو ہو رہا تھا، اگر وہ بھی ہر لڑکی کی طرح اس کی پرسنالٹی، امارت اور سوسائٹی میں اس کے رُتبے سے متاثر ہو گئی ہوتی تو اب تک وہ بلا جھجک اس سے اِک حسین شام مانگ چکا ہوتا، اس یقین کے ساتھ کہ وہ نا نہیں کہے گی لیکن پچھلے چند لمحوں میں اسے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ لائبہ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے، اس لئے اب اس سے کچھ کہنے سے قبل سوچنا پڑ رہا تھا۔ اس طرح کی لڑکی سے اس کا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، اس لئے وہ کنفیوژ تھا۔ اس نے سنا تھا کہ عورت خواہ محبت سے رام نہ ہو مگر تعریف کرنے والا مرد دو پل کے لئے ہی سہی، اس عورت کو اپنی طرف ضرور متوجہ کر سکتا ہے جو خوبصورت ہو اور اسے اپنی خوبصورتی کا احساس بھی ہو، اس لئے سہیل غفار نے بے دھڑک اس کی تعریف کر ڈالی مگر اس مرتبہ بھی جواب اس کی توقع کے برعکس تھا۔

''کیا آپ واقعی بزنس مین ہیں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے سہیل غفار کو دیکھا۔

''آپ کو کوئی شک ہے؟'' حیرت کی شدت اتنی تھی کہ جواب دینے کے بجائے وہ سوال کر بیٹھا۔

''ہاں، کیونکہ ایک اچھے بزنس مین کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنا وقت اور روپیہ صرف اس جگہ لگاتا ہے جہاں سے اُسے فائدہ حاصل ہو سکے مگر آپ دونوں اہم چیزوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اگر روشن مستقبل چاہتے ہیں تو ان دونوں چیزوں کو موقع محل دیکھ کر استعمال کیا کیجئے، فائدے میں رہیں گے۔'' لائبہ نے اسے بڑی خوبصورتی سے جتا دیا کہ اس پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا، اس لئے وہ خواہ مخواہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔

وہ نادم ہو گیا۔ لائبہ آگے بڑھ گئی اور اس پل زاویال سکندر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ کو ''سکندر ولا'' میں آئے صرف دو ہفتے ہوئے تھے مگر اسے لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے یہیں رہتی ہے حالانکہ اسے یہاں کسی سے محبت نہ تھی بلکہ اس نے جان بوجھ کر اس گھر کے مکینوں سے دلی تعلق قائم نہیں کیا تھا البتہ کبھی کبھی اُن کی بے لوث محبتیں اور خود پر اٹوٹ یقین، اُسے شرمندہ سا کر دیتا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتی کہ جب زاویال ان کا سگا ہو کر صرف اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے انہیں اتنا بڑا فریب دے رہا ہے تو وہ تو پھر غیر ہے اور یوں بھی وہ یہ سب اپنی مرضی سے تو نہیں کر رہی تھی، وہ بھی مجبور تھی۔

اس گھر میں سبھی اُس سے بہت خوش تھے مگر سکندر خیام اب تک اُسے ذہنی طور پر بہو قبول نہیں کر پائے تھے اور یہ بات سبھی گھر والوں کو ناگوار گزرتی تھی لیکن سب جانتے تھے کہ انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ خود بیگم جہاں آراء بھی انہیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی تھیں مگر وہ اپنی ضد کے پکے تھے۔ وہ لائبہ کو چھوڑ، زاویال سے بھی ضرورتاً ہی بات کرتے تھے۔

آج پارٹی میں بھی انہوں نے یہی سب کیا تھا جو زاویال کو بہت بُرا لگا تھا، اس لئے جب لائبہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جیولری اُتار رہی تھی، تبھی وہ قدرے خراب موڈ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ جوتے اُتار کر بے ترتیبی سے پھینکے، کوٹ، قالین پر پٹخا اور گلاس اور بوتل لے کر بیٹھ گیا۔ وہ جب ٹینشن میں ہوتا تو بہت پیتا تھا شاید اس کی نظر میں پریشانیوں سے نجات کا یہی راستہ تھا۔

اس کا جی چاہا کہ اُسے روکے مگر وہ خاموش رہ گئی۔ بھلا اس کا حق ہی کیا تھا کہ اُسے روکتی۔ یہ بات نہیں تھی کہ اسے زاویال سے کوئی قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا بلکہ اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اتنے اچھے والدین کی اولاد اس طرح سے برباد ہو۔

برباد ہونا کیا ہوتا ہے...... یہ بھلا اس سے بہتر کون جان سکتا تھا اور اس لفظ کا کرب کیا ہوتا ہے، یہ وہ بھی لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے جو خود اس سے گزر چکا ہوتا ہے۔

لائبہ آئینے میں اس کا عکس دیکھتی رہی مگر زاویال ایک مرتبہ بھی متوجہ نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر میں وہ ہوش سے بیگانہ ہو گیا تب لائبہ نے اسے سیدھا کر کے لٹایا، اس کے موزے اُتار کر جوتوں میں رکھے اور بیڈ سے کمبل اٹھا کر اس پر ڈال دیا اور خود ایزی چیئر پر بیٹھ گئی۔ آج پہلی مرتبہ وہ اپنے ماضی، اپنی ذات سے ہٹ کر سوچ رہی تھی۔

آج پہلی مرتبہ وہ اپنے دکھوں کو رونے کے بجائے زاویال کی اُلجھن سلجھانے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جس طرح وہ تہی داماں رہ گئی، زاویال بھی اپنا سب کچھ کھو دے۔ یہ سچ تھا کہ اب اس کا رشتوں پر یقین تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت باقی رہی تھی مگر بہرحال وہ ایک انسان تھی، اس لئے دوسرے انسان کو تکلیف و پریشانی میں دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتی تھی۔

☆......☆......☆

راحیلہ کی سہیلی کی شادی کا کارڈ کل سے آیا ہوا تھا۔ آسیہ بانو نے تو فوراً منع کر دیا کیونکہ راحیلہ کی سہیلی کا گھرانہ آدھے سے زیادہ لوگوں کو جانتا تھا، اس لئے آسیہ بانو کو یقین تھا کہ برادری کے بہت سے لوگ اس شادی میں شریک ہوں گے، ان کے گھرانے کو دیکھیں گے تو لائبہ کے حوالے سے طرح طرح کی باتیں کریں گے اور سب سے بڑھ کر انہیں فکر یہ بھی کہ کہیں کسی وجہ سے شفقت اور نیہا کا رشتہ نہ ٹوٹ جائے...... مگر راحیلہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ شام سے رات اور رات سے صبح ہو گئی مگر اس کی ایک ہی رَٹ تھی کہ شادی میں جانا ہے۔ اس وقت بھی صبح صبح جب شاہدہ اور نیہا ناشتہ بنا رہی تھیں، راحیلہ یہی اصرار کر رہی تھی کہ شاہدہ اُسے شادی میں جانے کی اجازت دلا دیں۔ آخر شاہدہ چڑ گئیں۔ انہوں نے راحیلہ کو قدرے گھور کر دیکھا۔ ''اگر ایک مرتبہ منع کر دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ نہیں جانا ہے، اب اسی بات کو بار بار کہنے کا کیا مقصد ہے؟''

''آپ لوگوں نے جو کہا، میں نے سن لیا لیکن آپ مجھے اس بات کا جواب دیں کہ ہمیں کب تک لائبہ کے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اگر وہ چلی گئیں تو کیا ہم جینا چھوڑ دیں۔'' وہ چیخ پڑی۔ نیہا اس کا انداز دیکھ کر لرز اٹھی۔ اندر سے آسیہ بانو بھی آ گئیں۔ وہ اب بھی بول رہی تھی۔ ''اگر آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ یہی سب کرنا ہے تو ایک ہی بار گلا کیوں نہیں دبا دیتے، قصہ ہی ختم ہو جائے۔'' وہ رو دینے کو تھی اور اس سے قبل کوئی اسے کچھ کہتا، نیہا اُسے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے گئی تا کہ اُسے سمجھا سکے۔

آسیہ بانو بت بنی کھڑی رہیں جبکہ شاہدہ بے حد اذیت کا شکار تھیں۔ پتہ نہیں کیوں انہیں راحیلہ کے باغیانہ انداز سے ڈر لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

لائبہ کی رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ زاویال کی پریشانی نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں کوئی رشتہ نہیں نبھا پائی تھی، اس لئے کم از کم وہ رشتہ ضرور نبھانا چاہتی تھی، جو ہر انسان کا دوسرے انسان سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ صبح سویرے لان میں آئی جہاں سکندر خیام بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

لائبہ ان کے قریب چلی آئی۔ ''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میرے پاس فضول باتیں سننے کا وقت نہیں۔'' انہوں نے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔

''میں جانتی ہوں آپ کا وقت بہت قیمتی ہے مگر آپ کے بیٹے سے زیادہ تو نہیں نا۔'' سکندر خیام کے اس لب و لہجے کا اثر لائبہ پر رتی برابر بھی نہ تھا۔ وہ انہیں کچھ کہنے کا موقع دیئے بنا دوبارہ بولی۔ ''زاویال آپ کے رویئے سے بہت ڈسٹرب ہیں، آپ شاید اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ ہر بار جب آپ اپنے اور ان کے درمیان فاصلے بڑھا لیتے ہیں تو وہ خود کو بھی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور خود کو نئے طور سے اذیت میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ کیا جرم کیا ہے انہوں نے، جس کی سزا دینے کے لئے آپ کو ان کی بربادی بھی منظور ہے؟''

''آج جو ہو رہا ہے، اس کی ذمہ دار تم ہو، تم ہمارے بیٹے کی زندگی میں اس وقت آئیں جب وہ ہم سے دور ہو چکا تھا۔ تم نے اس کے دل میں موجود بدگمانیوں کو اس حد تک بڑھا دیا کہ اُسے تمہارے سوا کسی پر اعتبار نہ رہا، اسی لئے تو اس نے میری مرضی کے خلاف، میری اجازت کے بغیر تم سے شادی کی۔ اس لئے اب جو بھی برا ہو رہا ہے، اس کی ذمہ دار تم ہو۔'' وہ اتنا کہہ کر چلے گئے۔

لائبہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کب سکندر خیام اور زاویال کے درمیان پیدا ہونے والی کدورتوں کا فائدہ اٹھایا تھا۔ اس گھر میں آنے سے پہلے تو وہ زاویال کے نام تک سے واقف نہ تھی۔ پھر وہ کیسے اس کی بربادی کی وجہ بن گئی۔ کچن میں ثریا بھابھی کے ساتھ ناشتہ بنواتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی۔

ثریا بھابھی کافی دیر سے محسوس کر رہی تھیں کہ وہ پریشان ہے، اس کی آنکھوں کی سرخی سے انہوں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ وہ رات بھر سوئی نہ تھی۔ آخر وہ بولے بنا رہ نہ سکیں۔ ''کیا بات ہے لائبہ، تم بہت پریشان لگ رہی ہو؟''

''نہیں، نہیں تو۔'' وہ سٹپٹا گئی۔

''بتاؤ کیا بات ہے؟'' وہ نرمی سے اس کے شانے تھامتے ہوئے بولیں۔ انہیں یقین تھا کہ لائبہ ان سے کچھ چھپا رہی ہے اور اس مرتبہ وہ ان سے نہیں چھپا سکی۔ اُس نے آخر پوچھ ہی لیا۔ ''بھابھی، زاویال کے ڈیڈی مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثریا کو دیکھا تو وہ نگاہیں چرا گئیں۔ وہ اُسے کچھ نہیں بتانا چاہتی تھیں مگر لائبہ نے اتنی ضد کی کہ اُنہیں بتانا ہی پڑا۔

☆......☆......☆

زاویال سکندر کی سوچ ہمیشہ سے بہت آزاد تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شروع ہی سے لندن کی آزاد فضاؤں میں رہا تھا۔ سگریٹ، شراب، جوا، یہ سب اس کا معمول تھا۔ لڑکیوں سے دوستی کرتے ہوئے بھی اس نے کسی حد کا تعین نہیں کیا تھا۔

جولیا ایک غیر مسلم لڑکی تھی مگر اس کا حسن بے خود کر دینے والا تھا اور صرف حسن ہی نہیں، اس میں اور بھی ایسی باتیں تھیں جس سے زاویال متاثر ہوا تھا۔ دراصل جولیا وہ لڑکی تھی جس کے ساتھ اُس نے اپنی زندگی کی ایک دو نہیں بلکہ کئی شامیں گزاری تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک دوسرے میں کھو کر انہیں احساس ہی نہ ہوتا کہ کب شام، رات کے دامن میں جا چھپی۔

زاویال کی طبیعت کچھ ایسی تھی کہ اس کا جلد ہر چیز سے دل بھر جاتا تھا۔ اس کی زندگی میں ایسے کئی افیئر تھے مگر جولیا میں کوئی ایسی بات تھی کہ اس کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد بھی وہ آج بھی اس کی قربت کا خواہشمند تھا۔ زاویال کی خواہش کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے جولیا نے اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ اُسے کوئی اعتراض نہ تھا، اس نے ہر آرزو کی طرح اس تمنا کا اظہار بھی بڑی آسانی سے سکندر خیام کے سامنے کر دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی کسی بھی خواہش کو کبھی رد نہیں کیا جا سکتا مگر جو ہوا، وہ زاویال سکندر کی توقع کے برعکس تھا۔

سکندر خیام سمیت پورے گھرانے نے اس کے فیصلے کی مخالفت کی۔ سکندر خیام کچھ بھی برداشت کر سکتے تھے مگر انہیں یہ کبھی منظور نہ تھا کہ ایک غیر مسلم لڑکی ان کے خاندان کی بہو اور آنے والی نسل کی نگہبان ہو۔ زاویال اپنی ضد پر اَڑا رہا۔ تب سکندر خیام نے یہ گنجائش نکالی کہ اگر جولیا مسلمان ہو جائے تو انہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن جولیا اپنا مذہب چھوڑنے کو تیار نہ تھی جبکہ سکندر خیام بضد تھے۔ اس وقت بھی کبھی اسے سمجھا رہے تھے۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ لوگوں نے اتنی سی بات کو اتنا بڑا مسئلہ کیوں بنا لیا ہے۔ بھئی مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے، پھر اگر مجھے کوئی پرابلم نہیں تو آپ لوگ کیوں فورس کر رہے ہیں، ویسے بھی یہ میری زندگی ہے، اس لئے فیصلہ کرنے کا حق بھی میرا ہے۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''اس خاندان کی بہو کوئی بھی بن سکتی ہے مگر ایک غیر مسلم لڑکی نہیں۔'' انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ زاویال جانتا تھا کہ اگر اس نے ضد کی تو نتیجتاً وہ اسے جائیداد سے عاق کر دیں گے جو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ جولیا کو اپنی زندگی میں کیسے شامل کرنا ہے اور اپنے اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے لائبہ کا سہارا لیا تھا۔

☆......☆......☆

زاویال جاگ تو گیا مگر طبیعت بہت بوجھل ہو رہی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے رات کو ضرورت سے زیادہ پی لی تھی۔ وہ چائے کے لئے ملازم کو آواز دینے والا تھا، تبھی لائبہ چائے لئے اندر آئی اور اس کے سامنے دھری شیشے کی میز پر رکھ دی۔

''تھینکس۔'' اُس نے کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

لائبہ بنا کچھ کہے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اُس کی نگاہیں روشن صبح پر تھیں۔

زاویال بھی اپنا کپ لئے اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ''لگتا ہے تمہیں صبح کا منظر بہت پسند ہے، اس لئے اتنے غور سے دیکھ رہی ہو۔'' وہ خوشگوار موڈ میں بولا۔

''پتہ ہے جب میں بہت پریشان ہو جاتی ہوں تو پریشانیوں سے نجات کے لئے مصنوعی سہارے ڈھونڈنے کے بجائے دوسروں کو اپنی تکلیف کا ذمہ دار ٹھہرا کر، خود کو برباد کرنے کے بجائے ایک بار بڑی ہمت سے اپنا احتساب کر لیتی ہوں کہ کہیں اپنی پریشانیوں کی وجہ میں خود تو نہیں ہوں۔'' اس کے لفظوں پر زاویال نے چونک کر اُسے دیکھا مگر اس سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔ ''بڑا آسان ہوتا ہے اندھیرے میں جہاں سے چھپ جانا مگر مشکل ہوتا ہے اُجالے میں خود کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنا، اپنی ہر برائی کو دیکھ کر تسلیم کر لینا اور جب انسان ایسا کرتا ہے تو تب اُسے حقیقی سکون میسر آ جاتا ہے۔ پیسوں سے خریدی شراب کی بوتل اور خم دار زلفوں کی چھاؤں آپ کو حقیقی سکون نہیں دے سکتی۔'' وہ بڑی نرمی سے اُسے جتا گئی کہ وہ اپنے ساتھ کتنا ظلم کر رہا ہے۔

''مجھے لیکچر پسند ہے اور نہ ہی میں اپنی ذاتیات میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت دیتا ہوں۔'' اس کا موڈ ایک دم بگڑ گیا۔ لائبہ نے بالکل ری ایکٹ نہیں کیا کیونکہ وہ اس سے ایسی ہی توقع رکھتی تھی۔ وہ اُسے بہت کچھ سنا کر چلا گیا مگر یہ اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔

☆......☆......☆

گھر میں آج کوئی بھی نہ تھا۔ ارسلان بھائی، ثریا بھابھی کو لے کر ان کے میکے گئے ہوئے تھے، بیگم جہاں آراء اپنی سہیلی کے کلب فنکشن میں گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے لائبہ کو بھی چلنے کو کہا تھا مگر اس نے معذرت کر لی۔ اُسے تنہا رہنا پسند تھا۔ سکندر خیام نے زاویال کو فون کر کے آفس بلایا تھا، وہاں ان دونوں کے بیچ کیا گفتگو ہوئی، لائبہ کو معلوم نہ تھا۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، تبھی زاویال قدرے غصے میں وہاں چلا آیا اور ٹی وی کے سامنے آ کر جم گیا۔ لائبہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ زاویال کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

''لگتا ہے ایک مرتبہ کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، جب تمہیں سمجھا دیا ہے کہ اپنے کام سے کام رکھو، تو کیوں ہر معاملے میں کود پڑتی ہو؟'' وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

لائبہ اٹھ کر اس کے مقابل کھڑی ہو گئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زاویال اتنا خفا کیوں ہو رہا ہے، اس لئے پوچھ بیٹھی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

لائبہ اُلجھی نگاہوں سے زاویال کو دیکھ رہی تھی، جس پر زاویال مزید چڑ گیا۔ ''میں نے تمہیں دوسروں کے سامنے ایکٹنگ کرنے کی قیمت دی ہے لیکن میرے سامنے اداکاری کرنے کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہاری حقیقت سے واقف ہوں۔''

''میں واقعی نہیں جانتی کہ آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں؟'' وہ بے حد صبر سے بولی۔

''تم آج میرے اور ڈیڈی کے بیچ کے اختلافات کا فائدہ اٹھا کر کیا جاننا چاہتی تھیں کہ مجھے اپنے باپ کی جائیداد میں سے کتنا ملے گا اور کتنا نہیں۔'' وہ شاکی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ آپ کے نام کیا کرتے ہیں، اس سے بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟'' وہ حیران تھی۔

''تا کہ اپنے وقت کا منہ مانگا معاوضہ مانگ سکو۔'' وہ پُر حقارت لہجے میں بولا۔

''مسٹر زاویال سکندر، مانگا اُن سے جاتا ہے جن کے پاس دینے کو کچھ ہو۔ وہ شخص جو اپنے باپ، بھائی کی کمائی ہوئی دولت پر غرور کرتا ہو اور جسے صرف اس لئے سوسائٹی میں اعلیٰ مقام حاصل ہے کہ وہ سکندر خیام کا بیٹا ہے، تو جس انسان کے پاس دینے کو کچھ ہو ہی نہیں، اُسے اتنا غرور زیب نہیں دیتا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

اور اس مرتبہ زاویال سکندر کا ہاتھ اس پر اُٹھ گیا تھا۔ لائبہ نے اک پُر تاسف نگاہ اس پر ڈالی اور ٹی وی لاؤنج سے اُٹھ کر چلی گئی۔ زاویال جونہی پلٹا، سہیل غفار اس کے سامنے موجود تھا۔ زاویال نادم سا ہو گیا جبکہ سہیل غفار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

سبھی راحیلہ کو سمجھا رہے تھے کہ وہ شادی میں جانے کی ضد چھوڑ دے مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ آخرکار افتخار فاروقی نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ شاہدہ خوش تھیں جبکہ آسیہ بانو خفا ہو رہی تھیں مگر افتخار فاروقی نے ان کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کر دیا۔

رات جب کھانے کے لئے دسترخوان لگا اور سب جمع ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکیں۔ ''تم نے تو یہ طے کر رکھا ہے کہ زندگی میں کچھ بھی کرنا ہے مگر میری بات نہیں ماننی۔'' وہ خفا سی تھیں۔

شاہدہ، افتخار فاروقی کی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے چونکیں۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں اماں؟'' افتخار فاروقی نے پوچھا۔

''پہلے لائبہ کو جو آزادی دی، اس کا نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تمہیں چین نہ آیا، جواب انہیں یوں ڈھیلا چھوڑ رہے ہو۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہیں کب عقل آئے گی، تب جب یہ دونوں بھی ہمارے منہ پر کالک مل دیں گی۔'' ان کا اشارہ نیہا اور راحیلہ کی جانب تھا۔

اور اس پل دونوں کو یوں لگا جیسے انہیں چوراہے پر کھڑا کر کے سنگسار کیا جا رہا ہو۔ کھانا جیسے زہر بن گیا تھا، اس لئے دونوں دسترخوان سے اُٹھ گئیں۔

افتخار فاروقی کو سخت غصہ آیا۔ ''اماں، لائبہ نے جو کیا، وہ اس کا فعل تھا جس کی سزا اُسے خدا دے گا مگر ایک مرتبہ ٹھوکر لگ جانے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان اس خوف کے تحت چلنا ہی چھوڑ دے کہ اگلے قدم پر وہ پھر سے نہ گر جائے۔ لائبہ کی وجہ سے میں اپنی بچیوں کے جینے کا حق تو نہیں چھین سکتا۔ پہلے ہی میں نے نیہا کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے، اس کے لئے میں شاید خود کو بھی معاف نہ کر پاؤں۔'' ان کے لہجے میں ندامت تھی۔

آسیہ بانو نے انہیں خفگی سے گھورا اور منہ پھیر لیا۔ انہیں افتخار فاروقی سے کچھ بھی کہنا بیکار لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''پتہ نہیں کیوں دادی سے تو ہماری خوشی دیکھی نہیں جاتی۔'' رات جب نیہا اور راحیلہ سونے کے لئے لیٹیں تو راحیلہ نے دل میں دبی بات کہہ ڈالی۔

''قصور ان کا بھی نہیں، حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ انہیں ہم پر اعتبار کرتے ڈر لگتا ہے۔'' نیہا نے آہستگی سے کہا۔

''رہنے دیں، بات اب اور تب کی نہیں، انہیں ہمیشہ سے ہی ہم پر شک رہتا ہے کہ کہیں ہم کچھ غلط نہ کر بیٹھیں۔'' راحیلہ نے اُسے جھٹلایا۔ جواباً نیہا خاموش رہی۔ تب راحیلہ مزید بولی۔ ''ویسے کتنا اچھا ہوتا اگر آپ کی شادی اعتزاز بھائی سے ہو جاتی۔'' اس نے سادگی سے کہا مگر نیہا کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کے دل پر چھری چلا دی ہو۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ ''راحیلہ، آج تم نے ان کے ساتھ میرا نام لے لیا ہے مگر آئندہ ایسا سوچنا بھی نہیں کیونکہ اب میرا جو رشتہ بھی ہے، وہ شفقت سے ہے اور بس......'' اس کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ راحیلہ خاموش ہو گئی مگر وہ دل سے چاہتی تھی کہ اعتزاز پھر سے نیہا کی زندگی میں شامل ہو جائے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نیہا کے لئے اس کے دل میں کیسے جذبات ہیں۔

☆......☆......☆

لائبہ آج دل کو بڑا مضبوط کر کے راحیلہ سے ملنے اس کے اسکول آئی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اسے راحیلہ سے نفرت کے سوا کچھ نہیں ملے گا مگر اس کے باوجود وہ اس سے ملنے چلی آئی تھی۔ کتنا وقت بیت گیا تھا، وہ اس کی صورت دیکھنے کے لئے ترس گئی تھی۔ اب اُسے دیکھ کر دل کو تسلی دینا چاہتی تھی کہ اس دنیا میں وہ تنہا نہیں ہے۔

وہ کب سے اسکول کے گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ لڑکیوں کی چھٹی ہو چکی تھی مگر راحیلہ اسے اب تک دکھائی نہیں دی تھی۔ لائبہ اسے متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور پھر اچانک لڑکیوں کے ایک گروپ میں وہ اسے دکھائی دے گئی۔

لائبہ قریب چلی آئی۔ راحیلہ کی آنکھیں اُسے دیکھتے ہی چمک اٹھیں مگر اگلے لمحے وہ چمک معدوم ہو گئی اور راحیلہ کے چہرے پر ناگواری سی آ گئی۔ وہ اس کے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی مگر لائبہ اس کی راہ میں دیوار کی مانند حائل ہو گئی۔

''خوشیوں کے دروازے اور زندگی کے تمام راستے تو آپ نے پہلے ہی بند کر دیئے ہیں، اب کیا یہ آخری راستہ بھی بند کر دینا چاہتی ہیں۔'' وہ شاکی لہجے میں بولی۔

لائبہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''میرا اختیار تو اپنی زندگی کے روز و شب پر نہیں، میں بھلا کسی کی راہ اور منزل کا فیصلہ کیا کروں گی؟'' وہ کرب سے مسکرائی۔

''اب تک صرف وہی ہوا ہے، جو آپ نے چاہا، اس کے باوجود کہتی ہیں کہ آپ کی چاہتیں تشنہ ہیں۔'' وہ بے یقین تھی۔

''ہمیشہ جو دکھائی دیتا ہے، وہ نہیں ہوتا، کچھ مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے رہتے انسان کبھی کبھی جان بوجھ کر آگ کا دریا عبور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور......''

اس سے قبل کہ لائبہ اپنی بات مکمل کرتی، راحیلہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''آپ نے تو مجبوریوں کی دہائی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ آپ گناہ گار ہوتے ہوئے بھی گناہ گار نہیں ہیں لیکن شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کی ان مجبوریوں کی بھینٹ پہلے ماں، باپ کی عزت چڑھ گئی اور اب نیہا آپی......'' راحیلہ بات پوری نہ کر سکی، وہ رو دی۔

''کیا ہوا ہے نیہا کے ساتھ؟'' لائبہ جاننے کو بے تاب ہو گئی اور تب راحیلہ نے اسے اعتزاز کے گھر والوں کا سلوک اور شفقت اور نیہا کی منگنی کی داستان کہہ سنائی۔

لائبہ جیسے سکتے میں آ گئی۔ اُسے ذرا سا بھی اندازہ نہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کیے کی سزا اس کی بہن کو ملے گی اور لائبہ جانتی تھی کہ نیہا کو ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی عادت ہے اور نہ ہی اپنا حق چھیننا آتا ہے، اس لئے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس سے اس فیصلے پر عمل کرایا گیا تھا۔ وہ بھی ایموشنل بلیک میل کر کے...... اس لئے اب وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

(جاری ہے)

ڈوبتا ساحل

سلمیٰ یونس

قسط : 3

گھر لوٹی تو بیگم جہاں آراء اور ثریا بھابھی اس کا کھانے کی میز پر انتظار کر رہی تھیں۔ اُسے دیکھا تو بُلا لیا۔ لائبہ کا کھانے کو ذرا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ بیٹھ گئی۔ ثریا بھابھی اور بیگم جہاں آراء اپنے آبائی گاؤں کی باتیں کر رہی تھیں۔ لائبہ ان کے درمیان ضرور موجود تھی مگر اس کا سارا دھیان راحیلہ کی باتوں میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ نیہا کی مدد کیسے کرے۔ اُسے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے سے کیسے بچائے۔

''لائبہ کہاں کھوئی ہوئی ہو؟'' بیگم جہاں آرا نے پوچھا۔

وہ چونک اُٹھی۔ ''نہیں تو، کہیں نہیں۔''

''یہ تم صبح صبح کہاں چلی گئی تھیں۔'' ثریا بھابھی نے پوچھا۔

''کچھ ضروری کام تھا، اس لئے آپ لوگوں کو جلدی میں بتا نہیں سکی۔'' وہ پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالتے ہوئے بولی۔

''ایسا بھی کیا ضروری کام تھا کہ تم زاویال تک کو بتا کر نہیں گئیں۔'' ثریا بھابھی نے زور دے کر پوچھا۔

''کیونکہ انہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ روانی میں کہہ گئی۔ بیگم جہاں آراء اور ثریا بھابھی چونک اُٹھیں۔ اُن کے لئے یہ جواب غیر متوقع تھا۔ لائبہ کو اب احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔ اس لئے سنبھل کر بولی۔ ''میں تھک گئی ہوں، آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر ڈائننگ ٹیبل سے اُٹھ گئی۔ وہ دونوں پکارتی رہ گئیں۔ پتہ نہیں کیوں دونوں کو احساس ہو رہا تھا کہ لائبہ اور زاویال کے بیچ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

o..........o..........o

زاویال اپنے دوستوں کے ساتھ کلب میں موجود تھا۔ تبھی بیگم جہاں آراء نے اسے فون کر کے فوراً گھر آنے کو کہا۔ زاویال کا موڈ سخت آف ہو گیا۔ اگر اس وقت کوئی اور اُسے بلاتا تو وہ کبھی نہ جاتا مگر یہ بلاوا اس کی ماں کی طرف سے تھا جسے وہ اَن سنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے بددلی سے سہی مگر وہ گھر آ گیا تھا۔

بیگم جہاں آراء لان میں ٹہل رہی تھیں۔ شام ڈھل رہی تھی۔ تبھی زاویال کی کار گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور زاویال گاڑی سے اُتر کر ان کے قریب آیا۔ ''کیا بات ہے مما، آپ نے مجھے اتنا ارجنٹ کیوں بلایا؟'' اس نے آتے ہی سوال کر ڈالا۔

''اب تک کہاں تھے؟'' بیگم جہاں آراء نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا اور زاویال کے لئے یہ لمحہ بڑا حیرت انگیز تھا۔ اس کو یاد نہ تھا کہ آج تک اس کے ماں باپ نے کبھی اس کی سرگرمیوں کے متعلق جاننے کی کوشش کی ہو، اسے کوئی لیکچر دیا ہو یا پھر اُسے اپنے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہو لیکن آج انہوں نے جس انداز میں سوال کیا، وہ زاویال پر ان کی بے یقینی ظاہر کر رہا تھا۔

''مما آج سے پہلے تو آپ نے مجھ سے کبھی اس طرح کا کوئی سوال نہیں کیا، پھر اچانک اس رویے کی وجہ؟'' آخر وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکا۔

''دیکھو زاویال اب تک تم نے جیسے زندگی گزارنی چاہی، ہم نے کبھی دخل اندازی نہیں کی لیکن اب تمہیں اپنے علاوہ بھی سوچنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ہمارے متعلق نہ سہی کم از کم لائبہ کے بارے میں ہی..... تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہئے۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''اگر ذمہ داریاں نبھانے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ میں ہر وقت لائبہ کے آگے پیچھے پھرتا رہوں یا دنیا تیاگ کر صرف اس کے ناز نخرے اُٹھاتا رہوں تو آئی ایم سوری مما، میں یہ سب نہیں کر سکتا کیونکہ میرے لئے سب سے اہم خود میری ذات ہے، اپنی زندگی ہے۔ میں کسی کے لئے بھی اپنے اطوار یا زندگی کے روز و شب میں تبدیلی نہیں لا سکتا۔'' وہ کڑوے لہجے میں بولا اور مزید کچھ سنے بنا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

لائبہ ایزی چیئر پر کوئی کتاب لئے گم صم سی بیٹھی تھی۔ اس کے ذہن میں صرف یہی اُلجھن تھی کہ نیہا کو اس کی زندگی میں آنے والی مشکلات سے کیسے بچائے، جو صرف اس کی وجہ سے اس کی زندگی کا حصہ بننے والی تھیں۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی، تبھی زاویال اس کے سر پر آ کھڑا ہوا اور بادل کی مانند گرجنے لگا۔

''آخر تم چاہتی کیا ہو، کیوں روز نئی نئی پرابلمز کھڑی کر رہی ہو۔ ہر وقت کمرے میں بیٹھ کر ٹسوے بہاتی رہتی ہو۔ آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں بہت بُرا، بہت ظالم ہوں۔ میرے گھر والوں کی نظروں میں مجھے گرا کر جو مقام تم حاصل کرنا چاہتی ہو، وہ تمہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ عزت دار گھرانوں میں ان عورتوں کو رتبہ حاصل ہوتا ہے جن کا تعلق خود کسی شریف خاندان سے ہو، انہیں نہیں جنہیں یہ تک معلوم نہ ہو کہ وہ کس خاندان کا حصہ ہیں اور.....''

اور اس سے قبل کہ زاویال مزید کچھ کہتا، لائبہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی بات قطع کرتے ہوئے بولی۔ ''بس کریں کیونکہ اس سے زیادہ مجھ میں سننے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' اس کے خاندان پر حرف آیا تو وہ تڑپ اُٹھی۔ زاویال نے یوں نگاہوں کا زاویہ بدلا گویا اس کی سمت دیکھنا ضروری نہ ہو یا پھر وہ کوئی بدصورت شے ہو۔

''آپ کے ہر سوال کا جواب میرے پاس ہے لیکن میں آپ کو اس قدر اہم نہیں جانتی کہ آپ کے ہر الزام کی تردید کروں۔'' اس مرتبہ لائبہ کے لہجے میں حقارت تھی مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا وہ اُسے موقع دیئے بنا بولی۔ ''بہت غرور ہے نا آپ کو اپنی دولت پر کیونکہ آپ کو لگتا ہے کہ آپ اپنی دولت کے بل بوتے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق لوگوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچا سکتے ہیں مگر آپ کی یہ سوچ غلط ہے۔ سامنے والا ہر انسان آپ سے فقط دولت نہیں چاہتا بلکہ تھوڑی سی عزت کا بھی خواہشمند ہو سکتا ہے مگر آپ نہیں سمجھ سکتے، بہرحال اب سمجھ آ جائے گی۔ آج جو مجھے کرنا پڑ رہا ہے، وہ میں کبھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پر آج آپ نے میرے خاندان کے بارے میں جو کچھ کہا، اُس کے بعد آپ کو سبق سکھانا بہت ضروری ہے۔'' وہ مضبوط لہجے بولی۔

''اور ریلی۔'' زاویال کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔

لائبہ نے اس مرتبہ کچھ نہیں کہا کیونکہ اسے صبح کا انتظار تھا۔

زاویال پُرسکون انداز میں سو رہا تھا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ مجبوریوں کی قفس میں قید ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اگر قیدی پرندہ باغی ہو جائے تو

آکاش پہ اُڑنے والوں کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

o..........o..........o

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد نیہا کچن میں چائے بنا رہی تھی، تبھی راحیلہ کچن میں چلی آئی۔ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں اور آخر راحیلہ نے اسے بتا دیا کہ لائبہ اس سے ملی تھی۔ ساتھ ہی اپنے اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی دہرا دی۔

''اتنے عرصے کے بعد لائبہ کو تم سے ملنے کا خیال کیسے آ گیا؟'' وہ راحیلہ کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے بولی۔

''اپنوں سے ایک وقت تک دور رہا جا سکتا ہے، ہمیشہ کے لئے نہیں اور پتہ ہے، وہ آپ سے ملنا چاہ رہی تھیں اور جب انہیں یہ پتہ چلا کہ آپ کی اور اعتزاز بھائی کی..... '' بات کرتے کرتے ایک دم وہ خاموش ہو گئی۔

''راحیلہ تم نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''سوری، مگر میں خود کو روک نہیں سکی۔'' راحیلہ نادم تھی۔

''تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ تمہیں اس سے یہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا۔ کیا معلوم اس کی اپنی زندگی میں کتنی پریشانیاں ہیں۔ اب تم نے ہماری مشکلات کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیا۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''پتہ نہیں آپ تو کس مٹی سے بنی ہیں، اپنے علاوہ ہر ایک کی تکلیف کا احساس ہے۔'' راحیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ایک بات کہوں۔ مجھے اپنی تکلیف کا احساس کبھی بڑی شدت سے ہوتا ہے مگر جب ابو کی فخر سے اٹھی گردن، امی کے چہرے کا اطمینان اور دادی جان کی خوشی دیکھتی ہوں تو درد کا احساس باقی نہیں رہتا اور ایک انسان اس سے بڑھ کر کیا چاہ سکتا ہے۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔

راحیلہ خاموش ہو گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ نیہا

کی فطرت ہے اور فطرت سے خود کو الگ کرنا انسان کے بس میں کہاں ہوتا ہے۔

o..........o..........o

زاویال گہری نیند سو رہا تھا مگر لائبہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ احساس جرم اُسے کسی کل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ یہ احساس کتنا تکلیف دہ تھا کہ آج اس کی سگی بہن نیہا صرف اس کی وجہ سے شفقت جیسے انسان سے رشتہ جوڑنے پر مجبور تھی۔ اس نے ماں باپ کی عزت کی خاطر اپنی خوشیاں، اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی اور بچپن سے لے کر جوانی تک وہ اس کی غلطیاں اپنے سر لے کر سزا بھگتتی رہی تھی۔ اس نے ہر موڑ پر لائبہ کو بچایا تھا مگر اس وقت لائبہ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اس کی ایک غلطی، ایک غلط فیصلہ نیہا کی پوری زندگی کو سزا بنا دے گا اور وہ ہنستے ہنستے یہ سزا سہنے کو تیار ہو جائے گی۔

لائبہ اُٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی، نجانے آج کیوں اُسے اپنا ماضی بڑی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے پیچھے چھوٹ جانے والے رشتے اُسے پکار رہے ہوں۔ اُسے آواز دے رہے ہوں اور لائبہ نے بے اختیار ماضی کی پکار پر پلٹ کر دیکھا تھا اور پھر جیسے کسی اَن دیکھی طاقت نے اسے انہی راہوں پہ دھکیل دیا جہاں سے گزر کر وہ زندگی کے اس مقام تک آئی تھی۔

o..........o..........o

دروازہ مسلسل بج رہا تھا۔ تبھی ہنڈیا کا مصالحہ بھونتی، نیہا نے کچن سے ہی آواز لگائی۔ ''لائبہ ذرا دیکھنا، دروازے پر کون ہے؟''

اُسے ہنڈیا جل جانے کا خدشہ تھا، اس لئے وہ لائبہ کو پکار رہی تھی مگر چلچلاتی دھوپ میں چھت پر کپڑے پھیلاتی لائبہ کو اس کی پکار سخت ناگوار گزری۔ اس نے خالی بالٹی اٹھائی اور لکڑی کی سیڑھی پر قدم رکھتی نیچے آ گئی اور تیز تیز قدم بڑھاتی کچن کے سامنے آ گئی۔

''تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہے جو تم دروازے تک نہیں جا سکتیں۔'' لائبہ نے خفگی سے نیہا کو گھورا اور اس سے قبل کہ وہ کوئی وضاحت کرتی، دروازے پر پھر ایک مرتبہ بڑے زبردست طریقے سے دستک دی گئی۔

لائبہ بیزاری سے آگے بڑھی اور دھاڑ سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے آسیہ بانو کھڑی تھیں جن کے ہاتھ میں سبزی سے بھری ٹوکری تھی۔ سفید چکن کی چادر کے ہالے میں ان کا جھریوں بھرا چہرہ اس وقت دھوپ کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔

''دروازہ کھولنے میں اتنا وقت لگتا ہے کیا، کیا کر رہی تھیں؟'' ان کا لہجہ شاکی تھا۔ لائبہ کا جی چاہا کہہ دے کہ جھک مار رہی تھی، کوئی اعتراض؟ مگر وہ جانتی تھی کہ ذرا سی بات کو وہ بڑھا چڑھا کر پیش کریں گی۔ جب سے افتخار فاروقی نے لائبہ کو کالج میں داخلہ لینے کی اجازت دی تھی، تب سے وہ لائبہ سے چڑنے لگی تھیں۔ انہیں لڑکیوں کی آزادی بڑی کھلتی تھی کیونکہ ان کا تعلق ایسے گھرانے سے تھا جہاں بیٹیوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس گھر کی لڑکیوں کو کبھی اپنی دادی کی جانب سے وہ محبت و اعتماد نہیں ملا تھا جن کی وہ حقدار تھیں۔ وہ ہر پل انہیں احساس دلاتیں کہ وہ کتنی ناقابل بھروسہ ہیں۔ ان کا انداز اور ان کے الفاظ بے حد تکلیف دہ ہوتے۔ اس لئے لائبہ نے بس اتنا ہی کہا کہ کام کر رہی تھی، فالتو نہیں بیٹھی تھی۔ وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ آئی۔

بس پھر آسیہ بانو کی صلواتیں شروع ہو گئیں۔ ''اگر ڈھنگ سے جواب دے لو گی تو زبان نہیں گھس جائے گی۔ پھر میں سچ بات کہوں تو تمہارے ماں باپ کو بڑی بُری لگتی ہے مگر میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔ اسی لئے کہتی ہوں کہ افتخار فاروقی نے جو تم لوگوں کو بے جا آزادی دے رکھی ہے نا، ایک دن بڑا پچھتائے گا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اندر آ گئیں۔

نیہا نے انہیں ٹھنڈا پانی پلایا اور ٹوکری کچن میں لے گئی۔ تبھی لائبہ کچن میں چلی آئی۔ ''تم دادی کے بڑا آگے پیچھے پھرتی ہو جیسے تمہیں سونے کا تاج پہنائیں گی۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''پلیز لائبہ، اس وقت خاموش ہو جاؤ۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تم ہمیشہ ہی دادی کے ساتھ اُلجھو اور وہ بھی اس صورت میں جب تم ان کی سوچ، ان کی فطرت سے واقف ہو۔'' نیہا ہنڈیا میں پانی ڈالتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔

''تم جانتی ہو، میں غلط بات برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ منہ پھلائے بولی۔

''وقت اور حالات ہمیشہ ہماری مرضی کے تابع نہیں ہوتے۔ وہ تو کبھی بھی اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ اس لئے انسان میں صرف حالات سے لڑنے کا نہیں بلکہ سمجھوتہ کرنے کا بھی حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔'' وہ چولہے کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''سوری میں اپنی زندگی صرف اپنے لئے جینا چاہتی ہوں، دوسروں کے لئے نہیں کیونکہ میں لائبہ ہوں، نیہا نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' نیہا زچ ہو کر بولی۔

لائبہ ہنس دی۔

آسیہ بانو ایک تیز مزاج خاتون تھیں۔ بھری جوانی میں بیوگی نے انہیں مزید چڑچڑا کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی اکلوتی اولاد افتخار فاروقی پانچ سال کے تھے۔ آسیہ بانو کو سسرال سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پڑھی لکھی تو تھیں نہیں، اس لئے لوگوں کے گھروں میں کھانا پکا کر اور سلائی کر کے انہوں نے افتخار فاروقی کی پرورش کی۔ خوددار تھیں، اس لئے اپنے میکے والوں سے بھی کبھی ایک ٹکا نہ لیا۔

افتخار فاروقی جب ایک سرکاری محکمے میں کلرک بھرتی ہوئے تو انہوں نے ایک اچھے خاندان سے شاہدہ کا انتخاب کیا۔ رضا علی کا خاندان شرافت میں اپنی مثال آپ تھا۔ ان کی زوجہ نازیہ بیگم بھی بڑی رکھ رکھاؤ والی عورت تھیں۔ ان کی دو ہی اولادیں تھیں، حسن اور شاہدہ۔ حسن یونیورسٹی میں پڑھ رہے تھے اور شاہدہ انٹر کی طالبہ تھیں، تبھی رضا علی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی اور جو شادی ان کی تعلیم ختم ہونے پر طے کی گئی تھی، وہ فوراً کرنی پڑی کیونکہ رضا علی ہارٹ پیشنٹ تھے اور ڈاکٹر کے مطابق اب ان کے پاس زیادہ وقت نہ بچا تھا۔

اس طرح شاہدہ دلہن بن کر افتخار فاروقی کی زندگی میں آ گئیں۔ شاہدہ فطری طور پر سادہ مزاج تھیں۔ وہ آسیہ بانو کے لئے بہو نہیں، بیٹی ثابت ہوئیں مگر آسیہ بانو کبھی ساس سے ماں نہ بن سکیں۔

یکے بعد دیگرے لائبہ، نیہا اور راحیلہ کی پیدائش کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ شاہدہ اب کبھی ماں نہیں بن سکیں گی تو انہیں شاہدہ کی ذات، ان کے کاموں میں کئی نقائص دکھائی دینے لگے۔ پوتیوں سے بھی ان کا سلوک کبھی اچھا نہ رہا شاید اس لئے کہ لڑکیاں ان کی وہ اَن چاہی خواہشات تھیں جن کی تکمیل ہو گئی تھی۔

اس عرصے میں رضا علی تو دنیا سے چلے گئے مگر پھر حسن رضا علی نے ملک سے باہر جا کر بہت روپیہ کمایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ متوسط طبقے سے اَپر کلاس میں آ گئے۔ انہوں نے نازنین سے شادی بھی کر لی جو بہت بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ آگے ان کی چار اولادیں ہوئیں۔ رافیل، شاہانہ، اعتزاز اور سدیعہ۔ شاہانہ کی شادی چند ماہ پہلے ہی ہوئی تھی، اب رافیل کی شادی کا امکان تھا جنہوں نے حسن رضا کا بزنس سنبھال رکھا تھا۔ اعتزاز نے اپنی مرضی سے پولیس فورس جوائن کر لی تھی اور سدیعہ، نیہا کی کلاس فیلو تھی۔ تینوں لڑکیوں کا دل اپنے ماموں کے گھر میں خوب لگتا تھا، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنی نانی اور ماموں سے بے حد محبت ملی تھی۔

o..........o..........o

نازنین ممانی، رافیل کی شادی کا کارڈ دینے آئیں تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر ڈالی کہ انہیں شادی سے کم از کم ایک ہفتہ پہلے آنا ہے۔ اس وقت بھی ان کے جانے کے بعد تینوں کچن میں بیٹھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف اسی بات کو ڈسکس کر رہی تھیں کہ کب جانا ہے؟ کیا پہننا ہے اور اجازت کیسے ملے گی وغیرہ وغیرہ۔

''میرا نہیں خیال کہ ہم تینوں کو ایک ساتھ جانے کی اجازت ملے گی۔'' نیہا نے برتن دھوتے ہوئے کہا۔

''ہم لوگ کبھی کبھار کہیں آتے جاتے ہیں، وہ بھی حسن ماموں کے گھر ہونے والے فنکشنز میں..... تو کیا اب اس کی بھی اجازت نہیں ملے گی؟'' لائبہ نے خفگی سے اُسے گھورا۔

''یہ تو جب بھی بات کریں گی، دادی جان کے خلاف ہی کریں گی۔'' راحیلہ نے سبزی کاٹتے ہوئے منہ بنایا۔

''بات خالی دادی جان کی نہیں ہے، خود ہی سوچو، ہم سارے کام امی پر تو ڈال کر نہیں جا سکتے۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں رہنے چلی جانا۔ میں تقریبات میں ساتھ ساتھ شرکت کرتی رہوں گی، ٹھیک ہے نا۔'' نیہا نے آسان حل بتایا۔

''اس طرح مزہ آئے گا کیا؟'' لائبہ نے منہ پھلایا اور اس سے قبل کہ نیہا اسے مزید سمجھاتی، آسیہ بانو نے اسے پکار لیا۔

وہ لمحہ بھر کی تاخیر کئے بنا اُٹھ کر چلی گئی۔ لائبہ کو بہت غصہ آیا۔ اُسے آسیہ بانو کی اس گھر میں آقاؤں کی سی حیثیت ناگوار گزرتی تھی۔

o..........o..........o

آسیہ بانو نے بڑی مخالفت کی مگر افتخار فاروقی اپنی بیٹیوں کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو بھی رد نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حسن رضا کے گھر جا کر رہنے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ یوں بھی ان کا گھرانہ بہت قابل بھروسہ تھا، پھر نازنین نے انہیں بڑے چاؤ سے راحیل کی شادی کے لئے بلایا تھا اور افتخار فاروقی خلوص کی قدر کرنے والوں میں سے تھے۔ وہ ''رضا ہاؤس'' پہنچیں تو سبھی خوش ہو گئے مگر سبھی نیہا کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ لائبہ نے سب کو یہی کہا کہ وہ شاہدہ کی وجہ سے نہیں آئی۔

شام کو لائبہ، راحیلہ، سدیعہ اور چند اور کزنز لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ تبھی اعتزاز بھی ڈیوٹی سے واپس لوٹا۔ وہ اس وقت وردی میں تھا۔ سب کو موجود دیکھ کر وہ بھی ان کے پاس چلا آیا۔

''یہ تم لوگ اچانک کہاں سے ٹپک پڑیں۔'' اعتزاز نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہیں کین کی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''ٹپکے نہیں بلکہ باقاعدہ بلوائے گئے ہیں۔'' لائبہ نے فوراً وضاحت کی۔ سب نے تائید کی۔

''ہاں وہ میں نے ہی مما سے کہا تھا کہ گھر میں شادی ہے، کچھ کام والیاں بلوا لیں۔ اسی لئے انہوں نے تم لوگوں کو بلوایا ہوگا۔'' اعتزاز نے انہیں چھیڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہم کام والیاں دکھتی ہیں۔'' سب نے منہ پھلا لیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ پھر بے اختیار سدیعہ سے پوچھ بیٹھا۔ ''بھئی یہ کام کرنے والیوں کی لیڈر نیہا بیگم دکھائی نہیں دے رہیں۔ انہیں تو خدمت خلق کا خبط سوار رہتا ہے۔'' مگر اعتزاز کی خالہ زاد شمع کو اس کا بطور خاص نیہا کے متعلق پوچھنا اچھا نہ لگا کیونکہ اس کے خیال میں اعتزاز پر صرف اور صرف اس کا حق تھا کیونکہ پورے خاندان میں اس سے زیادہ دولت مند اور خوبصورت کوئی نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ اعتزاز اسی کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگلے لمحے شمع نے خود کو تسلی دی۔ بھلا نیہا جیسی معمولی لڑکی کو اعتزاز حسن جیسا انسان اتنی اپنائیت سے کیوں پوچھنے لگا۔ یقیناً اس نے اس لئے پوچھا ہوگا کیونکہ وہ آتی ہے تو سب کی جان کاموں سے چھوٹ جاتی ہے۔

''فی الحال اس کا رہنے کا تو ارادہ نہیں البتہ فنکشنز میں وقتاً فوقتاً شامل ہوتی رہے گی۔'' لائبہ نے اطلاع فراہم کی۔

اعتزاز کو اس کا نہ آنا اچھا تو نہ لگا مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس نے خود کو نارمل رکھا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اُٹھ کر چلا گیا۔

o..........o..........o

مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ اس لئے نیہا جلدی جلدی دھلا ہوا صحن خشک کر رہی تھی۔ آسیہ بانو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ وہ دوا کھا کر سو رہی تھیں۔ شاہدہ کچن میں ہنڈیا چڑھائے بیٹھی تھیں جبکہ افتخار فاروقی ابھی ابھی دفتر سے لوٹے تھے اور اس وقت نہا رہے تھے۔ گرمی ہو یا سردی، دفتر جاتے ہوئے اور واپس آ کر نہائے بنا انہیں چین نہیں آتا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو نیہا نے جھاڑو، پونچھا ایک طرف رکھا اور دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھی۔

دروازہ کھولتے ہی اعتزاز حسن کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ''السلام علیکم اعتزاز بھائی!'' اس نے بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہو کر اعتزاز کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ ''وعلیکم السلام۔'' اعتزاز نے اندر داخل ہوتے ہوئے خوشگوار موڈ کے ساتھ جواب دیا۔ اتنے میں افتخار فاروقی تولیے سے بال رگڑتے غسل خانے سے برآمد ہوئے۔ اعتزاز کو دیکھا تو آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے اُسے گلے لگایا۔ نجانے کیوں انہیں اعتزاز سے دلی لگاؤ تھا۔ اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ آسیہ بانو کی بدمزاجی اور اس گھر میں لڑکیوں کی موجودگی کے باوجود انہوں نے اعتزاز کے آنے جانے پر کبھی پابندی نہیں لگائی تھی۔ پسند تو وہ شاہدہ کو بھی اس قدر تھا کہ وہ لائبہ کو اس کی دلہن بنانے کی خواہشمند تھیں کیونکہ وہ دونوں ہم عمر تھے جبکہ نیہا اس سے چار سال چھوٹی تھی۔ اس لئے شاہدہ کا کبھی اس کی جانب دھیان نہیں گیا۔ اس خواہش کا اظہار بھائی سے کر بھی دیتیں مگر اب دونوں بہن بھائیوں کے درمیان اسٹیٹس کی دیوار حائل تھی۔ انہیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں ان کا بھائی انہیں لالچی نہ سمجھ بیٹھے اور پھر وہ ایک نئے رشتے کے لئے پرانے رشتے نہیں کھو سکتی تھیں۔

نیہا چائے بنانے چلی گئی۔ افتخار فاروقی اور شاہدہ اس کے ساتھ صحن میں رکھی پرانی کرسیوں پر براجمان ہوگئے۔

باتوں باتوں میں اعتزاز نے آنے کا مقصد بیان کیا کہ وہ ان لوگوں کو مایوں کی تقریب کے لئے لینے آیا ہے مگر جواباً وہ معذرت کرنے لگے۔ "بیٹا دراصل بات یہ ہے کہ ہم چاہ کر بھی آج کے فنکشن میں شامل نہیں ہوسکتے کیونکہ آج اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ایسے میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا، ہاں نیہا کو ضرور لے جاؤ۔ یوں بھی وہ حسن بھائی کے گھر کے علاوہ کہیں آتی جاتی نہیں ہے۔ وہاں جائے گی تو اسے بھی اچھا لگے گا۔ افتخار فاروقی نے اچانک ہی فیصلہ سنا دیا۔

تب بحالت مجبوری اسے اعتزاز کے ساتھ آنا پڑا۔ رات دھیرے دھیرے اپنا آنچل پھیلا رہی تھی۔ اعتزاز مصروف شاہراہ پر بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ نیہا اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اعتزاز وقتاً فوقتاً اس پر نگاہ ڈال رہا تھا لیکن ہر مرتبہ وہ اسے گم صم ہی لگی۔ آخر اعتزاز نے پوچھ لیا۔ "لگتا ہے پھپھو اور پھوپھا جان نے تمہیں زبردستی بھیجا ہے۔ اگر تم وہاں بتا دیتیں تو میں تمہیں ساتھ نہ لاتا اور......" اس سے قبل کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، نیہا جلدی سے بولی۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسی بات نہیں۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ہم تینوں کی غیر موجودگی میں سارا کام اکیلے امی کو کرنا پڑے گا اور پھر رات بھر دادی جان کی تیمارداری...... وہ بہت تھک جائیں گی۔" وہ بے حد فکر مند تھی۔

اعتزاز کو اس وقت وہ بہت الگ لگی۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسے بہت کم لوگ دیکھے تھے جو خود اپنی ذات، اپنی خوشیوں اور غموں سے قبل اپنے سے وابستہ لوگوں کے متعلق سوچیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ نیہا کو اس کی مسکراہٹ کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔

جیسے ایک لمحے میں ذرا سی بے احتیاطی سے بڑے بڑے حادثات ہوجاتے ہیں بالکل اسی طرح کبھی چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہماری ذات میں بڑی بڑی تبدیلیاں لے آتی ہیں۔ بظاہر کچھ نہیں ہوتا مگر اچانک بہت کچھ ہوجاتا ہے۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہوتی ہے اور محبت محسوسات کا عمل ہے۔

اعتزاز نے اس گھڑی نیہا کے لئے کچھ محسوس کیا تھا۔

o..........o..........o

شادی میں برادری کے بھی لوگ شریک تھے۔ اس لئے لحاظ داری میں شفقت کی فیملی کو بھی بلانا پڑا تھا حالانکہ شفقت کا چال چلن اچھا نہ تھا۔ کام کاج تو کیا ہی کرتا، باپ دادا کی دولت پر عیش کر رہا تھا۔ برُے لوگوں کی سنگت میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ پڑھائی کے نام پر اخبار پڑھ لینے کے لائق تعلیم حاصل کی تھی۔ باپ کا سایہ بچپن سے ہی سر پر نہ رہا تھا البتہ ایک چاچا، چاچی تھے جنہوں نے اُسے اپنے بس میں کچھ اس طرح سے کیا تھا کہ ماں کے تمام اختیارات ختم ہوگئے تھے۔

ماں کی اہمیت صرف اس قدر تھی کہ ان کی خدمت کے لئے کئی نوکر مقرر تھے۔ ان سے پیار بھی کرتا تھا مگر ان کی روک ٹوک اسے ہمیشہ ناگوار گزرتی۔ شفقت ایک کان سے ان کی بات سنتا اور دوسرے سے نکال دیتا۔ ماہ رخ کو اس بات کا بڑا دکھ تھا مگر حالات نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ ایک ماں کے لئے اس سے بڑا دکھ کیا ہوگا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا اکلوتا بیٹا غلط راہوں پر بڑھتا جا رہا تھا اور وہ کچھ نہ کرسکتی تھیں۔

شفقت کی دلچسپی شروع سے ہی لائبہ میں تھی مگر لائبہ کو اس سے شدید نفرت تھی جبکہ وہ لائبہ کو پانے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار تھا اور اس بات کی خبر سب ہی کو تھی۔ وہ کتنی مرتبہ بھری محفل میں لائبہ کو کہہ چکا تھا۔ "اگر وہ اس کی نہیں ہوئی تو وہ اسے کسی اور کے لائق بھی نہیں چھوڑے گا۔" برادری کے معتبر لوگ اُسے کوستے رہتے تھے مگر شفقت پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا البتہ ماہ رخ سب سے ہی شرمندہ ہوتی رہتیں اور کر کیا سکتی تھیں۔

شفقت نے لائبہ کو مہندی کا تھال لئے سیڑھیوں سے نیچے اُترتے دیکھا تو قریب چلا آیا۔ اگلے لمحے ریلنگ پہ ہاتھ رکھ کر اس نے لائبہ کا راستہ روک لیا اور اُسے گھورنے لگا۔ لائبہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔" کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا مگر اس کے باوجود لائبہ کو خوف سا محسوس ہوا لیکن اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"بدتمیزی کہاں جناب، یہ تو پیار ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

لائبہ کا جی چاہا اس کا منہ نوچ لے مگر جگہ ایسی تھی کہ وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ برادری کے تمام لوگ جمع تھے اور ہر بندہ رائی کا پہاڑ بنانے میں کمال رکھتا تھا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو؟" اس نے دھیمے مگر غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے سرکار ہم تو صرف آپ کو چاہتے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمارے معاملے میں پتھر ہوئی جاتی ہیں۔" وہ خالص بازاری انداز میں بولا۔

لائبہ کی جان جل گئی۔ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا مگر وہ باز نہیں آیا۔ اُس پہ نظریں گاڑھے ہوئے مزید بولا۔ "آج تمہیں دیکھ کر بار بار یہی خیال آرہا ہے کہ تمہیں اٹھا کر کسی ایسی جگہ لے جاؤں جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں، ظاہر ہے گھٹیا دماغ میں گھٹیا خیالات ہی آئیں گے۔" وہ حقارت سے بولی۔ جواباً وہ یوں ہنس دیا گویا اس کی تعریف کی گئی ہو۔

حد ہے ڈھٹائی کی، لائبہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ تبھی شفقت کا موبائل بج اٹھا۔ وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر نمبر دیکھتے ہی دوسری طرف چلا گیا۔ لائبہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

o..........o..........o

شادی کی تقریب میں سب بہت تھک گئے تھے۔ اس لئے ہال سے لوٹتے ہی سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے جبکہ اعتزاز حسن ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر پُر اطمینان انداز میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگا۔ اس کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب وہ زیادہ تھک جاتا تو اسے نیند نہ آتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی یہی حالت تھی۔

اس نے کچن سے آتی برتنوں کی آواز سنی تو مارے تجسس کے کچن کی طرف دوڑا آیا۔ وہاں نیہا کو دیکھا تو چونکا۔ "تم اس وقت یہاں؟" اس کے سوال میں حیرت نمایاں تھی۔ وہ ایک دم گھبرا گئی اور اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا اور گرم گرم چائے اس کے ہاتھ پر گر گئی۔ نیہا سے پہلے اعتزاز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

نیہا کے جسم میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس نے تکلیف کے باوجود سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

اعتزاز چونکا تھا۔ "کیا ہوا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے نیہا کو دیکھا۔

اب نیہا اسے کیا بتاتی کہ اس کے شعور کو جب سے آگہی ملی ہے، تب سے اس نے صرف یہی خواہش کی ہے کہ اگر زندگی کا طویل سفر طے کرنے کے لئے کوئی اس کا ہاتھ تھامے تو وہ صرف اعتزاز ہو مگر آج جب اتفاقاً اعتزاز نے اس کا ہاتھ تھام لیا تو تب نجانے کیوں نیہا کو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ اس کی یہ خواہش آگے جا کر اس کی زندگی کے راستوں کو نوکیلے کانٹوں سے نہ بھر دے۔ ایک دم ڈر سا لگنے لگا تھا کہ جس طرح اچانک اس نے نیہا کا ہاتھ پکڑا ہے، اگر اسی طرح اچانک چھوڑ دیا تو شاید وہ جی نہ پائے اور بس ایک پل میں کھونے کا ڈر، پا لینے کی خواہش پر حاوی آگیا تھا۔ اس لئے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں، آنکھوں میں نمی تھی۔

"میں نے پوچھا کیا ہوا؟" وہ پریشانی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"کبھی کبھی عام سے سوالوں کا جواب دینا مشکل ہوجاتا ہے شاید اس لئے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمارا جواب ہماری ذات کی تفسیر نہ بن جائے اور یہ ضروری تو نہیں نا کہ جو شخص تحریر پڑھنا جانتا ہو، وہ اس کے معنی و مفہوم سے بھی واقف ہو۔" وہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔

اعتزاز کو اس کے دل کی کیفیت سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ وہ جان چکا تھا کہ وہ اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے تاکہ اس کے جذبے، اس کی شدتیں کسی پر عیاں نہ ہوں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ نیہا خوفزدہ ہے مگر اس کے باوجود ابھی بہت کچھ کہنا سننا باقی تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ نیہا سے کھل کر بات کرے گا مگر مناسب موقع دیکھ کر۔

o..........o..........o

اعتزاز کی رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ اس لئے صبح دیر تک سوتا رہا۔ وہ فریش ہو کر آیا تو ڈائننگ ٹیبل پر اُسے شمع اپنی منتظر ملی۔ اُسے دیکھتے ہی بڑے خوشگوار موڈ کے ساتھ گڈ مارننگ وِش کی۔ اعتزاز کو ہنسی آگئی۔

"میڈم آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ صبح نہیں دوپہر ہے۔ اس لئے آپ مجھے گڈ مارننگ نہیں، گڈ آفٹر نون وِش کیجئے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اخبار کھول کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"مگر میری صبح تو تمہیں دیکھ کر ہی ہوتی ہے۔" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

جواباً اعتزاز نے اُسے قدرے ناگواری سے دیکھا، شاید اسے شمع سے ایسی توقع نہ تھی یا پھر ایک مرد ہونے کے ناتے وہ کسی لڑکی سے اس بے باکی کی امید نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

شمع بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ ارد گرد کوئی نہ تھا شاید اس لئے وہ موقع کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس نے اس کے مضبوط شانوں پر اپنے نازک سے ہاتھ جما دیئے۔ اعتزاز نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"آئی لو یو اعتزاز...... اور میں جانتی ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتے ہو اور یہ محبت ہی تو ہے کہ آج ہم دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب ہیں۔" وہ بڑے جذباتی انداز میں بولی اور اس سے قبل کہ وہ شمع کو جواب دیتا، اس کی نگاہ ڈائننگ ہال کے دروازے میں کھڑی نیہا پر پڑی جو کسی بُت کی مانند کھڑی تھی۔

اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ اُسے زبردست شاک لگا ہے۔ اعتزاز کے لئے تو اس پل پوری کائنات تھم گئی اور اس سے قبل کہ وہ کوئی ردِ عمل ظاہر کرتا، نیہا پلٹ کر چلی گئی۔ تب اعتزاز بھی چونکا اور اس کے بازو جھٹکے۔

"جب عورت سراپا محبت بن جاتی ہے تو وہ مرد کے سر کا تاج بن جاتی ہے یا اس کے قدموں کی خاک یا اس کا جنون بن جاتی ہے یا پھر اس کی کنیز...... لیکن جو عورت مرد کے گلے کا ہار بن جاتی ہے، وہ مرد کے دل تک پہنچنے کا راستہ کبھی تلاش نہیں کر پاتی۔" وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔

اعتزاز کے یہ الفاظ نہیں بلکہ وہ طمانچے تھے، جس کی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن اس کے باوجود اس کی جلن اندر تک محسوس ہوتی ہے۔ شمع وہ جلن محسوس کر رہی تھی۔ "آج تو میرا شک ٹھیک نکلا۔ رات کچن میں، میں نے اعتزاز کو جس طرح نیہا کا ہاتھ تھامتے اور نیہا کو اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کراتے دیکھا تھا، وہ اتفاق نہیں دونوں کے جذبات تھے، جن کا اظہار خواہ لفظوں میں نہ ہوا ہو مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت سے فاصلے سمٹ گئے تھے۔

نیہا نے جو دیکھا تھا، وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ جب وہ کمرے میں آئی تو اس کے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔ اس کی زندگی کی پہلی اور آخری خواہش اس کی سب سے بڑی خوش فہمی ثابت ہوئی تھی۔ خواب ٹوٹنے کا کرب کیا ہوتا ہے، یہ صرف وہی جانتی تھی۔

اس نے سارا دن دانستہ طور پر اعتزاز کا سامنا نہیں کیا۔ دوپہر کے کھانے کے لئے بھی اس نے منع کر دیا۔ لائبہ اور راحیلہ نے کتنا اصرار کیا مگر اس کی نا، ہاں میں نہیں بدلی۔

تب اُسے تنہا پا کر شمع اس کے کمرے میں چلی آئی اور اُسے اپنے اور اعتزاز کی محبت کی جھوٹی کہانی سنانے لگی۔ وہ بڑے ضبط سے سنتی رہی مگر آخر میں اس نے جو کچھ کہا، وہ کبھی نیہا، اعتزاز کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس ایک پل میں اس کے دل کے سنگھاسن پر رکھا اعتزاز کا بت گر کر چکنا چور ہوگیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کرچیوں کی چبھن اس نے اپنی روح میں محسوس کی تھی۔

o..........o..........o

"یہ تم اچانک کیسے لوٹ آئیں؟ شاہدہ کو نیہا کا یوں اچانک آجانا بڑا عجیب لگا۔

لائبہ اور راحیلہ کے فون نے اس احساس کو مزید ہوا دی تھی۔ وہ دونوں نیہا کے اچانک چلے جانے کی وجہ سے پریشان تھیں۔

"بس ویسے ہی گھر کی یاد آرہی تھی، اس لئے چلی آئی۔" وہ نگاہیں چُراتے ہوئے بولی۔

شاہدہ قریب چلی آئیں اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے فکر مندی سے بولیں۔ "کیا بات ہے نیہا، کیا وہاں تمہارا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"نہیں امی اب تو سارے جھگڑے ہی ختم ہوگئے کیونکہ جھگڑے تو وہاں ہوتے ہیں جہاں کوئی رشتہ ہو یا چاہتیں ہوں، میری چاہتیں تو ہمیشہ سے یکطرفہ تھیں، اس لئے قصوروار میں ہی ہوں۔" وہ یہ سب کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکتی تھی، اس لئے صرف اتنا کہا۔ "امی میں ٹھیک ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اور یہ کہتے ہوئے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ بھی سجالی تاکہ شاہدہ مطمئن ہوجائیں مگر وہ ماں تھیں۔ اس لئے انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ نیہا جھوٹ بول رہی ہے اور ان سے کچھ چھپانا چاہتی ہے لیکن اس وقت انہوں نے اصرار نہیں کیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ نیہا ان سے کوئی بات زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکتی۔

"تمہاری دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں، میں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جارہی ہوں۔ تم گھر کا خیال رکھنا۔" وہ الماری سے چکن کی بڑی سی چادر نکالتے ہوئے بولیں۔ جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہیں گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی تبھی اعتزاز چلا آیا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔

نیہا نے اسے اندر اس لئے آنے دیا کہ اسے باہر کھڑا کر کے وہ لوگوں کو تماشا نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اس لئے مجبوراً اسے کمرے میں بٹھا دیا جہاں مہمان بیٹھتے تھے۔

"جی فرمایئے کیا پینا پسند کریں گے، چائے یا کافی؟" نیہا اس وقت اس میزبان کی مانند لگ رہی تھی، جس کے لئے مہمان رحمت نہیں زحمت ہوتے ہیں۔ نیہا کے لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی تلخی در آئی حالانکہ وہ خود کو اس پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم نے مما سے کہا کہ میں شمع کو پسند کرتا ہوں اور وہ جلد از جلد ہم دونوں کی شادی کر دیں۔" اس نے گویا تصدیق چاہی۔ جواباً نیہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اعتزاز کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ "کیوں میری زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے یا رائے دینے کا حق تمہیں کس نے دیا؟"

"میں نے جو کیا، تین زندگیاں بچانے کے لئے کیا۔ نازنین ممانی چاہتی تھیں کہ آپ کی اور لائبہ کی شادی ہوجائے لیکن میں کبھی نہیں چاہتی تھی کہ میری بہن کی نئی زندگی کی شروعات کسی مظلوم کی بددعاؤں کے ساتھ ہو۔ یوں بھی آپ پر جتنا حق شمع کا ہے کسی اور کا نہیں۔ اور پھر آپ نے اس سے جو کمٹ منٹ کی ہے وہ......"

اس سے قبل کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی، وہ چیخ اٹھا۔ میری اس کے ساتھ کوئی کمٹ منٹ نہیں ہے۔"

"آپ لوگوں کے تعلق میں کتنی گہرائی ہے اس کا اندازہ تو مجھے اسی وقت ہوگیا تھا جب میں نے آپ دونوں کو ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا اور اب یہ مت کہیئے گا کہ وہ میری آنکھوں کا دھوکا تھا کیونکہ ہر بار یہ کہہ کر انسان بری الذمہ نہیں ہوسکتا کہ جو سامنے تھا، اس میں کوئی صداقت نہیں تھی۔" اس کا لہجہ تلخی لئے ہوا تھا۔

اعتزاز کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کو بولنے کا موقع دیئے بنا ہی وہ مزید بولی۔ "اب آپ جو بھی کہیں میں یقین نہیں کروں گی کیونکہ وہ لمحہ آپ لوگوں کی محبت اور اٹوٹ تعلق کا گواہ تھا۔"

تب اعتزاز، جو اس سے چند قدم دور تھا، نزدیک آگیا اور اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔ نیہا کے لئے یہ غیر متوقع تھا، اس لئے وہ کچھ اس طرح لڑکھڑائی کہ سہارے کی تلاش میں اس کے ہاتھ اعتزاز کے مضبوط شانوں پر جم گئے۔ "اگر اس وقت کوئی ہمیں یوں دیکھ لے تو اس کے ذہن میں بھی ایسی سوچ جنم لے گی جیسی سوچ کو تم نے اپنے دماغ میں جگہ دی جبکہ اس پل کی حقیقت کچھ اور ہے۔" اس کا انداز جتانے والا تھا گویا وہ اُسے آئینہ دکھا رہا تھا۔

نیہا کی سمجھ میں یہ بات کچھ کچھ آنے لگی۔ اعتزاز نے اسے چھوڑ دیا اور ایک شکوہ کناں نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

o..........o..........o

دوسرے دن جب نیہا شادی میں گئی تو اس نے موقع ملتے ہی لائبہ سے سب کچھ کہہ دیا، یہاں تک کہ اپنی بہن کے ساتھ وہ اعتراف بھی کر ڈالا جواب تک کسی کے سامنے نہ کیا تھا۔ لائبہ خوش ہوئی مگر ساتھ ہی خفا بھی۔

"حد ہے، عجیب بیوقوف لڑکی ہو، جس سے محبت ہے اُس پر یقین نہیں اور جو قابل اعتبار نہیں، اُس کے لئے اپنی محبت پر شک کر رہی ہو۔" لائبہ نے اس کی کم عقلی پر ماتم کیا۔

"وہ میری غلطی تھی مگر اب مجھے ان پر یقین ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اچھا اچانک یقین کیسے آگیا۔ لائبہ نے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"جس طرح ایک لمحہ بے یقینی کی وجہ بنا تھا، اُسی طرح ایک پل ہماری زندگی میں ایسا بھی آیا کہ جس کے بیتنے کے بعد میرے دل میں ان کے لئے یقین کے سوا کچھ نہ بچا۔ اتنا کہتے ہوئے اس کی آواز میں نغمگی، لہجے میں سکون اور چہرے پہ کئی رنگ آگئے تھے۔ اس گھڑی لائبہ نے دل سے دعا کی کہ اس کی زندگی میں خوشیوں کے سوا کچھ نہ ہو۔

بڑی مشکلات کے بعد لائبہ نے ان دونوں کی صلح بھی کرا دی۔ نیہا سے اس کی محبت کی انتہا یہ تھی کہ اس کے لئے وہ اپنی جان بھی قربان کرسکتی تھی اور نیہا کا تو بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس کی راہ کے کانٹے اپنی پلکوں سے چن لیتی مگر ہر انسان کو اپنے حصے کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے شاید اسے ہی قسمت کہتے ہیں اور ہر انسان کی قسمت الگ ہوتی ہے۔ چاہے اچھی ہو یا بری!

o..........o..........o

رافیل کی شادی خیریت سے ختم ہوگئی۔ لائبہ نے خاص طور سے خوب انجوائے کیا مگر ایک بات جو لائبہ نے نوٹ نہیں کی تھی، وہ تھا احمر جو لائبہ کی ذات میں بے حد دلچسپی لے رہا تھا۔ پوری شادی میں اس کی نگاہ لائبہ کے وجود کا حصار کئے رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ لائبہ سے بات کرنے کی کوشش کی تو لائبہ نے اسے موقع نہ دیا۔ وہ ڈرتی تھی کہ کوئی چھوٹی سی بات بھی برادری میں اس کے والدین کی رسوائی کا سبب نہ بن جائے۔ اُسے اپنے ماں، باپ کی عزت ہر شے سے پیاری تھی، وہ خود کو قربان کرسکتی تھی مگر ان کی عزت کو نہیں لیکن کبھی کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی آتا ہے جہاں قسمت کا فیصلہ ہماری سوچ کے برعکس ہوتا ہے۔ وقت ہمارے ساتھ ایسا کھیل کھیلتا ہے کہ ہم صرف ایسا چہرہ بن کر رہ جاتے ہیں کہ جسے کوئی اپنی جیت کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔ لائبہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

رافیل کی شادی کے بعد وہ امتحان میں مصروف ہوگئی۔ پھر امتحان سے فراغت پاتے ہی اس نے ہمیشہ کی طرح حسن ماموں کے یہاں جانے کی ضد شروع کر دی۔ آسیہ بانو نے سنا تو مانو آفت ہی آگئی۔ بستر پہ لیٹے لیٹے اندر سے بولیں۔ "آخر اس حسن کے گھر میں ایسی کیا خاص بات ہے جو ہر دوسرے روز دوڑی چلی جاتی ہو؟" ان کا لہجہ شاکی سا تھا۔

تینوں بہنیں شاہدہ کے ساتھ مل کر اچار کا سامان دھوپ میں سے سمیٹ رہی تھیں تاکہ گھر میں اچار ڈالا جاسکے۔ شاہدہ اور آسیہ بانو مل کر گھر میں ہی اچار ڈال لیا کرتی تھیں۔ اکثر دوپہر کو پتلی سی دال پکا کر ساتھ اچار رکھ لیتے تاکہ بچت ہو اور شاہدہ اس فارمولے کے تحت کافی بچت کر چکی تھیں جو آسیہ بانو کے علم میں نہ تھی بلکہ اس بات کی خبر تو افتخار فاروقی کو بھی نہ تھی۔

"ایک تو انہیں کسی نے بتا دیا ہے کہ مجھے ہر وقت ٹوکتے رہنے سے انہیں ثواب حاصل ہوگا۔" لائبہ منہ بنا کر بولی۔

"اُفوہ خاموش ہوجاؤ۔ اگر دادی نے سن لیا تو خیر نہیں۔" نیہا نے اسے ٹوکا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھ جائے اور لائبہ کے لئے خواہ مخواہ میں کوئی مشکل کھڑی ہوجائے۔ ویسے ہی آسیہ بانو اس کی زبان درازی سے نالاں تھیں۔

"فضول بحث کرنے سے بہتر ہے کہ شام کو تمہارا باپ آئے گا تو اس سے اجازت لے لینا۔" شاہدہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا تو لائبہ خاموش ہوگئی۔

o..........o..........o

لائبہ نے افتخار فاروقی سے اجازت لے لی جو آسیہ بانو کو بہت ناگوار گزری اور جب سب رات، کھانے کے بعد کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، تو تب انہیں جیسے کہنے کا موقع مل گیا۔ سامنے ٹی وی پر نو بجے کی خبریں چل رہی تھیں۔ تبھی وہ بول پڑیں۔ "افتخار آخر تم نے لائبہ کو حسن میاں کے گھر جانے کی اجازت دے ہی دی۔" وہ بگڑے موڈ کے ساتھ بولیں۔

"اماں اس میں حرج کوئی نہیں ہے۔" انہوں نے جواباً نرمی سے کہا۔ شاہدہ نے تینوں بیٹیوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ آسیہ بانو کا تلخ لہجہ لائبہ زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتی اور وہ اس وقت بدمزگی نہیں چاہتی تھیں۔ وہ تینوں اُٹھ کر باہر چلی گئیں۔

"دیکھو افتخار تم پڑھے لکھے سہی مگر میرا تجربہ تم سے زیادہ ہے۔ یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کئے۔ اپنی عزت کی حفاظت انسان خود کرسکتا ہے۔ کسی کی نیت میں کھوٹ آتے دیر نہیں لگتی۔ ارے میں کہتی ہوں وہاں دو جوان جہان لڑکے ہیں۔ پھر ان کی نئی بہو کا خاندان بھی بہت بڑا ہے۔ ہزار لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ ایسے میں بھلا لائبہ کا وہاں کیا کام، نجانے کیوں ان کے دل میں بے تحاشا واہمے تھے۔

مگر افتخار فاروقی نے اتنا کہہ کر بات ختم کر دی۔ "یہ ٹھیک ہے اماں کہ دنیا میں ہر انسان قابل اعتماد نہیں ہوتا مگر ہر انسان پر شک کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہیں یقین کرنا ہے تو کرو، مجھے تو نہیں ہے...... لیکن ہاں میری ایک بات یاد رکھنا کہ تمہارا لوگوں اور اپنی اولاد پر اندھا اعتماد ایک دن تمہیں نقصان پہنچائے گا۔ میرا آج کا کہا یاد رکھنا۔ انہوں نے جیسے بیٹے کو آنے والے وقت سے باخبر کیا اور شاہدہ کے ساتھ باہر کھڑی تینوں لڑکیاں آسیہ بانو کی پیش گوئی پر اندر ہی اندر لرز اٹھیں۔ انہیں امید نہ تھی کہ آسیہ بانو ان کے لئے ایسی بدفال منہ سے نکال سکتی ہیں۔

o..........o..........o

اعتزاز کا رشتہ نیہا کے لئے آیا تو سب بہت خوش ہوئے کیونکہ سبھی اعتزاز کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس سے اچھا لڑکا پورے خاندان میں کوئی نہ تھا مگر نہ جانے کیوں لائبہ خوش نہ تھی۔ وہ بہت خوش خوش رہنے والی لڑکی اب ہمہ وقت گم صم سی رہنے لگی تھی۔

نیہا نے کریدنا چاہا مگر وہ ہنس کر ٹال دیتی۔ مگر جب نیہا اور اعتزاز کی منگنی ہوئی تب نجانے کیوں لائبہ پہلے سے زیادہ پریشان دکھائی دینے لگی۔ وہ اپنی ذات سے تو کیا دنیا سے بے خبر رہنے لگی تھی، یہاں تک کہ آسیہ بانو اسے ہزار باتیں سنا ڈالتیں مگر وہ پلٹ کر جواب نہ دیتی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ یہاں صرف جسمانی طور پر موجود ہو مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا ہے۔

نیہا نے نوٹ کیا تھا کہ وہ رات گئے جاگتی رہتی تھی۔ نجانے اس کی نم آنکھیں خلاؤں میں کیا تلاش کیا کرتی تھیں۔ نیہا نے ایک دن پوچھا۔ "کیا بات ہے لائبہ، تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم ایکدم چپ سی کیوں ہوگئی ہو، ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہو، آخر ایسی کونسی اُلجھن ہے جو تم مجھ سے شیئر نہیں کر سکتیں؟" وہ سوال پہ سوال کر رہی تھی مگر لائبہ خاموش تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی بربادی کی داستان سنا دی تو نیہا اعتزاز سے کبھی شادی نہیں کرے گی۔

وہ اسے کیسے بتاتی کہ جس چھت تلے نیہا اپنا جیون بتانے کے خواب دیکھ رہی تھی، اسی چھت تلے لائبہ اپنا سب کچھ گنوا آئی تھی۔ وہ جو ہونٹوں پہ مسکراہٹ لئے اس گھر میں داخل ہوئی تھی، اب لوٹی تھی تو دامن پہ داغ لئے۔ ایک ایسا زخم جس کی کوئی دوا نہ تھی۔

وقت نے عجیب کھیل کھیلا تھا کہ مجرم اس کے سامنے تھا مگر لائبہ نے اپنے ہونٹ سی رکھے تھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے مجرم کا نام لیا تو شاہدہ اپنے میکے سے محروم ہوجائیں گی اور نیہا کی زندگی کا اکلوتا خواب ٹوٹ جائے گا اور یہ صدمہ وہ برداشت نہیں کر پائے گا، اس لئے لائبہ نے اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا لی تھی۔ سو فقط وہ اتنا بولی۔ "نیہا انسان کے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہو، کیا یہ ضروری ہے؟"

(جاری ہے)

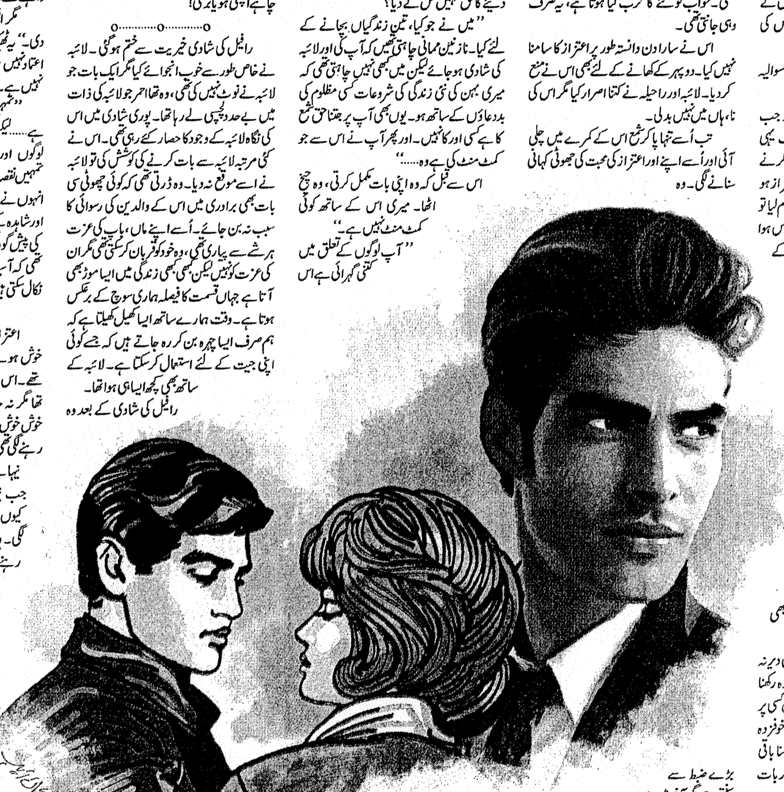

سلمیٰ یونس

قسط : 4

''اس دنیا میں ہر سوال کا جواب ہوتا ہے، سوائے اُن سوالوں کے جو دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ کسی راز کی جانب اشارہ کریں۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولی۔

لائبہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں اُس کی آنکھوں میں اس کے اندر کا خوف سمٹ آیا۔ شاید وہ اس بات سے خوفزدہ تھی کہ اگر نیہا نے حقیقت جان لی تو کیا ہوگا۔ اس لئے اس نے سرعت سے کروٹ بدل لی اور آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ''پلیز لائٹ آف کر دو، میں سکون سے سونا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں کب سے اندھیرا اچھا لگنے لگا۔ تمہیں تو جھلملاتی روشنیاں پسند تھیں؟'' نیہا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔ اس کے لہجے میں بے یقینی واضح تھی۔

''جب زندگی کی بدصورت حقیقتیں بے نقاب ہوتی ہیں تو انسان کے دل سے اُجالوں کی تمنا خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔'' اس کے لہجے میں ایک خالی پن تھا۔

☆......☆......☆

اِدھر اعتزاز اور نیہا کی منگنی ہوئی اور اُدھر لائبہ کا گریجویشن بھی کمپلیٹ ہوگیا۔ تب اس نے افتخار فاروقی کے سامنے اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ جاب کرنا چاہتی ہے۔ انہیں ہمیشہ کی طرح اس کی اس خواہش پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ اپنی اولاد کو کھلونا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق چلانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی نظر میں بچے اُن پرندوں کی مانند تھے جنہیں صرف اُڑان بھرنے کے لائق بنانا والدین کا فرض ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی آکاش میں کہاں تک پرواز کرتے ہیں، یہ اختیار ان کا ہوتا ہے......

لیکن ہاں انہوں نے اپنی بیٹیوں کو جینے کا ایک اصول سکھایا تھا کہ ''اگر وہ سر اُٹھا کر جینا چاہتی ہیں تو انہیں ہر قدم پر اپنی عزتِ نفس اور اپنے عورت ہونے کے تقدس کو زندگی کے ہر موڑ پر اپنی خواہشات، جذبات اور منتخب کئے جانے والے رشتوں سے آگے رکھنا ہوگا کیونکہ عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں اور ہمیشہ یاد رکھنا کسی ایک انسان کا ڈگمگانا، ایک گھرانے کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

سب نے ان کا بولا ہر لفظ ازبر کر رکھا تھا مگر لائبہ اب سب میں شامل نہ تھی۔

عورت کی عزت اس کا غرور ہوتی ہے مگر اس کا غرور چور چور ہوگیا تھا۔ اب وہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی کہلانے کے لائق نہیں رہی تھی مگر یہ بات وہ کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ پَر جب بھی وہ افتخار فاروقی کی جانب دیکھتی، اُسے خود سے نفرت ہونے لگتی۔ قدرت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ افتخار فاروقی جیسے شخص کو اس جیسی اولاد دی۔ اُسے اپنے خدا سے اس بات کا بہت شکوہ تھا۔

☆......☆......☆

آخر لائبہ کو ایک بہت بڑی کمپنی میں جاب مل گئی۔ حیرت انگیز طور پر اسے یہ جاب بِنا سفارش کے ملی تھی۔ لائبہ نے اخبار میں اس نوکری کا اشتہار دیکھ کر درخواست بھجوا دی تھی، بغیر کسی اُمید کے۔ اس لئے لائبہ کو یہ نوکری ملنا ایک معجزہ ہی لگ رہی تھی اور پھر وہ سیٹھ اقبال کی سیکرٹری ہوگئی۔

سیٹھ اقبال ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ عمر پینتالیس سال تھی مگر شخصیت آج بھی سحر انگیز تھی۔ لائبہ ان کے متعلق صرف اتنا جانتی تھی کہ ان کی کل کائنات ایک بیٹی ہے، جس سے اُن کو بہت محبت ہے۔ بیوی سے عرصہ ہوا علیحدگی ہو چکی ہے۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ اس کی وجہ خود سیٹھ اقبال تھے اور کچھ لوگ اس کی وجہ ان کی سابقہ وائف کو ٹھہراتے لیکن لائبہ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

یوں بھی اس کی اپنی زندگی میں کم اُلجھنیں نہ تھیں کہ وہ خواہ مخواہ دوسروں کے مسائل کے متعلق سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہتی۔ وہ اپنی ذات میں اس قدر گم رہتی تھی کہ اسے کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ سیٹھ اقبال کے لئے وہ کتنی اہم ہوتی جا رہی ہے اور پھر ایک دن سیٹھ اقبال نے لائبہ کو اپنے کمرے میں بلایا۔

لائبہ کمرے میں داخل ہوئی تو سیٹھ اقبال کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ لائبہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سیٹھ اقبال نے نگاہیں اٹھا کر اُسے دیکھا۔ سادہ سے کاٹن کے لباس میں ملبوس، میک اَپ سے پاک چہرہ، بارحیا سے جھکی نگاہیں...... انہیں وہ اپنے دل سے قریب لگی۔

اقبال نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب وہ بیٹھ گئی تو انہوں نے بنا تمہید باندھے، اُسے شادی کی پیشکش کر ڈالی۔

''سر...... آپ جانتے ہیں کہ آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اقبال کو دیکھتے ہوئے گویا تصدیق چاہی۔ اس کے چہرے پر ناگواری تھی۔

''دیکھئے مس لائبہ، میں نے آپ سے صرف اپنی چاہت کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی خواہش میری چاہت سے منسلک ہو، یہ ضروری تو نہیں اور دیکھئے فیصلہ کرنا آپ کا حق ہے، جس کا استعمال آپ کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ یہ ذہن میں کبھی مت لایئے گا کہ آپ کے فیصلے کا اثر آپ کی جاب پر پڑے گا۔'' وہ قدرے نرمی اور وضاحت کے ساتھ بولے۔

وہ کرنا تو انکار چاہتی تھی مگر نجانے کیوں نہیں کر پائی۔ تب سیٹھ اقبال نے یہی سمجھا کہ اسے فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔

''مس لائبہ، آپ کو فیصلہ کرنے کے لئے جتنا وقت درکار ہے، بصد شوق لیجئے، میں انتظار کروں گا۔'' وہ خاصے پُرامید تھے۔

لائبہ بنا کچھ کہے چلی گئی۔ سیٹھ اقبال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس مسکراہٹ میں کئی بھید چھپے تھے۔

☆......☆......☆

چلچلاتی دھوپ میں بہت دیر انتظار کے بعد اُسے اپنی مطلوبہ بس ملی تھی، اس لئے جگہ کم ہونے کے باوجود وہ بس میں سوار ہوگئی۔ بڑی مشکل سے اُسے ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر جگہ مل گئی۔ اس کی سوچوں کا محور اقبال صدیقی تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ انہیں کیا جواب دے اور اگر جواب ہاں میں دے تو کیا انہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بتا دے...... بتا دے کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کچھ گنوایا ہے اور اگر وہ اس رشتے کے لئے ہاں کر بھی دیتی ہے تو گھر والوں کو کیا وجہ بتائے گی کہ وہ پینتالیس سال کے اقبال صدیقی سے شادی کرنے پر کیوں مجبور ہے؟

یاخدا...... میری ان مصیبتوں کا کوئی اختتام ہے بھی یا نہیں۔ یہ میری مجبوریوں کا سلسلہ اس قدر طویل کیوں ہوگیا ہے؟ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا یا چاہا تھا۔ اب نجانے کتنے اَن چاہے لمحے مزید زندگی میں شامل کرنے ہوں گے۔

وہ گھر پہنچی تو پتہ چلا کہ پڑوس کی ہاجرہ خالہ کی بیٹی نگہت نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ جس طرح باہر سے آئی تھی، اسی طرح پڑوس میں چلی گئی۔ اندر کمرے میں عین وسط میں چارپائی پر اُس کی لاش پڑی تھی۔ لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ''بھئی سنا ہے کہ کسی لڑکے کے ساتھ چکر تھا۔ اُس نے تو اُسے برباد کر کے چھوڑ دیا کیونکہ ظاہر ہے اس کا کیا بگڑا۔ اپنے محلے کے حکیم صاحب کی بیوی بتا رہی تھی جب اس کے باپ کو پتہ چلا کہ بیٹی امید سے ہے تو باپ کو دل کا دورہ پڑ گیا اور ماں نیم پاگل ہوگئی۔ خاندان والوں نے جینا دوبھر کر دیا۔ تب مجبور ہو کر نگہت نے خودکشی کر لی اور جو لوگ لاعلم تھے، وہ بھی اس کے کرتوت جان گئے اور اسی وجہ سے نگہت کی چھوٹی بہن کا رشتہ ٹوٹ گیا۔''

یہ سب سن کر لائبہ کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ یکدم اُسے لگا جیسے چارپائی پر خود اس کی لاش پڑی ہو۔ کونے میں پڑی چادر پر وہ نیم پاگل عورت اس کی ماں یعنی شاہدہ ہے اور اس کی وجہ سے برباد ہونے والی نیہا......!

وہ ہاجرہ کے شوہر عبدل کو جانتی تھی کہ وہ شرافت اور عزت کے معاملے میں کتنے حساس ہیں۔ شاید اسی وجہ سے وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائے تھے اور آج اسپتال میں زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ وہ اپنے باپ افتخار فاروقی کو بھی جانتی تھی کہ وہ اپنی عزت و غیرت کے معاملے میں اتنے حساس ہیں کہ کسی کی جان لے بھی سکتے تھے۔ اگر افتخار فاروقی کو اس پر بیتے سانحے کا علم ہوگیا تو ان کی حالت شاید عبدل سے بھی بدتر ہو جائے گی اور اگر ایسا ہوتا تو باقی تمام لوگوں کے سر سے چھت ہٹ جاتی، جو وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی اور بس یہ وہ لمحہ تھا کہ جب لائبہ نے اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

جب لائبہ کے لئے شفقت کا رشتہ آیا تو اس نے بڑی جرأت سے کہہ دیا کہ وہ اس سے نہیں بلکہ اقبال سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اقبال صدیقی سے سب واقف تھے کیونکہ وہ ایک مرتبہ ان کے گھر دعوت پر آچکے تھے، اس لئے لائبہ کے اس فیصلے پر سب ہی حیران تھے۔ ایک تو اپنی عمر سے کئی گنا بڑے شخص سے شادی اور پھر اس وقت جب بھی صحن میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ لائبہ نے بنا لحاظ کئے اس قدر بے باکی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ سب کے ساتھ ساتھ نیہا بھی حیران ہوگئی تھی۔

''توبہ توبہ کتنی بے شرم لڑکی ہے، کیسے منہ پھاڑ کر بے حیائی سے اپنی پسند کا اظہار کر رہی ہے۔'' آسیہ بانو نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ باقی سب لوگ اپنی اپنی جگہ ساکت ہوگئے تھے اور بے یقینی سے لائبہ کو دیکھ رہے تھے۔ لائبہ جانتی تھی کہ ان کے دل پر کیا گزر رہی ہے مگر وہ مجبور تھی۔ اس کے لئے اس وقت افتخار فاروقی کے اُٹھے ہوئے سر سے زیادہ اہمیت کسی چیز کی نہ تھی اور اس لئے اُسے بُرا بننا بھی منظور تھا۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ ''میں آپ لوگوں کے سامنے اپنی پسند نہیں بتا رہی، اپنا فیصلہ سنا رہی ہوں۔''

شاہدہ اٹھ کر اس کے سامنے آگئیں۔ ''تم ہوش میں تو ہو، جانتی بھی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو اور تم کب سے اتنی بڑی ہوگئیں کہ اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ خود کر سکو؟'' شاہدہ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

''یہ زندگی میری ہے اور اس میں مجھے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے، یہ طے کرنے کے لئے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

''کیا میں جان سکتا ہوں کہ آخر وہ کیا وجہ ہے کہ تم نے اقبال صدیقی کو اپنا جیون ساتھی منتخب کیا ہے؟'' افتخار فاروقی نرمی سے بولے مگر ان کے لہجے میں ان کے اندر کا خالی پن لائبہ محسوس کر سکتی تھی۔

''زندگی گزارنے کے لئے اس شخص کا ساتھ چاہئے ہوتا ہے جو زندگی کے معنی جانتا ہو اور اسے گزارنے کا ڈھنگ بھی...... اور میں نے یہ خوبیاں صرف اقبال صدیقی میں پائی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ ان سے بہتر شخص مجھے نہیں مل سکتا۔'' وہ نگاہیں جھکائے بڑے ضبط سے بولی۔

افتخار فاروقی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں ان سے مشورہ لینے والی اپنی زندگی کے ہر قدم ہر معاملے میں ان پر اعتماد کرنے والی ان کی لاڈلی بیٹی اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرتے وقت ان کی رائے تک جاننا ضروری خیال نہیں کرے گی۔ ان کے اندر جیسے اچانک کچھ ٹوٹا تھا۔

''کل سے تمہارا آفس جانا بند، میں دیکھتی ہوں کہ ہماری اجازت کے بنا تم کیسے شادی کرتی ہو؟ بڑی آئیں پسند سے شادی کرنے والی۔'' شاہدہ کو شدید غصہ آرہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا گلا ہی دبا دیں۔

''میں بالغ ہوں اور قانوناً شرعاً مجھے اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق ہے اور اگر آپ لوگوں نے میرا فیصلہ بدلنے کی خاطر مجھ پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا تو میں قانون سے مدد لے سکتی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر اندر چلی گئی۔

سب ہکا بکا رہ گئے۔ تب آسیہ بانو تلخی سے بولیں۔ ''دیکھا نا میں نے کہا تھا کہ بیٹیوں کو اتنی آزادی مت دو مگر تم نے میری بات نہیں مانی کیونکہ تمہیں تو یہی لگتا تھا کہ میں تمہاری لاڈلی بیٹیوں کی دشمن ہوں۔'' انہوں نے افتخار فاروقی کو لتاڑا۔

افتخار فاروقی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ ان کے دل پر کیا بیت رہی تھی، یہ وہ کسی سے نہیں کہہ سکتے تھے اور کہتے بھی تو ان کے پاس وہ الفاظ نہ تھے جو ان کے کرب کو بیان کر سکتے۔ شاہدہ بھی آسیہ بانو کے سامنے خود کو مجرم محسوس کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

لائبہ کی شادی اقبال صدیقی سے ہوگئی۔ اس کی ڈولی یوں وداع ہوئی تھی جیسے کسی جنازے کو رخصت کیا جاتا ہے۔ لائبہ کے لئے سرخ سہاگ کا جوڑا کسی کفن کی طرح تھا اور گھر میں گونجتی شہنائیوں کی آواز میں اسے اپنے گھر والوں کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ نکاح سے پہلے افتخار فاروقی اکیلے میں لائبہ سے بات کرنے آئے تھے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ آج جب وہ اس دہلیز سے قدم باہر نکالے گی تو اسی وقت سے اس گھر اور اس گھر کے مکینوں سے اس کا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔

اور لائبہ نے کڑے ضبط سے گزرتے ہوئے یہ شرط بھی منظور کر لی۔

اس گھڑی افتخار فاروقی کو بہت افسوس ہوا۔ وہ خود اپنی نگاہوں میں گر گئے تھے۔ وہ شاید انسان سے بڑھ کر کچھ اور ہوتے تو ایک مرتبہ خدا کے روبرو کھڑے ہو کر یہ پوچھنے کی جسارت ضرور کرتے کہ آخر انہوں نے اپنی زندگی میں وہ کون سا گناہ کیا تھا کہ جس کے سبب آج وہ لائبہ جیسی بیٹی کے باپ کہلانے پر مجبور تھے؟

مگر وہ جانتے تھے کہ وہ ایسے کسی بھی اختیار سے محروم ہیں۔ اس لئے سوال کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ انسان کے لئے شاید موت بھی اتنی اذیت ناک نہیں ہوتی، جتنی زندگی کا وہ موڑ کہ جہاں انسان بے بس و لاچار ہو جائے اور اپنی اس بے بسی و لاچاری کا احساس اسے پوری شدت سے ہو۔ افتخار فاروقی آج زندگی کے ایک ایسے ہی موڑ پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ شاید اسی لئے آنکھیں نم تھیں۔

رخصتی کے وقت وہ صرف ایک آخری بار باپ کے سینے سے لگ کر رو لینا چاہتی تھی، اپنی ماں کے قدموں سے لپٹ جانا چاہتی تھی اور اپنی بہنوں سے صرف اتنا کہنا چاہتی تھی کہ وہ مجبور تھی مگر سب کے سرد رویوں نے جیسے اُس کے تمام حوصلے پسپا کر دیئے اور اپنی حسرتوں کی لاش کاندھوں پر اٹھائے وہ اس دہلیز کو عبور کر گئی اور بہت سے لوگوں کی زندگی کی خاطر لائبہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس شخص کے ساتھ چلی آئی جسے وہ خود ٹھیک سے جانتی بھی نہ تھی، جس کے لئے کسی پل نہ دل دھڑکا اور نہ کوئی اُمنگ جاگی، جس کی خاطر اُس کی آنکھوں نے کبھی خواب دیکھے اور نہ ہی ان کی تعبیر کے لئے دن رات دعائیں مانگیں۔ اس کے لئے یہ رشتہ وہ راستہ تھا جس پر چلنے کا مقصد اپنوں کو اس تاریکی سے دور کر دینا تھا جو لائبہ کی زندگی کو اپنے حصار میں لے چکی تھی۔

لائبہ اس وقت سہاگ کی سیج پر بیٹھی تھی مگر دل میں کچھ پا لینے کی خوشی تھی اور نہ ہی سب کچھ لٹا کر کسی دل کو تسخیر کر لینے کی تمنا...... یوں بھی لٹے ہوئے قافلوں کے بچے ہوئے مسافر پناہ کی تلاش میں بھٹکتے ہیں اور اس تلاش کے بعد انہیں جھونپڑی میسر آئے یا محل، دونوں ان کے لئے یکساں اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ اکثر ان کے سامان کے ساتھ وہ خواب اور خواہشات چوری ہو جاتی ہیں جو کسی ہاتھ کی چوڑی، لال جوڑے یا کسی نوزائیدہ بچے کے لئے بُنے گئے اون کے سوئٹر کی صورت میں بہت سنبھال کر رکھی گئی ہوتی ہیں۔

لائبہ کی حالت بھی کچھ ایسی تھی۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھی، تبھی اقبال کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ نہ خود میں سمٹی اور نہ ہی گھونگھٹ میں چہرہ چھپا کر اُنہیں ترسایا۔ اقبال بیڈ پر عین اس کے سامنے آبیٹھے۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی گویا وہ انسان نہ ہو بلکہ پتھر کی مورت ہو۔

اقبال اُسے اپنے بارے میں بتانے لگے کہ ان کی بیٹی بہت چھوٹی تھی جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد کوئی ملا ہی نہیں جس کو ٹوٹ کر چاہنے کی خواہش خود بخود دل میں جنم لے، اس لئے اپنی زندگی میں کسی کو شامل نہیں کیا اور نجانے کیوں تمہیں دیکھتے ہی دل میں بڑی شدت سے تمہارا ساتھ پانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی وہ نجانے کیا کچھ کہتے رہے مگر لائبہ ان رشتوں کے متعلق سوچ رہی تھی جو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ اُس نے صرف سنا تھا کہ اقبال صدیقی کی بیٹی ہے جس سے انہیں بے حد محبت ہے اور اس نے اپنی مرضی سے چند دن پہلے لندن میں شادی کر لی ہے اور جلد اُس کا پاکستان لوٹنے کا ارادہ ہے۔ اتنا کچھ کہنے کے بعد اقبال صدیقی نے اس کی جانب دیکھا تو لائبہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''لائبہ، کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھا۔

''اقبال...... میری زندگی دُکھوں کے پل صراط سے کچھ اس انداز میں گزری ہے کہ میں خوشی کا مطلب تک بھول گئی ہوں اور میں یہ بھی بتا دوں کہ میرے بے شمار غموں میں غم محبت شامل نہیں کہ میں تمام عمر اپنی خوشیوں اور فرائض کو پس پشت ڈال کر اس کا ماتم مناتی رہوں۔'' اُس نے اقبال کے چہرے کے تاثرات بگڑتے ہوئے دیکھ لئے تھے اور اس سے قبل کہ وہ اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر کے کسی غلط فہمی کا شکار ہوتے، اُس نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں ٹھہرے کئی سوالات ان کی ایک مطمئن سی مسکراہٹ میں سمٹ آئے۔

انہوں نے نرمی سے لائبہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''بلیو می، اب میں تمہاری زندگی میں کوئی دکھ نہیں آنے دوں گا۔'' وہ محبت سے چور لہجے میں بولے اور لائبہ کی نگاہیں جھک گئیں۔

☆......☆......☆

افتخار فاروقی کا گھرانہ اس وقت غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس پر ستم یہ کہ برادری والے اچانک اور کئی گنا بڑے شخص سے شادی پر بے شمار باتیں بنا رہے تھے۔ کچھ طنز کر رہے تھے، کچھ عجیب و غریب سوالات...... اور کچھ بڑے انہیں اپنے اپنے انداز میں جتا رہے تھے کہ لائبہ نے برادری سے باہر جو شادی کی ہے، اُس کی سزا یہی ہے کہ برادری کے اصول کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا برادری سے رشتہ ختم کر دیا جائے۔ جواباً افتخار فاروقی نے انہیں یقین دلایا کہ اب لائبہ ان کے لئے صرف ایک اجنبی ہے۔ تب جا کر وہ مطمئن ہوئے۔

اِدھر لائبہ کی نئی زندگی شروع ہو چکی تھی۔ محل نما گھر اور ڈھیروں آسائشوں کے ساتھ اس گھر میں کیا نہیں تھا مگر پھر بھی وہ خوش نہ تھی کیونکہ ان سب چیزوں کی تو اسے کبھی خواہش ہی نہ رہی تھی۔ بہر حال اس نے خود کو اس نئی زندگی میں اس قدر مصروف کر لیا کہ اقبال صدیقی کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی۔

لائبہ نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ تمام زندگی اسی چھت کے نیچے گزار دے گی مگر قسمت کو ابھی اس کی کئی آزمائشیں مقصود تھیں، تبھی اچانک اس کے سامنے افتخار فاروقی کی بیٹی کے روپ میں زوباریہ آکھڑی ہوئی تھی۔ دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر لائبہ کو زبردست دھچکا لگا۔ ایک اس کی سہیلی تھی جس نے کالج تک اس کے ساتھ پڑھا تھا اور دوسرے اس کے شوہر کے روپ میں احمر موجود تھا۔ یہ وہی احمر تھا جس نے لائبہ کو بے عصمت کیا تھا۔

لائبہ نے خود پر کنٹرول رکھا اور ملنے کی غرض سے خلوص کے ساتھ بانہیں پھیلائے اس کی جانب بڑھی مگر اس نے چند قدم کے فاصلے پر ہی لائبہ کو روک دیا اور قدرے حقارت سے گویا ہوئی۔ ''تو وہ تم ہو جس نے میری ماں کی جگہ لی ہے؟'' اس کا سوال نفرت سے بھرپور تھا۔

''یہ سوال تم اپنے پاپا سے کرو کیونکہ یہ جگہ انہوں نے مجھے اپنی مرضی سے دی ہے۔'' وہ جواباً تحمل سے بولی۔

''وہ تو صرف تمہاری خوبصورتی اور وفا کی چاہ میں انہوں نے تمہیں یہ جگہ دے دی ہے، جس کے تم لائق نہیں۔ میں تم جیسے چھوٹے گھرانے کی لڑکیوں کو خوب جانتی ہوں جنہیں امیر لوگوں کو پھنسانے کے سارے گُن آتے ہیں۔'' اس نے تمام لحاظ داری بالائے طاق رکھ کر، کسی سابقہ رشتے کا احساس کئے بغیر لائبہ پر الزامات کی بھرمار کر دی۔

احمر کو دیکھ کر لائبہ کا خون کھول اُٹھا تھا۔ بس نہ چل رہا تھا کہ اسے قتل کر ڈالے مگر مجبور تھی اور اس کی مجبوری زوباریہ تھی، جو احمر کی بیوی بننے سے قبل اقبال صدیقی کی بیٹی تھی جس سے ماضی میں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے اپنے حواس قائم رکھے ہوئے تھی۔ اس پر زوباریہ کی کڑوی باتیں اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھیں...... تبھی وہ چیخ اُٹھی۔ ''پلیز زوباریہ، میرے ضبط کو مت آزماؤ ورنہ میری زبان کچھ ایسے حقائق بیان کر دے گی جو کئی رشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بن سکتی ہے اور پھر شاید تم وہ بھی جان جاؤ جو کوئی نہیں چاہتا کہ تمہیں معلوم ہو۔'' اس نے اتنا کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

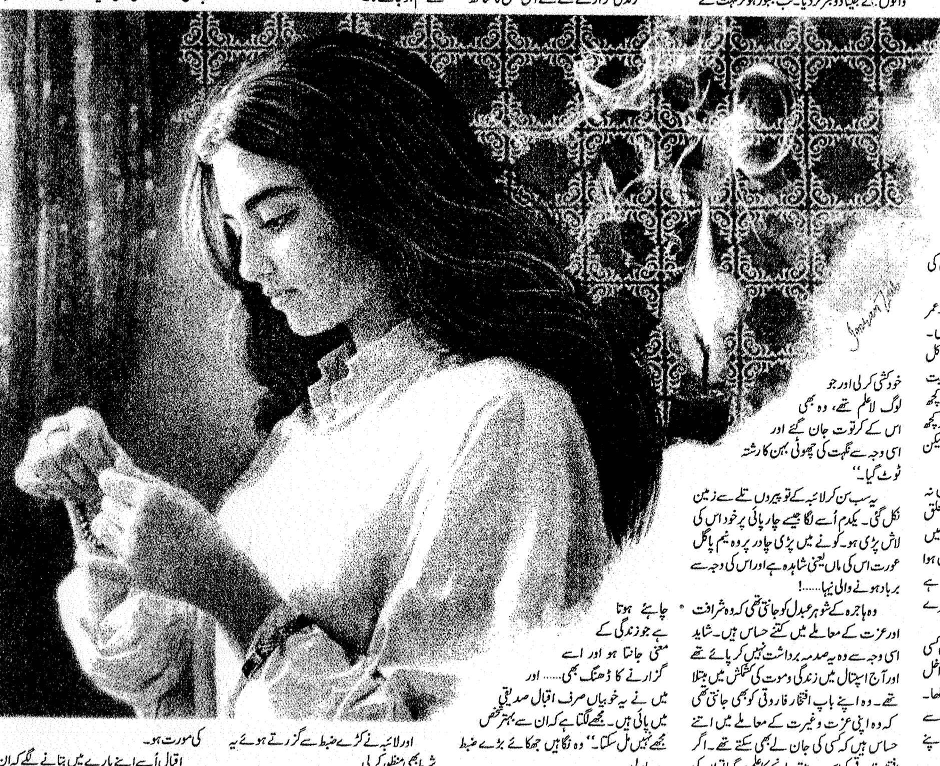

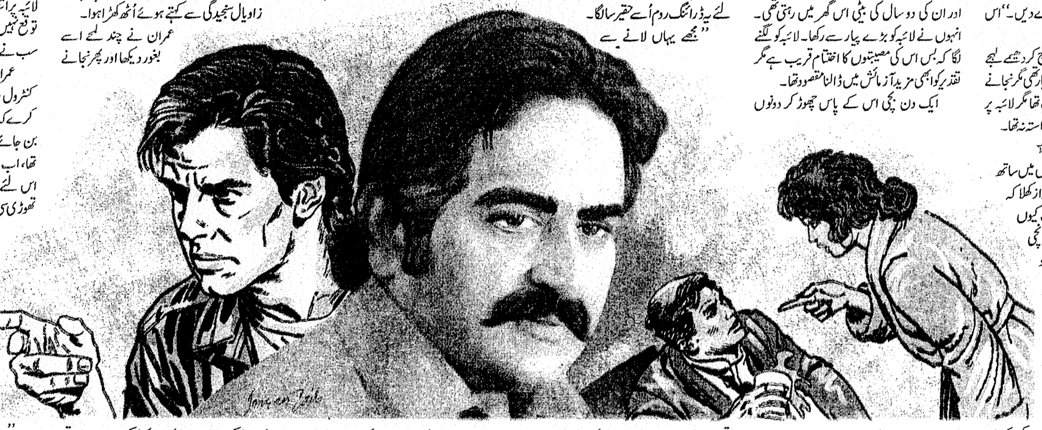

زوباریہ اپنی جگہ حیران و پریشان سی کھڑی تھی جبکہ احمر کی رنگت اُڑ چکی تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ رات کو لان میں ٹہل رہی تھی۔ چاند کی روشنی کچھ اس انداز سے پھول، پودوں اور گھاس پر پڑ رہی تھی کہ ہر شے چاندنی میں نہائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، تبھی احمر لان میں چلا آیا۔ لائبہ نے اسے سامنے دیکھا تو رگوں میں خون کے بجائے نفرت کی آگ دوڑنے لگی۔ ”تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟“ وہ اس کے روبرو کھڑی غصے سے پوچھ رہی تھی۔

”میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”جو تم نے میرے ساتھ کیا، اس کے بعد کیا تم خود کو اس لائق سمجھتے ہو کہ میں تمہاری کوئی بات سنوں؟“ لائبہ کے لہجے میں حقارت تھی۔

”دیکھو لائبہ، جو ہوا وہ جان بوجھ کر نہیں ہوا۔ اس دن گھر میں، میں تنہا تھا، ایسے میں تم سامنے آگئیں اور تمہارے حسن نے مجھے بے اختیار کر دیا۔ مجھ سے غلطی ہوگئی مگر جو ہونا تھا، وہ ہو چکا اور ویسے بھی اب افسوس کی گنجائش نہیں کیونکہ تمہارے نقصان کی تو تلافی ہوگئی۔ آج تم شہر کے ایک نامور بزنس مین کی بیوی ہو اور تمہیں کیا چاہئے؟“ احمر نے گویا اسے اس معاملے کا روشن پہلو دکھانے کی کوشش کی۔ شاید وہ اسے مثبت طریقے سے سوچنے پر مجبور کر کے خود کو بچانا چاہتا تھا۔

”یہ مجھے پتہ ہے، سانپ کی فطرت ڈسنا ہوتی ہے، اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھے متاثر کرنے کے بجائے کام کی بات کرو۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم زوباریہ سے کچھ نہ کہو اور میں بھی اپنے سسر سے کبھی اس رشتے کا ذکر نہیں کروں گا جو اچانک جڑ گیا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ماضی کا یہ تعلق تمہارے لئے عذاب بن جائے اور میرے سسر تمہیں طلاق دے دیں۔“ اس کا انداز دھمکانے والا تھا۔

”اوکے فائن۔“ اس نے کچھ سوچ کر دھیمے لہجے میں کہا۔ گویا وہ اس کا ساتھ دینے کو تیار تھی مگر نجانے کیوں احمر کے دل میں اب بھی شک تھا مگر لائبہ پر یقین کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

اقبال صدیقی، لائبہ کو اکثر پارٹیوں میں ساتھ لے کر جانے لگے اور تب لائبہ پر یہ راز کھلا کہ اقبال کو اس عمر میں شادی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اونچی سوسائٹی میں شریف لوگ اپنی بیویوں کو دوسرے مردوں کی خواہشات کی نذر کر کے امیر سے امیر تر بننے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ لائبہ نے اتنا سمجھوتہ ضرور کر لیا تھا کہ وہ غیر مردوں کے لئے مسکرانے لگی، ان کے منہ سے اپنے حسن کے قصیدے سننے لگی، جو اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ بس اس سے آگے اس نے کبھی کسی کو نہیں بڑھنے دیا تھا جبکہ اقبال کو یقین تھا کہ اگر وہ تھوڑے سے اخلاق کا مظاہرہ کرے تو وہ راتوں رات شہر کے سب سے بڑے آدمی بن سکتے ہیں اور اسی بات کو ایک پارٹی سے لوٹ کر اقبال نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر جیولری اُتارتی لائبہ پل بھر کے لئے ساکت ہوگئی مگر اگلے لمحے آ کر ان کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔ ”آپ دولت کے لالچ میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ اب آپ کو میں، بیوی کے بجائے، ہر بند تالے کی چابی اور دولت حاصل کرنے کا ذریعہ دکھائی دیتی ہوں۔ آپ شاید یہ بھی بھول چکے ہیں کہ میں ایک انسان ہوں، کٹھ پتلی نہیں۔ اقبال صاحب، میں ایک عورت ہوں جو گھر بنانے کی تمنا رکھتی ہے اور اس گھر کے در و دیوار سے دیوانوں کی طرح پیار کرنا چاہتی ہے، جو کھانا اپنے شوہر کو پیش کرتی ہے اور اس کی تعریف سننا چاہتی ہے...... میں یہ بات غیر مردوں سے نہیں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں کہ مجھ پر کون سا رنگ اچھا لگتا ہے، کھلے بال مجھ پر اچھے لگتے ہیں یا نہیں اور......“ وہ بڑے جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔

تبھی اقبال نے اس کی بات قطع کر دی۔ ”او پلیز لائبہ، یہ مڈل کلاس لوگوں کی طرح سوچنا چھوڑ دو کیونکہ مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔“ وہ کوٹ اُتارتے ہوئے بیزاری سے بولے۔

”عورت چاہے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہو، اُس کا سوچنے کا انداز ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ یہی اس کا اصل، یہی اُس کی فطرت ہے۔ پلیز اقبال، مجھے بخش دیں۔ میں اب محفلوں کی رونق بن کر نہیں جینا چاہتی۔“ وہ اُلجھی تھی۔

”ٹھیک ہے تو پھر تم بہت آسانی سے مجھ سے طلاق لے سکتی ہو۔“ وہ پتھریلے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

لائبہ پر تو بجلیاں گر گئیں۔ وہ حیرت سے اقبال کو دیکھ رہی تھی جن کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اُسے اپنی نگاہوں میں گرا رہے تھے۔

”میں نے تم سے شادی اس لئے کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو فائدہ میں تم سے جائز رشتہ رکھ کر اُٹھا سکتا ہوں، وہ تم مجھے سیکرٹری بن کر نہیں دے سکتیں اور سچ کہوں تو یہ آئیڈیا میرا نہیں احمر کا تھا۔“ وہ مسکرائے۔

کتنی مکروہ مسکراہٹ تھی۔ لائبہ کو کراہیت آنے لگی مگر آنکھوں میں حیرت تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ احمر اور اقبال کا کیا رشتہ ہے۔ اقبال نے اس کی آنکھوں میں سوال پڑھ لیا تھا، شاید اسی لئے خود ہی جواب دینے لگے۔ ”احمر کی فیملی سے میرے اچھے مراسم ہیں، اس کا باپ اکثر ملک سے باہر رہتا ہے، اس لئے وہ میرے بہت قریب ہے، اس نے جو تمہارے ساتھ کیا، وہ اس نے مجھے بتا دیا تھا اور اسی لئے میں نے تمہیں پرپوز کیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ہر چھوٹے گھرانے کی لڑکی کی طرح تم بھی اپنے گھرانے کو بدنامی سے بچانے کے لئے بخوشی قربان ہو جاؤ گی اور تم نے ایسا ہی کیا۔“ وہ اُسے بتا رہے تھے۔

لائبہ سناٹے میں آگئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی نئی زندگی کے پیچھے اتنی بدصورت حقیقت ہے۔

☆......☆......☆

لائبہ نے زوباریہ کو حقیقت بتانے کی کوشش کی تھی مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ لائبہ کی کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ لائبہ کو اقبال جیسے بے غیرت و چالباز شخص سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے پارٹیز میں جانا چھوڑ دیا۔ دنیا سے کٹ کر رہنے لگی۔ اقبال کو وہ گھر میں پڑی بیکار شے لگنے لگی اور ایک دن اس نے بڑے آرام سے طلاق نامہ اس کے ہاتھ میں تھما کر گھر کے باہر کا راستہ دکھا دیا۔

وہ اپنے گھر لوٹ نہیں سکتی تھی، اس لئے اپنی ایک سہیلی شفق کے گھر چلی گئی۔ وہ دونوں میاں بیوی اور ان کی دو سال کی بیٹی اس گھر میں رہتی تھی۔ انہوں نے لائبہ کو بڑے پیار سے رکھا۔ لائبہ کو لگنے لگا کہ بس اس کی مصیبتوں کا اختتام قریب ہے مگر تقدیر کو ابھی مزید آزمائش میں ڈالنا مقصود تھا۔

ایک دن بچی اس کے پاس چھوڑ کر دونوں میاں بیوی مارکیٹ گئے تو ایک تیز رفتار بس کے نیچے آ کر موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ دونوں کا کوئی رشتہ دار نہ تھا اور تھا تو لائبہ انہیں نہ جانتی تھی، اس لئے اس نے بچی کی ذمہ داری خود ہی اُٹھالی مگر ابھی چند دن گزرے تھے کہ اُسے پتہ چلا کہ جس گھر میں شفق رہ رہی تھی، وہ کرائے کا تھا اور مالک مکان کو مکان خالی چاہئے تھا کیونکہ وہ اس میں اپنے چند رشتے داروں کو بسانا چاہتا تھا۔ سو مجبوراً لائبہ کو اس معصوم سی بچی کے ساتھ گھر بھی چھوڑنا پڑا۔

☆......☆......☆

لائبہ کو بدقسمتی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اس کا سب سے بڑا مظہر مہوش بیگم تھیں جن کے دروازے پر اس نے دستک تب دی۔ جب اس معصوم بچی کے لئے اس کے پاس ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں وہ اسے سردی سے بچا سکتی اور پھر بھوک بھی اس بچی کی برداشت سے باہر تھی۔ اُس نے مہوش بیگم کو اکثر اسپتال یا یتیم خانوں میں جاتے دیکھا تھا۔ وہ ایک ہمدرد اور خدمت گزار سوشل ورکر تھیں۔ یہ مہوش کی شخصیت کا وہ پہلو تھا جس سے سارا زمانہ واقف تھا مگر درحقیقت وہ ایک سپلائر تھی، جس کا کام بھولی بھالی لڑکیوں کو پھانس کر بڑے بڑے ہوٹلوں اور کوٹھیوں تک پہنچانا تھا۔ مہوش نے لائبہ کو دیکھ کر اتنا تو اندازہ کر لیا تھا کہ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر لائبہ یہ سب نہیں کرے گی لیکن وہ اس سے اور دوسرے کام لے سکتی تھی۔ اس لئے اس نے لائبہ کو کمزور کرنے کے لئے بچی کو مہرہ بنایا۔

ایک صبح جب لائبہ کی آنکھ کھلی تو وہ بچی مونا اس کے پاس نہ تھی۔ وہ گھبرا گئی، تب مہوش بیگم نے اس کے سامنے شرط رکھی کہ اگر وہ بچی کو زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو اُسے وہی کرنا ہوگا جو وہ چاہتی ہے۔

لائبہ اپنی سہیلی شفق کی بڑی احسان مند تھی کیونکہ اس نے تب پناہ دی تھی جب سب نے اس کے لئے اپنے دروازے بند کر دیئے تھے اور آج ان احسانوں کا بدلہ چکانے کا موقع آیا تھا۔ اس لئے وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ سو اس نے مہوش بیگم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

☆......☆......☆

مہوش بیگم اُسے وقتاً فوقتاً شہر لے جاتیں، اُسے اپنی بیٹی ظاہر کرتیں۔ ایک اچھے گھرانے میں اس کی بات چلاتیں، یہاں تک کہ نوبت منگنی تک آجاتی۔ پھر جتنا انہیں لوٹ سکتیں، لوٹتیں اور پھر بالآخر کوئی نہ کوئی جواز ایسا تراشتیں کہ بات منگنی ٹوٹنے تک پہنچ جاتی۔ وہ اس خاندان کی کوئی ایسی کمزوری ضرور تلاش کر لیتیں جس کے ذریعے وہ انہیں بلیک میل کرتیں اور منہ بند کرنے کے منہ مانگے دام لیتیں۔

لائبہ نے اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے لائبہ سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی ایسا کام کروانے کی کوشش کی، جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہوا تو وہ مونا کی بھی پروا نہیں کرے گی اور اپنی جان دے دے گی۔ مہوش بیگم اس کے ارادوں کی مضبوطی سے اچھی طرح واقف ہوگئی تھیں، اس لئے انہوں نے اسے مجبور کرنا ضروری نہ سمجھا۔ یوں بھی لائبہ کے ذریعے اچھی خاصی دولت آرہی تھی، اس لئے زبردستی فضول تھی۔

☆......☆......☆

عمران، چونکہ مہوش بیگم کا وکیل تھا، اس لئے لائبہ اس سے شناسا تھی مگر سلام و دعا کے علاوہ ان کے درمیان کبھی کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی، اسی کے توسط سے زاویال پہلی بار مہوش بیگم کی کوٹھی میں آیا تھا۔ وہ کتنے دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، یہ جان کر انہوں نے تمام خوبصورت لڑکیوں کا حصار اس کے گرد کھینچ دیا۔

لائبہ نے صاف منع کر دیا کہ وہ اس کے سامنے نہیں جائے گی۔ مہوش بیگم اس کے انکار پر برہم تو ہوئیں مگر فی الوقت وہ اُسے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھیں۔

شاندار سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے زاویال نے قدرے تنقیدی نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ خود محل نما گھر میں رہتا تھا، اس لئے یہ ڈرائنگ روم اُسے حقیر سا لگا۔

”مجھے یہاں لانے سے قبل میرا مقصد اور اسٹینڈرڈ تو دیکھ لیتے کیونکہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے جہاں جانور بھی نسل دیکھ کر رکھے جاتے ہیں اور عمران، میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے تھوڑی شریف لڑکی چاہئے جسے میں اپنی فیملی کے ساتھ رکھ سکوں۔“ زاویال نے دھیمی مگر قدرے غصیلی آواز میں کہا۔

”جن شرائط پر تم شادی کرنا چاہتے ہو، اُسے وہ عورت مان سکتی ہے جو تم سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہو یا وہ جو دولت کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ ایسا اس چار دیواری میں موجود لڑکیاں کر سکتی ہیں اور ویسے بھی تم یہی چاہتے ہو نا کہ ایسی لڑکی سے شادی کرو کہ جس کی اصلیت سامنے آنے پر تمہارے خاندان کی شرافت کو زبردست جھٹکا لگے۔ وہ اپنی عزت بچانے کے لئے تمہیں اس لڑکی سے تعلق ختم کرنے پر مجبور کریں اور تب تم انہیں اس موڑ پر لا کھڑا کرو جہاں اپنی عزت کو تمہاری پسند جولیا پر قربان کر دیں اور پھر تم اس کے ساتھ شادی کر سکو۔“ عمران نے جیسے اُسے یاد دلایا۔

”ہاں تو......؟“ زاویال نے کہا۔

”پھر تم منزل پر نگاہ رکھو، تمہیں اس سے کیا غرض کہ راستہ کیسا ہے۔“ اس نے زاویال کو سمجھایا۔

”بے شک منزل مجھے ملنی ہے مگر میرے ساتھ اس راستے پر چلنے والے بہت لوگ ہیں جن کو میں اپنے ساتھ غلاظت بھرے راستے پر نہیں چلا سکتا، جو ہو جیسی ہو مگر مجھے اس بات کی گارنٹی چاہئے کہ اس کی رگوں میں کسی شریف خاندان کا خون ہے اور یہ اس لئے کہ میں اطمینان سے اسے اپنے گھر والوں کے درمیان رکھ سکوں۔“ زاویال سنجیدہ تھا۔

تب وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر ایکدم چونکا۔ ”ایک لڑکی ایسی ہے جس کی شرافت کی گارنٹی مہوش بیگم بھی دیتی ہے اور کافی حد تک میں بھی اس سے واقف ہوں، باقی کسی کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“ اس نے تسلی دی۔

”ٹھیک ہے مگر میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ زاویال اب بھی سنجیدہ تھا۔

”ضرور مگر ذرا احتیاط سے۔“ وہ مسکراتے ہوئے تاکید کرنے لگا۔ زاویال اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

☆......☆......☆

مہوش بیگم کی خاص ملازمہ زاویال کو لائبہ کے کمرے کے دروازے تک چھوڑ گئی۔ زاویال نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اس کی پہلی نگاہ ہی زاویال کو ساکت کر گئی۔ زاویال اس سے ہرگز متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ اُسے تو اُس منظر نے چونکایا جو آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس چار دیواری میں کسی کو اس کا گمان تک نہ ہو سکتا تھا۔ لائبہ جائے نماز پر آنکھیں موندیں ہاتھ اُٹھائے دعا کی حالت میں بیٹھی تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ بہت پُرنور دکھائی دے رہا تھا۔

زاویال نے فوراً دروازہ بند کر دیا اور کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھا۔ اب وہ تلاوت کر رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بڑی تاثیر تھی۔

زاویال جیسے آیا تھا، ویسے ہی واپس چلا گیا۔ اس کے تمام گمان دور ہو چکے تھے اور پھر وہ ”سکندر ولا“ میں دلہن بن کر آگئی اور اب تک بڑی کامیابی سے ڈرامہ کر رہی تھی۔ مگر اب زاویال کا رویہ اسے بڑا توہین آمیز لگتا۔ اُسے اپنی دولت کا کچھ زیادہ ہی غرور تھا۔ لائبہ واپس ہال میں لوٹ آئی۔ بہت سے مسائل تھے جنہیں حل کرنا تھا مگر سب سے پہلے اور ضروری زاویال سکندر کی عقل ٹھکانے لگانا تھا۔ اس نے فقط اپنے باپ کا سر اونچا رکھنے کے لئے خاندان کو بدنامی سے بچانے کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا اور آج زاویال سکندر نے کتنے آرام سے اس کی شرافت کو گالی دی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ پہلے اُسے سزا دی جاتی، احساس دلایا جاتا کہ زمین پر اکڑ کے چلنے والے منہ کے بل گرتے ہیں۔

☆......☆......☆

صبح بڑی قیامت خیز تھی کیونکہ لائبہ گھر سے غائب تھی۔ سب کے سب ہال میں جمع تھے۔ زاویال کو تو اب لائبہ کی باتوں کا مطلب سمجھ میں آرہا تھا۔ وہ مہوش بیگم سے بھی معلوم کر چکا تھا مگر لائبہ وہاں بھی نہ تھی۔

بیگم جہاں آراء نے اس کی جانب دیکھا۔ ”تم کل رات جس موڈ کے ساتھ کمرے میں گئے تھے، یقیناً تم نے اس کے ساتھ کچھ ایسا سلوک کیا ہے جو اس سے برداشت نہیں ہوا ورنہ معمولی باتوں پر کوئی گھر چھوڑ کر نہیں جاتا۔“ انہیں اپنے بیٹے پر بہت غصہ آرہا تھا۔

جواباً وہ بھڑک اُٹھا۔ ”مما آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہی ہیں کہ وہ گھر چھوڑ گئی ہے۔ اگر وہ گھر چھوڑ کر جاتی تو سامان ساتھ لے جاتی۔ آپ فکر نہ کریں، وہ آجائے گی۔“ وہ بیزاری سے بولا۔

”چوکیدار نے اُسے فجر کے وقت جاتے دیکھا تھا یعنی اب تک اُسے گئے ہوئے کئی گھنٹے ہو گئے ہیں۔“ وہ بے حد فکرمند تھیں۔ رہ رہ کر انہیں خیال آرہا تھا کہ کہیں اس نے خودکشی نہ کر لی ہو کیونکہ دکھ کی کیفیت میں سمجھدار سے سمجھدار انسان بھی اکثر ایسا قدم اُٹھا بیٹھتا ہے۔

زاویال، عمران سے ملنے چلا گیا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی پرابلمز کے حل کے لئے اسی کے پاس بھاگتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت معاملہ فہم تھا۔

بیگم ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی اور عمران اخبار پڑھنے میں مشغول تھا۔ صبح سویرے زاویال کو اپنے گھر دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

”خیریت یہ آج موصوف کی تشریف آوری اس وقت کیسے ہوگئی؟“ پھر وہ جواب سنے بنا بولا۔ ”کیوں بیگم آج بھی سورج مشرق سے ہی طلوع ہوا ہے نا یا نہیں۔“ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

بیگم بھی مسکرادی۔ پھر وہ زاویال کے لئے ناشتہ لینے چلی گئی اور زاویال جو اس کی موجودگی میں خاموش تھا، پھٹ پڑا۔ ”میں تم سے کہتا تھا نا کہ اس قسم کی لڑکیاں قابل بھروسہ نہیں ہوتیں مگر تم اس کی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گھر سے بھاگ گئی ہے، اکیلے یا کسی کے ساتھ، اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔“ وہ حقارت سے بولا۔

عمران کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ لائبہ کے متعلق بات کر رہا ہے۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”او، یہ تو بہت برا ہوا۔ بائی دا وے کیا کچھ لے گئی ہے۔ میرا مطلب زیورات، پیسہ وغیرہ سے ہے۔“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے زاویال کو دیکھا۔

”نہیں کچھ بھی نہیں لے گئی، یہاں تک کہ اپنی ذاتی چیزیں بھی چھوڑ گئی۔“ زاویال نے سچائی سے کہا۔

”اس کے باوجود اس کی شرافت پر شک ہے؟“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”ہوسکتا ہے وہ لے جانا بھول گئی ہو یا پھر ہمارے گھرانے سے اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتی ہو اور بس موقع کی منتظر ہو۔“ وہ اس کے لئے مثبت انداز میں نہ سوچنے کی قسم کھائے ہوئے تھا۔

عمران نے اُسے تاسف سے دیکھا مگر زاویال پر اثر نہ تھا۔ اُسے پتہ تھا کہ خواہ وہ اُسے کچھ بھی کہے، اس کی مدد ضرور کرے گا۔

”ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اپنے گھر والوں کے سامنے ان کی فرماں بردار اور شریف بہو کی اصلیت ظاہر کر دو۔ انہیں یقیناً تمہارے پلان کے مطابق زبردست دھچکا لگے گا اور وہ دوبارہ لائبہ کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہیں گے۔ وہ تمہیں اس کو طلاق دینے پر مجبور کریں گے اور تب تم ان کے سامنے شرط رکھنا کہ اگر انہیں ایک ایسی عورت سے نجات چاہئے کہ جس کی اصلیت دنیا کے سامنے آنے پر وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں تو انہیں جولیا کو قبول کرنا ہوگا جو غیر مسلم سہی مگر اس کا تعلق ایک اونچے گھرانے سے ہے جبکہ لائبہ کا رشتہ ایک بدنام زمانہ عورت سے ہے۔“ وہ تاسف سے بولا۔

”میرا خیال ہے ہمیں فضول گفتگو میں وقت ضائع کرنے کے بجائے لائبہ کو ڈھونڈنا چاہئے۔“ زاویال سنجیدگی سے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

عمران نے چند لمحے اسے بغور دیکھا اور پھر نجانے کیوں مسکرادیا۔ زاویال کو اس کی مسکراہٹ بے موقع لگی مگر وہ کچھ نہیں بولا یا شاید اس وقت وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

عمران اور زاویال کو لائبہ کی تلاش میں بھٹکتے صبح سے شام ہوگئی مگر وہ کہیں نہ ملی۔ زاویال نے اسے کئی مرتبہ فون کرنے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ اس نے لائن کاٹ دی۔ گویا وہ اس سے بات ہی نہ کرنا چاہتی ہو۔ زاویال چڑ گیا اور عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

”دیکھا جان بوجھ کر میرا فون نہیں اٹھا رہی ہے۔“ زاویال کا لہجہ بہت غصیلہ تھا۔ وہ ویسے بھی رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اگر غصہ اس کے دماغ پر حاوی ہو جاتا تو یقیناً کسی حادثے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس پر ٹریفک کا اژدھام...... اس لئے عمران نے کافی کے بہانے ایک ریسٹوران کے سامنے کار رکوالی۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک شاندار ریسٹوران میں داخل ہو رہے تھے۔ عمران نے ایک ٹیبل منتخب کی اور ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا، تبھی جہاں آراء کا فون آگیا۔

زاویال نے فون، سنے بنا کاٹ دیا۔

”کیا بات ہے، فون کیوں کاٹ دیا؟“ عمران نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”مما کا تھا، صبح سے ایک ہزار مرتبہ پوچھ چکی ہیں کہ ان کی بہو کہاں ہے؟ اب میں انہیں کیا کہوں کہ میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟“ وہ بیزاری سے بولا۔

اس سے پہلے کہ عمران جواب دیتا، پھر سے زاویال کا فون بج اٹھا اور لائبہ کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً موبائل آن کیا۔

”لائبہ تم کہاں ہو؟ اور یہ کیا طریقہ ہے، یوں بنا بتائے گھر سے جانا، آخر یہ سب کر کے تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟“ وہ ایکدم سے برس پڑا۔ دوسری طرف لائبہ کے لہجے میں بڑا سکون تھا۔

”میں صرف یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ عزت صرف ان لوگوں کی نہیں ہوتی جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں، باقی لوگوں کو بھی عزت سے جینے کا حق ہوتا ہے۔ یہ تقدیر ہے جو انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھئے گا مسٹر زاویال کہ دولت کا قد کتنا ہی اونچا ہو، عزت سے بلند نہیں ہو سکتا۔ آپ کو لگتا ہے کہ دولت سے آپ دنیا فتح کر سکتے ہیں تو اس سچویشن کو ہینڈل کرنے کے لئے اپنی دولت کا سہارا لیجئے کیونکہ انسانوں سے مدد مانگنے کے لائق کوئی تب تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کو عزت دینا نہیں سیکھ لیتا۔“ اتنا کہہ کر لائبہ نے فون بند کر دیا اور نجانے کیوں زاویال ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا حالانکہ کہنا بہت کچھ چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

عمران نے زاویال کو معاملے کی نزاکت کا احساس دلا کر بڑی مشکل سے لائبہ سے ”سوری“ کہنے کے لئے تیار کیا تھا اور خود ہی لائبہ کو فون کر کے ریسٹوران میں آنے کو کہا۔ جب لائبہ آئی تو زاویال کا جی چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دے یا گلا دبا دے مگر افسوس کہ وہ اس وقت اپنے آپ پر کنٹرول رکھنے پر مجبور تھا کیونکہ ابھی اسے اپنے گھر والوں کو منہ دکھانا تھا اور اب اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ لائبہ سے کچھ کہنے سے قبل کم از کم اُسے ایک مرتبہ سوچنا پڑے گا کیونکہ بہرحال غرض زاویال کی تھی، اس لئے نا چاہتے ہوئے بھی اسے اپنی فطرت کے برخلاف لائبہ کے سامنے اپنی غلطی ماننی پڑی۔

وہ لوگ جونہی گھر پہنچے، سب کی جان میں جان آئی البتہ سکندر خیام کے رویئے سے ظاہر نہ ہوا کہ وہ پریشان تھے یا مطمئن؟ بہرحال لائبہ نے بڑے آرام سے کہہ دیا کہ وہ اپنی ایک سہیلی کے پاس گئی تھی کیونکہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ تمام دن اسپتال میں اس کے ساتھ رہی۔“

اس تھوڑے سے عرصے میں سکندر ولا کے لوگ لائبہ پر اتنا اعتماد کرنے لگے تھے کہ اس سے جھوٹ کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے بنا کوئی سوال کئے سب نے اس پر یقین کر لیا۔

عمران نے اسے سمجھایا تھا کہ اب وہ خود پر کنٹرول رکھے اور لائبہ کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کرے کہ جواباً لائبہ کا ردعمل سب کی پریشانی کا باعث بن جائے۔ لائبہ نے جس طرح سے ری ایکٹ کیا تھا، اب زاویال اس سے کوئی بھی توقع کر سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ زاویال اپنے رویئے میں تھوڑی سی تبدیلی لائے۔

☆......☆......☆

رات گہری ہوتی جا رہی تھی مگر نیہا اردگرد سے بیگانہ اپنے نوٹس بنانے میں مصروف تھی، تبھی شاہدہ کمرے میں داخل ہوئیں اور اس کے پاس بیٹھ گئیں، تب نیہا چونکی۔ ”خیریت تو ہے آپ ابھی تک سوئی نہیں؟“ اُسے شاہدہ کے اس وقت تک جاگنے پر حیرت ہوئی۔

”وہ تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

نیہا نے کتابیں وغیرہ سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں اور ان کی جانب متوجہ ہوگئی۔ گویا وہ ان کی بات سننے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

”ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے کیونکہ شفقت کی والدہ بیمار رہتی ہیں، اس لئے اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ کو تمہاری شفقت کے ساتھ شادی ہو جائے گی۔“ وہ نیہا سے نگاہیں ملائے بنا بولیں۔ شاید انہیں خود احساس تھا کہ وہ نیہا کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں یا پھر انہیں اس بات پر ندامت ہو رہی تھی کہ انہوں نے جانتے بوجھتے اُسے کنوئیں میں دھکیل دیا تھا۔

”آپ نے جو کیا، اچھا ہی کیا۔ یوں بھی والدین اولاد کے متعلق کوئی بھی فیصلہ بنا سوچے سمجھے نہیں کرتے۔“ وہ سکون سے بولی اور شاہدہ کو لگا کہ جیسے وہ انہیں جتا رہی ہو کہ ماں باپ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اتنا ستم ڈھایا ہے...... مگر وہ کیا کرتیں، زندگی اتنی مشکل اور حالات اتنے بے قابو ہو گئے تھے کہ وہ چاہ کر بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ لائبہ نے ان کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا تھا کہ اب تو وہ کچھ بھی کہنے کے لائق نہ رہی تھیں۔

”امی! میں بہت حقیقت پسند لڑکی ہوں اور مجھے پوری طرح آپ کی مجبوریوں کا احساس ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ان حالات میں آپ لوگ میرے لئے اس سے بہتر فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ گمان بھی دل میں مت لائیے گا کہ آپ لوگ میری تکلیف کا سبب رہیں گے کیونکہ اگر دیکھا جائے تو ہم سبھی تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہیں۔“ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں کسی احساس جرم میں مبتلا ہو، اس لئے وہ بڑے حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر شاہدہ ماں تھیں۔ ماں جسے اولاد کی دلی کیفیت جاننے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہوں نے بے اختیار اُسے گلے لگا لیا کیونکہ اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا تھا۔

(جاری ہے)

جولیا لندن سے اُس سے ملنے آئی تھی، اسی لئے زاویال کا اکثر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔ پہلے پہل تو جہاں آراء نے کچھ نہیں کہا، مگر یہ سلسلہ طوالت اختیار کرنے لگا تو انہوں نے لائبہ کو اپنے کمرے میں بُلا بھیجا۔ لائبہ کو بڑا عجیب لگا کیونکہ وہ اس طرح تبھی بلاتی تھیں جب کسی بہت ہی اہم مسئلے پر بات کرنا ہوتی اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اتنے بہت سے نوکروں کی موجودگی میں انہوں نے لائبہ کو ثریا بھابھی کے ذریعے بلوایا تھا۔

لائبہ ان کے کمرے میں آئی تو جہاں آراء ایزی چیئر پر بیٹھی تھیں۔ ان کے دائیں جانب رکھی چیئر پر ثریا بھابھی بیٹھ گئیں جبکہ بائیں جانب والی کرسی خالی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی جہاں آراء نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چند ثانیے تک کمرے میں خاموشی رہی۔

لائبہ کو محسوس ہوا کہ جیسے اُن کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہو مگر لفظوں کے انتخاب میں دقت پیش آرہی ہو۔ کافی دیر بعد جہاں آراء کی خاموشی ٹوٹی۔ لائبہ اگر تم بُرا نہ مانو تو میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں؟" اُن کے لہجے میں ایک جھجک سی تھی۔ اُن کا یوں اجازت طلب کرنا لائبہ کو بڑا عجیب لگا کہ اس سے قبل ایسا نہ ہوا تھا۔ اس نے اپنی اُلجھن ظاہر کئے بنا نارمل لہجے میں فقط اتنا کہا۔ "آپ جانتی ہیں مجھے آپ کی کسی بات کا کبھی بُرا نہیں لگے گا، اس لئے جو کہنا ہے بے جھجک کہیے۔" لائبہ نے گویا ان کی مشکل آسان کی۔ تب جہاں آراء کو بھی حوصلہ ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا تمہارے اور زاویال کے درمیان کوئی پرابلم ہے؟"

لائبہ کے لئے یہ سوال غیر متوقع تھا، اس لئے اس کا چونک جانا عجب نہ تھا۔ بہر حال اُس نے سرعت سے خود کو سنبھالا اور نرم سی مسکان ہونٹوں پر لاکر بولی۔ "مما آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"

"کیونکہ جتنی اس وقت تمہاری عمر ہے، اس سے کہیں زیادہ میرا تجربہ ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔ "زاویال نے اپنے باپ سے بغاوت کرکے تم سے اس لئے شادی کی کیونکہ اُسے تم سے محبت تھی مگر تم دونوں کو ساتھ دیکھ کر مجھے اس جذبے کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی اس رشتے کی گہرائی محسوس ہوتی ہے اور جانتی ہو، جب اس رشتے کا رنگ وروپ ماند پڑنے لگتا ہے تو سونا خواہ کتنا ہی کھرا ہو، اگر اس میں ظاہری چمک نہ رہے تو پہننے والا اور دیکھنے والا دونوں کو خوشی محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اطمینان۔" انہوں نے سادہ سے الفاظ میں اُسے بہت کچھ باور کرادیا۔ لائبہ کو ان کی کہی ہر بات اچھی طرح سے سمجھ میں آرہی تھی مگر وہ اپنی جگہ بے بس تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ کمرے میں آئی تو زاویال موجود تھا۔ وہ شاید کہیں جانے کی تیاری کررہا تھا۔ اُس کا لباس اور انداز یہی بتارہے تھے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا، اس لئے لائبہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ چکا تھا مگر اس سے قبل کہ وہ اس سے کچھ کہتی، وہ بول پڑا۔ "جلدی سے تیار ہوجاؤ، پاپا کے ایک دوست کی ویڈنگ اینورسری ہے۔ پاپا تو آؤٹ آف سٹی ہیں لیکن ان کی تاکید ہے کہ ہم دونوں ضرور شرکت کریں۔" وہ اُسے ہدایت دیتے ہوئے بولا۔ لائبہ خاموشی سے تیاری کرنے لگی۔

ذرا دیر میں وہ زاویال کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود تھی اور گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔

لائبہ بہت خاموش اور گم صم سی تھی۔ زاویال کافی دیر سے نوٹ کررہا تھا۔ آخر پوچھ ہی بیٹھا۔ "یوں سوچ سوچ کر خود کو پریشان کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی پرابلم کسی دوسرے سے شیئر کرلی جائے۔" زاویال اپنائیت سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب اس ڈرامے کا اختتام کردینا چاہئے کیونکہ ہر گزرتا لمحہ ہم سے وابستہ رشتوں کی توقعات، خواہشات اور اُمیدوں میں اضافہ کررہا ہے جبکہ ہمارے رشتے میں امیدوں کی گنجائش نہیں۔" وہ افسردہ تھی۔

زاویال نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کہنا چاہتی ہو، صاف صاف کہو؟"

"مما مجھ سے اس خاندان کا وارث چاہتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ زاویال کو زبردست دھچکا لگا۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی اس کی مما کے دل میں بھی کوئی ایسی خواہش جگہ پاسکتی ہے۔ بہر حال اس نے کہا تو صرف اتنا کہ وہ مما کو سمجھائے گا۔

"جو بھی کیجئے مگر ان خوابوں کو تناور درخت نہ بننے دیں۔ میں پہلے ہی بہت سے لوگوں کے ارمانوں کی قاتل ہوں۔ اب مجھ سے پھر کسی کی خوشیوں کا خون نہیں ہوپائے گا۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ ایکدم روپڑی۔ اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ زاویال نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ حال میں لوٹی اور ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں اور سرعت سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اُسے یکدم احساس ہوا تھا کہ وہ جس شخص کے سامنے رو رہی ہے، وہ احساسات سے ناواقف ہے، وہ تو پتھر ہے۔

☆......☆......☆

لائبہ اور زاویال بہت ہی شاندار کوٹھی کے گیٹ کے اندر داخل ہوئے۔ لائبہ یہ سب کچھ اتنا قریب سے دیکھ چکی تھی کہ اب یہ سب چیزیں اُس کے لئے غیر اہم تھیں۔ وہ کوٹھی کے شاندار ہال میں داخل ہوئے اور باقی لوگوں کی طرح وہ ویڈنگ کپل کو وِش کرنے آگے بڑھے۔ لائبہ چکرا کر رہ گئی۔ اُس کے سامنے اقبال صدیقی اور اس کی بیس سالہ بیوی فائزہ موجود تھی۔

اقبال نے لائبہ کو سامنے دیکھا تو آنکھوں میں شناسائی جاگ اُٹھی جبکہ لائبہ کی آنکھوں میں فقط نفرت تھی...... "تو مسٹر زاویال یہ ہے آپ کی محبت، جس کی خاطر تم نے سکندر جیسے شخص سے ٹکر لے لی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ نگاہیں لائبہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"تو گویا پاپا آپ کو میری داستانِ محبت سنا چکے ہیں۔" زاویال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں سنا تو چکے ہیں مگر نجانے کیوں لگتا ہے کہ جیسے یہ کہانی ادھوری ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

لائبہ نے جواباً ناگواری سے دیکھا جبکہ زاویال سکون سے بولا۔ "انکل ادھوری کہانیاں، ادھورے رشتے کی وجہ بن سکتی ہیں مگر محبت اتنا مکمل جذبہ ہے جس پر کوئی ادھوری کہانی اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ محبت اپنے سوا کسی کو کچھ نہیں دیتی اور اپنے سوا کسی سے کچھ نہیں لیتی۔"

لائبہ کو حیرت ہوئی۔ اُسے زاویال سے اس طرح کے جواب کی توقع نہ تھی۔ بے شک وہ اسے اکثر حیران کردیتا تھا جبکہ لائبہ کبھی اپنی حیرت کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ اقبال صدیقی کچھ کہنا چاہتے تھے مگر تبھی ان کا موبائل بج اٹھا۔

وہ دونوں آگے بڑھے۔ زاویال کا رخ زوبار یہ کی جانب تھا جبکہ لائبہ کہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ چند قدم ہی آگے بڑھی ہوگی کہ احمر اس کی راہ میں حائل ہوگیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے دھیمے مگر تلخ لہجے میں کہا۔

جواباً وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "بس یہ بے رخی، یہ غصہ اور تمہارا روٹھا روٹھا سا انداز ہی تو مجھے تم کو بھولنے نہیں دیتا۔"

"میرے راستے سے ہٹو، میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی اور اگر اب تم نے میرے ساتھ کوئی فضول بات کی تو یاد رکھنا میں سب لوگوں کے سامنے تمہاری نام نہاد شرافت کا بھید کھول دوں گی کیونکہ لوگوں سے ڈرنا میں بہت پہلے چھوڑ چکی ہوں۔"

اُس کے تیور دیکھ کر احمر کی مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

☆......☆......☆

پارٹی سے لوٹتے ہی لائبہ نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے گھر فون کیا۔ وہ ایک مرتبہ نیہا کو سمجھانا چاہتی تھی تاکہ اُس کی زندگی برباد نہ ہو مگر راحیلہ نے فون اٹھایا۔ وہ اس کی آواز سن کر خوش ہوگئی۔

"لائبہ آپی کیسی ہیں آپ؟" راحیلہ نے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں مگر نیہا کہاں ہے؟" وہ جلدی سے بولی۔ جواب میں جب راحیلہ نے اُسے یہ بتایا کہ نیہا اور شفقت کی شادی ہوچکی ہے تو لائبہ پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی، ریسیور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ قالین پر بیٹھی اور پھر ایکدم سے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ زاویال اسٹڈی روم سے باہر آگیا۔ اُس نے رونے کی آواز سنی تھی۔ اب جو لائبہ کو اس حال میں دیکھا تو گھبرا گیا۔ تیزی سے اس کے قریب آکر بیٹھ گیا اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس سے بولا۔ "کیا ہوا؟"

"زا......زاویال، سب ختم، ختم ہوگیا، میری بہن کو عمر قید ہوگئی۔ وہ، وہ میری طرح برباد ہوگئی۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بول رہی تھی۔

ڈوبتا ساحل

سلمیٰ یونس

قسط : 5

زاویال کو اندازہ ہوگیا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ اُس نے لائبہ کو شانوں سے تھام کر اُٹھانا چاہا مگر لائبہ نے اُس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ "دُور رہو مجھ سے۔ میں، میں ناگن ہوں، ڈس لوں گی۔" اُس کے رونے میں مزید شدت آگئی۔ زاویال نے اسے اپنی بانہوں میں سنبھالا تو اس کا سر زاویال کے سینے پر ٹک گیا۔ وہ روتی رہی۔ زاویال نے اُسے خاموش کرانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنا سارا درد آنسوؤں میں بہادے۔

☆......☆......☆

نیہا رخصت ہوکر شفقت کے گھر آگئی۔ یہ گھر نیہا کے گھر کے مقابلے میں بڑا تھا جس میں بے شمار قیمتی سامان تھا، گھر میں دو تین نوکر بھی تھے۔ اس گھر میں شفقت اور اس کی والدہ کے علاوہ اس کے چاچا، چاچی بھی رہتے تھے جن کے دو بچے راحیل اور شگفتہ تھے جنہیں والدین نے بے جا آزادی دے رکھی تھی، اسی وجہ سے وہ بگڑ گئے تھے۔

نیہا ان لڑکیوں میں سے تھی جن کی نئی زندگی کی ابتداء کا مطلب ایک مکان سے اُٹھ کر دوسرے مکان میں چلے جانا ہوتا ہے۔ اُس کی رشتوں کی فہرست میں کچھ نئے نام شامل ہوگئے تھے اور ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں۔

شادی کی پہلی رات ہی شفقت نے اُسے جتا دیا کہ اُسے نیہا سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اسے جو چیز آسانی سے مل جائے، وہ اس کے لئے بے معنی ہوجاتی ہے۔ وہ اس گھر میں ایک سامان کی سی حیثیت رکھتی ہے۔" اس گھڑی اُسے اندازہ ہوا تھا کہ ادھوری سہاگن کا کرب کیا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

نیہا دن بھر کام کرتی، باوجود اس کے کہ اس گھر میں نوکر موجود تھے، خالی بیٹھ کر وہ کرتی بھی کیا۔ ماہ رُخ اُسے منع کرتیں مگر صوفیہ چاچی کو تو جیسے اُسے تکلیف دے کر خاص خوشی ملتی۔ ان کے لئے تو نیہا مفت کی نوکرانی تھی جس سے وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام لیتی رہتی تھیں۔ باقی چاچا فردوس تو چاچی کے ہاتھ کی کٹھ پتلی تھے۔ اس لئے ان سے ہمدردی کی اُمید فضول تھی۔ رہے شگفتہ اور راحیل تو وہ بھی نیہا کو عزت دینا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بظاہر یہ گھر ماہ رخ اور شفقت کا تھا مگر حقیقتاً مالک چاچا، چاچی تھے اور عیش ان کی اولاد کررہی تھی۔

ماہ رخ ماں تھیں، اس لئے وہ ہر لمحہ نیہا کے دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش کرتیں مگر بہر حال وہ اس کی محرومیوں کا ازالہ نہیں کرسکتی تھیں۔ نیہا بھی انہیں ساس نہیں سمجھتی تھی، اس لئے جی جان سے ماہ رخ کی خدمت کرتی۔

نیہا روز کی طرح ماہ رخ کے پاؤں دبانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو کمرے میں پہلی رات کی طرح آج بھی چاروں طرف سناٹا تھا اور اس سناٹے میں گونجتی وہ سسکیاں، وہ آنسو جو اس نے تنہائی میں اس کمرے کے در و دیوار کو بھینٹ کئے تھے۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی، نگاہ اُٹھا کر وال کلاک کو دیکھا۔ دو بج رہے تھے۔ شفقت اب تک نہ لوٹا تھا گویا آج کی رات بھی انتظار کی نذر ہونے والی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر انسان محبت کا ہاتھ تھام لے تو آنکھیں بند کرکے بھی منزل پر پہنچ سکتا ہے مگر اس کا دُکھ یہ تھا کہ اُس کا ہر راستہ کھو گیا تھا، اندھیروں میں نہیں اُجالوں میں...... نیہا کو اپنے دکھ کی ہر وجہ اعتزاز اور اس کا گھرانہ لگ رہا تھا اور شاید یہ سچ بھی تھا۔ اُسے نجانے کیوں آج وہ دن بڑی شدت سے یاد آرہا تھا کہ جب اس نے اپنے باپ کو رُسوا ہوتے اور اپنی محبت کو رنگ بدلتے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

لائبہ کی اقبال صدیقی سے شادی کے بعد جب برادری والوں نے ان سے کنارہ کرلیا تو افتخار فاروقی، نیہا اور اعتزاز کے رشتے کی جانب سے فکر مند ہوگئے، اس لئے انہوں نے حسن اور نازنین سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

نیہا کا سمیعہ سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا تھا، اس لئے وہ ضد کرکے اپنے والدین کے ساتھ آگئی۔ وہ اوپر کے کمرے میں سمیعہ کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی، تب حسن ماموں کے تیز تیز بولنے کی آواز کان میں پڑی۔ دونوں کمرے سے نکل کر باہر آگئیں، جہاں سے نیچے ڈرائنگ روم کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا اور آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شاہدہ اور افتخار فاروقی سر جھکائے کھڑے تھے جبکہ حسن ماموں تیز اور تلخ لہجے میں بول رہے تھے۔ "اعتزاز اور نیہا کا رشتہ اسی دن ٹوٹ گیا تھا جس دن تمہاری بیٹی لائبہ نے برادری سے باہر شادی کی۔ ہمیں کیا کیا نہیں سننا پڑتا۔ کوئی کہتا ہے، لڑکی نے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک عمر رسیدہ شخص کا سہارا لیا۔ کوئی کہتا ہے کہ دولت پانے کے لئے اس نے باغیانہ قدم اٹھایا۔ ابھی صرف رشتہ دار ہونے کے ناتے ہم سر اٹھانے کے لائق نہ رہے تو دوسری بیٹی کو بہو بنا کر لوگوں کو خود پر ہنسنے کا موقع دیں۔ نہیں، ہم اتنے بیوقوف ہرگز نہیں۔ اُن کے لہجے میں حقارت تھی۔

"میری بیٹی نیہا بہت معصوم ہے۔ لائبہ کی غلطیوں کی سزا آپ نیہا کو کیوں دے رہے ہیں؟" شاہدہ نے رندھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیونکہ میں اندھا اور بہرہ بن کر نہیں جی سکتا۔ ہماری طرف سے اس رشتے کو ختم سمجھو۔" اُن کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"بھائی صاحب آپ ایک مرتبہ نیہا کو اپنی بیٹی کی جگہ رکھ کر دیکھئے۔ اگر یہ حالات اس کے ساتھ پیش آئے ہوتے تو پھر آپ کیا کرتے......؟ میری بیٹی کی رگوں میں ایک خاندانی باپ کا خون ہے جس میں شرافت بسی ہوتی ہے۔

"تمہارا خون اپنا اثر دکھا چکا ہے، تبھی لائبہ نے تمہاری عزت دو کوڑی کی بھی نہیں رہنے دی...... اب تمہاری نیہا؟

اس سے قبل کہ حسن ماموں مزید کچھ کہتے، افتخار فاروقی چیخ اٹھے۔ "بس کرو حسن، تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم میرے خاندان کو گالی دو یا میری بیٹیوں کے متعلق اس طرح بات کرو۔"

انہیں غصہ آگیا۔ خون نیہا کا بھی کھول اٹھا تھا۔ اس لئے وہ سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر حسن ماموں کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ افتخار فاروقی کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بنا بولی۔ "مسٹر حسن آپ شاید بھول گئے ہیں کہ عزت و دولت خدا کے ہاتھ ہے۔ آپ جیسے کسی انسان کے ہاتھ نہیں۔ پھر آپ کون ہوتے ہیں دوسروں کو شرافت کا سرٹیفکیٹ دینے والے؟" اپنے والدین کی عزت سے بڑھ کر اس کے لئے کچھ نہ تھا، اس لئے وہ خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔ وہ بولے جارہی تھی۔ "خدا کی رحمت کو اپنا حق سمجھنے والے ایک دن منہ کے بل زمین پر گرتے ہیں اور مٹی میں مل کر اپنا نام ونشان کھو دیتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کا حشر بھی ایسا ہی ہوگا۔" اُس کی آواز بلند اور لہجہ تلخ تھا۔

تبھی اعتزاز ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ نیہا کو اس انداز میں اپنے باپ سے بات کرتے دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا اور بازو سے پکڑ کر اُسے جھٹکے سے اپنے سامنے کیا۔

"نیہا تمیز سے بات کرو۔ تم میرے باپ سے مخاطب ہو۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔ نیہا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "ہر اولاد کے لئے اپنے والدین کی عزت خود سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ آپ کے والد کے پاس اگر دولت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ میرے والدین کی توہین کریں۔ انہیں انسان ہی نہ سمجھیں۔ اس لئے مسٹر اعتزاز ذرا بات کرنے کا ڈھنگ اُنہیں بتائیں جو دولت کے نشے میں انسانی رشتوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔"

"شٹ اَپ نیہا۔" اعتزاز کی برداشت جواب دے گئی۔ نکل جاؤ میرے گھر سے، میں آئندہ ایسی لڑکی کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا جو میرے گھر کی چھت تلے کھڑی ہو کر اس انداز میں میرے والدین سے بات کرے۔ مجھے آج افسوس ہورہا ہے اپنے فیصلے پر۔" اس کے لہجے میں سفاکی تھی۔

نیہا کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ نیہا ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ حالات جو ہوں، اس کی محبت اس کے ساتھ ہر قدم رہے گی مگر آج اس کی سوچ غلط ثابت ہوگئی تھی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب محبت سے اس کا یقین اٹھ گیا۔

اعتزاز اب افتخار فاروقی اور شاہدہ سے مخاطب تھا۔ "آپ لوگ پلیز یہاں سے چلے جایئے۔ میں آپ لوگوں سے بدتمیزی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ عمر اور رشتے کے اعتبار سے آپ لوگ مجھ سے بڑے ہیں۔"

وہ لوگ لوٹ آئے۔ تقدیر نے نیہا اور اعتزاز کے راستے علیحدہ کردیئے۔

معاملہ ٹھنڈا ہوا تو سمیعہ نے اعتزاز کو حقیقت بتائی۔ اعتزاز کو اپنے کئے پر پچھتاوا ہونے لگا۔ اُس نے شاہدہ اور افتخار فاروقی سے معافی مانگی۔ انہوں نے معاف بھی کردیا مگر نیہا...... وہ آج تک اُسے معاف نہیں کرپائی تھی۔ دل میں کسک سی باقی تھی۔

☆......☆......☆

لائبہ کی آنکھ کھلی تو اُس نے اردگرد دیکھا۔ وہ بیڈ پر سوئی ہوئی تھی جبکہ زاویال بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ لائبہ کو اٹھتے دیکھا تو جلدی سے پوچھا۔ "تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" اُس کے لہجے میں اپنائیت تھی، فکر مندی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، سوری میری وجہ سے پوری رات آپ کو جاگنا پڑا۔" لائبہ اس کی سُرخ آنکھیں دیکھ کر قدرے ندامت سے بولی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمام رات نہیں جاگا، بس ابھی ابھی اسٹڈی سے اُٹھ کر آیا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ لائبہ نے چونک کر اس کا ستا ہوا چہرہ اور سرخ آنکھیں دیکھیں، جو اس کے رت جگے کی گواہ تھیں مگر نجانے کیوں وہ جھوٹ بول رہا تھا...... کیوں؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بہر حال اُسے اس سے کوئی غرض نہ تھی۔

"کل رات شاید میں نے جو کہا، وہ مجھے نہیں کہنا چاہئے تھا۔ پتہ نہیں میں یہ سب کیسے کہہ گئی۔" اب بھی اس کے لہجے میں ندامت سی تھی۔

"کل رات تم عجیب طریقے سے ری ایکٹ کررہی تھیں۔ بلیو می، میں سمجھ نہیں پایا کہ تم آخر کہنا کیا چاہ رہی تھیں اور ویسے سچ یہ ہے کہ مجھے لوگوں کی ذاتیات میں دلچسپی لینا پسند نہیں ہے۔ وہ لاپروائی سے بولا۔ لائبہ کی جان جل کر رہ گئی۔ وہ کچھ کہے بنا فریش ہونے چل دی۔ اُسے افسوس ہوا کہ وہ چند لمحوں کے لئے زاویال کو ایک حساس انسان سمجھ بیٹھی تھی۔ وہ تو ازل سے بے حس تھا۔

گزشتہ رات لائبہ کا کہا گیا ایک ایک حرف زاویال کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں بھولا تھا۔ اب اُسے کیا کرنا تھا، یہ اس نے سوچ لیا تھا...... بس وقت کا انتظار تھا۔

☆......☆......☆

نیہا حسب معمول صبح سویرے ماہ رخ کو اخبار سنانے بیٹھی تو گویا اس پر ایک قیامت گزر گئی۔ اخبار کے پہلے صفحہ پر شہ سرخی موجود تھی۔ "انسپکٹر اعتزاز نے اپنی فورس کے ساتھ ایک بہت بڑے جوئے کے اڈے پر ریڈ کی۔ جواباً گروہ کے لوگوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی اور نتیجتاً شفقت نامی شخص کے ہاتھ سے ایک پولیس والا قتل ہوگیا...... شفقت گرفتار۔"

خبر پڑھتے ہوئے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ ماہ رخ تو دور تک کانپ اٹھی تھی۔

صوفیہ چاچی کو موقع مل گیا۔ وہ کچن میں اپنے بچوں کے لئے ملازمہ سے ناشتہ بنوا رہی تھیں۔ خبر اُن کے کانوں میں پڑ چکی تھی، اس لئے فوراً باہر چلی آئیں اور سارا الزام نیہا پر دھر دیا۔ اُن کے خیال میں اس گھر میں یا شفقت کی زندگی میں جو بُرا ہو رہا تھا، اس کی وجہ نیہا تھی۔ وہ ماہ رخ سے مخاطب ہوئیں۔ ''پتہ نہیں بھابی آپ کو اس لڑکی میں کیا نظر آ گیا کہ اسے شفقت کی دلہن بنا لائیں۔ جس دن سے یہ اس گھر میں آئی ہے، شفقت کی صورت دیکھنے کو ترس گئے ہیں کیونکہ وہ اس لڑکی کو برداشت ہی نہیں کرتا۔ آپ بھلے نہ مانیں مگر یہ لڑکی بڑی منحوس ہے۔'' صوفیہ چاچی کے لہجے میں حقارت تھی۔ نیہا مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی اور ماہ رخ وہ تو اپنے حواس میں نہ تھیں، صوفیہ کو کیا روکتیں۔

☆......☆......☆

ماہ رخ اور نیہا، فردوس چاچا کے ساتھ پولیس اسٹیشن آئی تھیں تاکہ شفقت سے ملاقات ہو سکے۔ تب ہی حوالدار انہیں اعتزاز کے کمرے میں لے گیا۔ نیہا کا پورا وجود سیاہ چادر میں لپٹا تھا جبکہ شفقت کی والدہ برقع میں ملبوس تھیں۔ اعتزاز کے پاس پہلے سے کوئی بیٹھا تھا۔ اعتزاز نے اُسے اشارہ کیا تو وہ اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اعتزاز نے بڑے احترام سے ان لوگوں کو بیٹھنے کو کہا تو ماہ رخ اور فردوس چاچا نے نشستیں سنبھال لیں۔ اعتزاز پولیس والوں کے سے انداز میں بولا۔ ''محترمہ آپ بھی تشریف رکھیے۔'' اس کی نگاہیں نیہا پر تھیں۔

نیہا بددلی سے بیٹھ گئی۔ فردوس چاچا نے آنے کا مقصد بتایا تو وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''سوری فردوس صاحب انوسٹی گیشن چل رہی ہے، اس لئے فی الحال آپ لوگوں کا شفقت سے ملنا ممکن نہ ہوگا۔'' نیہا نے نفرت سے اُسے دیکھا مگر اعتزاز کو پروا نہ تھی۔

''میاں تم تو اختیارات رکھتے ہو، ذرا کوشش کرو تو بات بن سکتی ہے۔'' فردوس چاچا نے چاپلوسی سے کہا۔

''معاف کیجئے گا۔ میں قانون کا محافظ ہوں، قانون شکن نہیں بن سکتا۔ اگر قانون عام لوگوں کے دکھائے راستے پر چلنے لگے تو شاید محافظ اور راہزن میں فرق کرنا ایک مشکل ہو جائے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

شفقت کی والدہ نے بہت منت کی مگر وہ مجبور تھا۔ نیہا کو غصہ آ گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''رہنے دیں ماں جی، جو لوگ خدا سے مانگتے ہوئے اپنے دنیاوی وقار کو مدِنظر رکھتے ہیں، وہ لوگ بھلا کسی کے درد کو کیسے محسوس کر سکتے ہیں۔ یوں بھی پتھروں سے اگر مرادیں ملنے لگیں تو ہر انسان کا اللہ تعالیٰ سے ایمان اٹھ جائے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی، گویا مقصد صرف اُسے یہ جتانا تھا کہ اعتزاز حسن میں انسانیت و ہمدردی بالکل نہیں، وہ بے حد بے حس انسان ہے۔

اعتزاز نے اسے چونک کر دیکھا مگر اس وقت وہ نیہا کو جواب نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے دائروں میں کھڑے تھے۔

☆......☆......☆

اقبال صدیقی کے ساتھ پارٹنر شپ کا اچانک فیصلہ سب ہی کے لئے حیران کن تھا۔ لائبہ کا بس چلتا تو اسے روک لیتی کیونکہ جتنا وہ اقبال صدیقی کو جانتی تھی۔ اُسے بنا مفاد کسی سے تعلق استوار کرتے نہیں پایا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اقبال صدیقی کے چنگل میں نہ پھنس جائے۔ بھلے زاویال بیوقوف نہ تھا مگر جلد باز ضرور تھا۔ ہر فیصلہ فوری طور پر کرتا تھا خواہ نتائج کچھ بھی ہوں۔ اب تک وہ زاویال کو وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ وہ جو بھی ہو مگر اقبال صدیقی کی طرح شاطر نہ تھا۔

لائبہ تمام رات سو نہ سکی۔ ایک بے چینی، ایک اضطراب تھا جو اسے اپنے حصار سے باہر نہیں نکلنے دے رہا تھا۔ وہ خالی زاویال کے لئے نہیں، گھر کے لوگوں کے لئے بھی پریشان تھی۔ اس لئے جب وہ آفس کے لئے تیار ہو کر آئینے کے سامنے کھڑا اپنا آخری جائزہ لے رہا تھا، تبھی لائبہ اس کی پشت پر آن ٹھہری۔ زاویال نے آئینے میں اس کا عکس دیکھا تو اُسے محسوس ہوا کہ جیسے لائبہ اس سے کچھ کہنے کی خواہشمند ہے اور حقیقت بھی یہ تھی۔ اسی لئے تو جب زاویال نے پلٹ کر سوال کیا تو لائبہ ایکدم نروس ہوئے بنا بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''ہمارے درمیان کاغذی رشتے کی وجہ سے آپ کے نزدیک یا میرے نزدیک آپ کی کیا اہمیت ہے، اس سے قطع نظر میری بات کوئی سوال کیے سن لیں...... ''اقبال صدیقی کسی کے ساتھ پُرخلوص نہیں، نہ ان لوگوں سے جن سے اس کا ذاتی تعلق ہے اور نہ ان لوگوں سے جن سے اس کا بزنس ریلیشن ہے۔ وہ صرف لوگوں کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتا ہے اور بس، مگر یہ بات سچ ہونے کے باوجود میں آپ کو اس سچائی کا ثبوت نہیں دے سکتی۔ اس لئے اگر یقین کر سکیں تو کرلیں۔''

اقبال صدیقی کی حقیقت وہ زاویال کو اس لئے نہیں بتا سکتی تھی کیونکہ سچائی بتانے کے لئے اسے

زاویال کو اپنے ماضی اور خاندان کے متعلق سب کچھ بتانا پڑتا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔ زاویال نے اُسے بغور دیکھا۔ کاٹن کے سادہ سے سرمئی سوٹ میں ملبوس، بے ترتیب سے بالوں کے ساتھ وہ بڑی گھریلو سی لگ رہی تھی۔ چہرے پر فکرمندی تھی۔ لائبہ کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔ ''تم پر یقین کرنے کے لئے مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یوں بھی ثبوت جھوٹ کا ہوتا ہے، ہر سچ کا ثبوت ہو، یہ ضروری نہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر چلا گیا اور لائبہ کو حیران کر گیا۔

وہ اس لمحے کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس سے اس یقین نے جنم لیا تھا مگر اُسے ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

شفقت پر باقاعدہ کورٹ میں کیس دائر ہو چکا تھا۔ شاہدہ اور افتخار فاروقی نیہا کو حوصلہ دینے آئے تھے مگر وہاں انہوں نے نیہا کی جو حالت دیکھی، وہ ان کی توقع سے زیادہ خراب تھی۔ نیہا اس گھر کی بہو نہیں بلکہ نوکرانی لگ رہی تھی۔ ماہ رخ کے علاوہ سب کا رویہ نیہا کے ساتھ نامناسب تھا۔ وہ شفقت کے معاملے میں قصوروار ٹھہرائی جا رہی تھی۔ وہ گھر والوں اور باہر والوں کی تنقید کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

افتخار فاروقی نے نیہا کو ساتھ چلنے کا کہا۔ انہیں اندازہ تھا کہ شادی کے بعد نیہا کو اس گھر میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی مجرموں کی سی زندگی گزارے گی۔

''ابو، میں ماں جی کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی، انہیں میری ضرورت ہے۔ اس گھر پر قیامت گزری ہے۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''اس گھر کے لوگوں کو تمہارے دُکھ کا احساس نہیں۔ اُلٹا تمہیں ہر چیز کے لئے ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ اس کے باوجود تم ان لوگوں سے ہمدردی رکھتی ہو۔'' افتخار فاروقی حیران تھے۔

''ابو ہر انسان اپنے جذبات کا اظہار اپنے طریقے سے کرتا ہے۔ وہ طریقہ ہمیں پسند آئے، ضروری تو نہیں نا۔'' وہ نرمی سے بولی۔ شاہدہ نے حیرت سے اپنی اس فرماں بردار بیٹی کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی، خود سے زیادہ دوسروں کی پروا کرنے والی۔ انہیں ایک بھی ایسا لمحہ یاد نہ تھا کہ جب نیہا نے ان کی حکم عدولی کی ہو اور آج وہ بڑی مختلف سی بہت سمجھدار سی لگی مگر افتخار فاروقی کو اس کا انکار نہ بھایا۔

تب شاہدہ ان کی ناراضگی کو محسوس کرتے ہوئے نیہا کو سمجھانے لگیں۔ ''میری بچی ہم تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہے ہیں کیونکہ والدین صرف اولاد کا سکھ اور چین چاہتے ہیں۔ اگر تمہارے دل میں کوئی اور بات ہے تو صاف کہو۔ یوں ہماری ہر بات کی نفی کر کے تم کیا جتانا چاہتی ہو؟''

شاہدہ نے شوہر کا دل رکھنے کی خاطر بے وجہ نیہا کو ڈانٹ دیا جس کا اُسے دکھ تو ہوا مگر پھر بھی وہ نرمی سے بولی۔ ''امی خدا کے لئے میری باتوں کا غلط مطلب نہ نکالیں، مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔ میں نے کل بھی فرض نبھانا چاہا تھا، آج بھی فرض نبھا رہی ہوں۔ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ شاہدہ اور افتخار فاروقی احساسِ جرم میں مبتلا ہو گئے۔

☆......☆......☆

شفقت کے متعلق تمام خبریں لائبہ تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نیہا کے لئے کیا کرے کہ وہ مشکل سے نکل آئے۔ پولیس اسٹیشن، وہ بہت سی وجوہات کی وجہ سے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ایک تو اس شہر میں مہوش بیگم کے جاسوس پھیلے ہوئے تھے۔ دوسرا سکندر خیام کی بہو اور زاویال کی بیوی ہونے کے ناتے سب ہی لوگ اُسے جانتے تھے۔ اس لئے اس بات کو راز رکھنا ممکن نہ رہتا۔

وہ ذاتی طور سے اعتزاز سے ملنا چاہتی تھی۔ اس نے اعتزاز سے ملنے کا وقت طے کر لیا اور اس وقت وہ شہر کے ایک معروف ریستوران میں بیٹھے تھے۔ اعتزاز نے گفتگو کی ابتدا کی۔ ''تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تمہارے جانے کے بعد کیا کچھ ہو گیا۔''

''میں ہر بات سے واقف ہوں۔ ہر رشتے کی حقیقت کھل چکی ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ تلخی سی گھل گئی۔ وہ اعتزاز کو نیہا کی بربادی کا ذمہ دار سمجھتی ہے۔ یہ بات اس کے لہجے کی تلخی، اس کے انداز

سے واضح ہو گئی تھی مگر وہ خاموش رہا۔ لائبہ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولی۔ ''وقت کے ساتھ ساتھ میں نے تمام رشتوں کو کچھ اس ڈھنگ سے بدلتے دیکھا ہے کہ میرا خود اپنی ذات سے اعتبار اٹھ گیا ہے مگر محبت پر میرا اعتبار تمہاری اور نیہا کی وجہ سے باقی تھا کیونکہ نیہا کے لئے تمہاری شدت اور جذبات کی گہرائی دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں ہر رشتہ فریب ہو سکتا ہے، سوائے محبت کے! میں سوچتی تھی کہ میری بہن خوش قسمت ہے کہ اُسے تم ملے ہو مگر اب اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کتنی بدقسمت ہے اور اس کی بدقسمتی تم ہو، اعتزاز تم!'' لائبہ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ اعتزاز اب بھی خاموش تھا۔ تب وہ مزید بولی۔ ''جانتے ہو اعتزاز، اُسے منافقت سے نفرت تھی مگر آج تمہاری وجہ سے وہ ایک منافقت بھری زندگی جی رہی ہے۔ پھر بھی تمہارا دل نہیں بھرا تو شفقت کو جیل میں ڈال کر تم نے اس کی تکالیف و مشکلات بڑھا دیں۔'' لائبہ کا لہجہ شاکی تھا۔

اس مرتبہ اس سے خاموش نہیں رہا گیا۔ وہ بول پڑا۔ ''نہیں لائبہ نہیں، خدا جانتا ہے کہ میں نے جو کیا اپنے فرض کے تحت کیا۔ خود سوچو، اگر ہم مجرموں کو آزاد چھوڑ دیں تو عوام کو تحفظ کون دے گا۔ لوگ ہمیں مسیحا سمجھتے ہیں۔ اسی یقین کے ساتھ ہمیں وردی سونپتے ہیں کہ ہم ان کے قریب کوئی دکھ نہیں آنے دیں گے۔ میری وردی میری قوم کی امانت ہے جس میں، میں خیانت نہیں کر سکتا۔ محبت اپنی جگہ لیکن فرض اپنی جگہ، شفقت مجرم

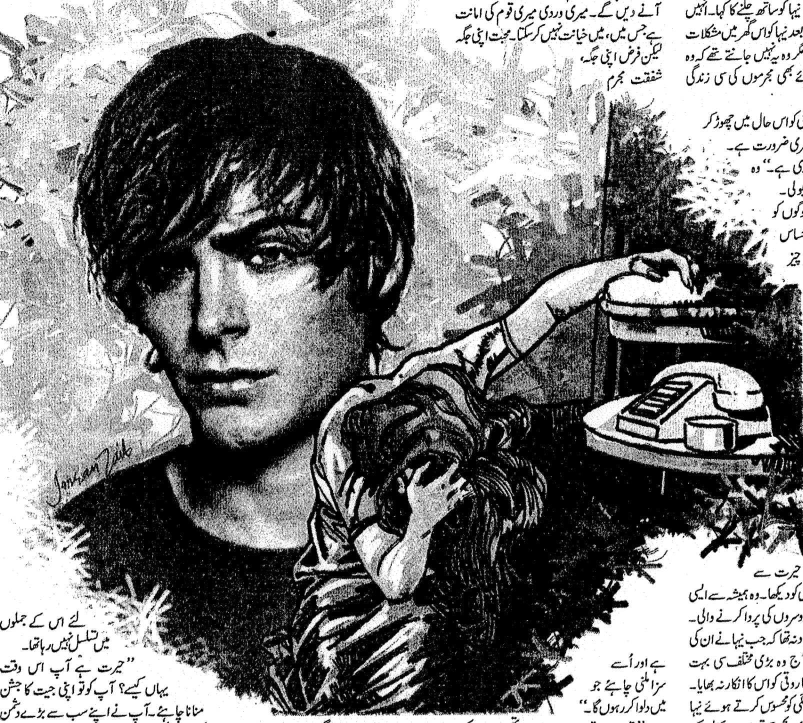

ہے اور اُسے سزا ملنی چاہئے جو میں دلوا کر رہوں گا۔''

''تو نیہا سے تمہاری محبت جھوٹ تھی؟ وہ شاکی لہجے میں بولا۔

''لائبہ محبت کی تشریح یہ کائنات ہے۔ لفظوں سے محبت ثابت نہیں کی جاتی بلکہ ساتھ گزرا ہر لمحہ محبت کی گواہی بن جاتا ہے مگر میری یہ بات تم تب سمجھو گی جب ٹوٹ کر کسی کو چاہو گی۔''

وہ اتنا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور میز سے موبائل اُٹھا کر چلا گیا۔ لائبہ کو لگا کہ جیسے اعتزاز نے اسے جتایا ہے کہ اس نے زندگی میں کسی سے محبت نہیں کی، اس لئے وہ بے حس ہو چکی ہے۔ لائبہ کے دل کے کسی کونے میں ٹیس سی اُٹھی۔

☆......☆......☆

گھر آنے کے بعد بھی لائبہ کے کانوں میں اعتزاز کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس نے کتاب زندگی کا ورق اُلٹ کر دھیان سے پڑھا۔ کہیں بھی کوئی نام قابل غور نہ تھا۔ آج اُسے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ اس کے دل کے راستے سے محبت کا گزر ہی نہیں ہوا۔ وہ لان میں ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو لان کی نرم نرم گھاس پر بیٹھ گئی اور آسمان کو دیکھنے لگی۔

آسمان پر اس وقت چاند اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ زاویال یونہی ٹہلنے کی غرض سے لان میں آیا تو لائبہ کو بڑے دھیان سے آکاش کو تکتے پایا۔ وہ بھی اس کے قریب آ بیٹھا۔ مگر وہ اس قدر محو تھی کہ زاویال کی موجودگی کا اُسے احساس تک نہ ہوا۔

تب زاویال خود بولا۔ ''آسمان پر کیا اپنے نصیب کا ستارہ تلاش کر رہی ہو؟''

لائبہ نے اسے چونک کر دیکھا، پھر دھیرے سے مسکرا دی۔ ''نہیں بلکہ سوچ رہی تھی کہ چاند ایک ہوتا ہے مگر ستاروں کے لاتعداد ہونے میں قدرت کا کون سا بھید ہے؟'' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔ نگاہیں اب بھی آکاش پر تھیں۔

زاویال نے ترچھی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ پنک کلر کا لباس پہنے اپنے کھلے بالوں کے ساتھ وہ اُسے بڑی خاص لگی۔

''چاند محبت کا گواہ ہوتا ہے اور محبت ایک ہوتی ہے اور صرف ایک بار ہوتی ہے جبکہ ستارے تو ہمارے دکھوں کی طرح بے شمار ہوتے ہیں جنہیں شمار کرنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر لائبہ کو حیران کر دیا مگر وہ کچھ اور سوچ رہی تھی، اس لئے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔

''کہیں تمہاری یہ خواہش تو نہیں کہ ستاروں سے اپنا آنچل بھر لو۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ اس کا انداز بڑا دوستانہ تھا۔ شاید اسی لئے اس گھڑی لائبہ کا جی چاہا کہ وہ اس سے بہت کچھ کہہ ڈالے۔ دل مچل سا گیا۔ اس لئے وہ بے اختیار بولی۔ ''نہیں زاویال سکندر میں اپنے دل میں یہ خواہش نہیں رکھتی، میں حقیقت پسند لڑکی ہوں، جانتی ہوں کہ اگر یہ تمام ستارے بھی زمین پر اُتر آئیں تب بھی میرے جیون میں بکھری تاریکیوں کو اُجالوں میں نہیں ڈھال سکتے۔ ویسے بھی مدت ہوئی، میں نے اجالوں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ میری آنکھیں بنجر ہو چکی ہیں، جہاں خوابوں کا بسیرا ہو سکتا ہے اور نہ ہی آنسوؤں کا...... میرا دل، ہر خواہش، ہر احساس سے خالی ہو چکا ہے مگر میری سب سے بڑی مجبوری میرے سانسوں کا تسلسل ہے۔'' اس کے لہجے میں کرب سمٹ آیا۔

''میں نے سنا تھا لڑکیوں کا خوابوں سے بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ وہ تمام عمر دوسروں کو دے دیتی ہیں مگر اپنے خواب سب سے چھپا کر رکھتی ہیں اور آنسو ان کا اثاثہ ہوتے ہیں، جو ان کی ہر خوشی اور غم کے ساتھی ہوتے ہیں۔'' زاویال نرم لہجے میں بولا۔

''خواب دیکھنے کا حق سب کو نہیں ملتا اور اگر مل بھی جائے تو ان خوابوں کی تعبیریں بڑی خوفناک ہوتی ہیں۔ خوابوں سے بالکل اُلٹ......'' اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی جو دھیرے دھیرے رخساروں کو بھی بھگو رہی تھی۔

زاویال نے ہاتھ بڑھایا تاکہ اس نمی کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کر لے مگر لائبہ نے اس کا ہاتھ روک دیا۔ زاویال نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''نہیں زاویال مجھے اپنے آنسو خود پونچھنے کی عادت ہے، میری عادت مت خراب کریں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے دل میں یہ خواہش جاگ اُٹھے کہ کوئی ہو جو میرے سارے غم اپنے دامن میں سمیٹ لے، میں جب بھی ٹھوکر کھاؤں تو مجھے گرنے سے پہلے تھام لے اور مجھے وہ شانہ میسر ہو جس پر سر رکھ کر میں اپنے تمام دُکھ رو سکوں۔'' اس کے لہجے میں بیک وقت کرب و حسرت نے جگہ بنا لی۔

زاویال اب بھی اس سے نہ کہہ سکا کہ اُسے اس کے دُکھ سے دکھ ہونے لگا ہے۔ نجانے وہ کیا سمجھ بیٹھتی۔ اس لئے شک کے دائرے میں آنے سے بہتر خاموش رہنا تھا۔

☆......☆......☆

نئی صبح ان کے لئے خوشیوں کی نوید نہیں بلکہ اندھیرے سمیٹ لائی تھی۔ شفقت حوالات سے فرار کی کوشش میں اعتزاز کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔ خبر پڑھتے ہی نیہا کو پہلا خیال یہی آیا کہ اعتزاز نے شفقت کو انتقاماً مار ڈالا ہے۔ ایک دم گھر میں ماتم کی سی فضا چھا گئی۔ سفید چاندنیاں بچھ گئیں۔ افسوس کرنے والے لوگ جوق در جوق آ رہے تھے۔ ماہ رخ تو اپنے حواس میں نہ تھیں۔ نیہا کا بھی حال بُرا تھا۔ سب لوگوں کو چاچا، چاچی دیکھ رہے تھے۔

اعتزاز انسانیت کے ناتے چلا آیا تھا۔ اس نے دانستہ کچھ نہیں کیا تھا مگر اس کے باوجود اسے ملال تھا کہ انجانے میں ہی سہی وہ ایک مرتبہ پھر نیہا کے دکھ کی وجہ بن گیا تھا۔ نیہا کا سیاہ لباس اور آنکھوں سے مستقل بہتے آنسو اُسے احساسِ جرم میں مبتلا کر گئے۔ اعتزاز نے بھی کیا تقدیر پائی تھی، جس کو صرف خوشیاں دینے کی تمنا کی تھی، تقدیر ہر بار اسی کے کرب کی وجہ بنا دیتی تھی۔ وہ جیپ سے اُتر کر دروازے تک پہنچا، تبھی نیہا کی نگاہ اس پر پڑ گئی، وہ تیر کی سی تیزی سے اس تک آئی اور دیوار کی مانند اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔ نیہا کی آنکھوں میں نفرت ہی نفرت تھی۔

''نیہا مجھے، مجھے افسوس ہے۔ یقین کرو میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو اُسے......'' اعتزاز کو اپنی بات کہنے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اس لئے اس کے جملوں میں تسلسل نہیں رہا تھا۔

''حیرت ہے آپ اس وقت یہاں کیسے؟ آپ کو تو اپنی جیت کا جشن منانا چاہئے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے دشمن کو قانون کی آڑ میں اپنی راہ سے ہٹا دیا کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔'' اس کے لہجے میں اتنی نفرت و حقارت تھی کہ جس کا وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ اردگرد جمع ہو گئے۔

''نیہا تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میں بھلا اس سے کس بات کا انتقام لوں گا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''میرا نام شفقت کے نام کے ساتھ جڑا تو آپ کی اَنا کو بہت ٹھیس پہنچی اور یہ مجھ سے بہتر کون جانتا ہے کہ آپ کو اپنی اَنا کتنی عزیز ہے۔ آپ کی ضد سے کون واقف نہیں۔ آپ کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ جو شے آپ کو پسند آ جائے، آپ اس پر دوسرے کا اختیار برداشت نہیں کرتے، تو آپ یہ کیونکر برداشت کرتے کہ نیہا نامی جس کھلونے سے آپ اپنا دل بہلانا چاہتے تھے، وہ شفقت کا ہو گیا۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں شک تھا۔

اعتزاز سے برداشت نہیں ہوا تو وہ چیخ اٹھا۔ ''شٹ اَپ نیہا، مجھے ذرا اندازہ نہ تھا کہ تم میرے متعلق اتنی غلط سوچ رکھتی ہو۔ تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم میری پاکیزہ محبت کو اپنی سوچ اور لفظوں سے داغدار کرو۔'' اعتزاز کو شدید غصہ آ رہا تھا جس کا اس وقت وہ کھل کر اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

جس انسان کے ہاتھ کسی بے گناہ کے خون سے رنگے ہوں، وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوتا ہے اور حیوان صرف ہوس پوری کرتے ہیں کیونکہ محبت کرنا ان کی فطرت نہیں۔ مجھے یقین ہے اگر آپ کو موقع ملے تو آپ ایک حیوان سے بھی بدتر ثابت ہوں گے۔'' وہ بے پناہ نفرت لہجے میں آنکھوں میں سمیٹے تھی۔ ''آپ نے جو کیا ہے، اس کے لئے آپ بہت پچھتائیں گے۔ اب آپ کا احتساب میں کروں گی۔'' وہ سرتاپا انتقام بنی تھی۔ اعتزاز مزید وہاں نہیں رُکا۔ نیہا کو اس کا اس طرح سے چلے جانا بزدلی لگا۔

☆......☆......☆

لائبہ کو اخبار کے ذریعے شفقت کی موت کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ نیہا سے ملنے کا ارادہ باندھ ہی رہی تھی، تبھی سکندر خیام کے بہت خاص دوست اپنی فیملی کے ساتھ چلے آئے۔ وہ پہلی مرتبہ لائبہ سے مل رہے تھے۔ اسی لئے بیگم جہاں آراء نے لائبہ کو اپنے ہاتھ سے کھانا بنانے کے لئے کہا تھا۔ لائبہ کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ انہیں نا بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ ان کا مان ٹوٹ جاتا۔ سکندر خیام کی خواہش پر زاویال بھی کہیں نہیں گیا حالانکہ چھٹی کا دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتا تھا مگر آج باپ کے علاوہ اچانک عمران اور عذرا کے آ جانے پر زاویال کو رکنا پڑا۔ گھر میں ایک دم رونق سی ہو گئی جبکہ لائبہ کا دل ویران تھا۔ وہ اس طرح مصروف تھی کہ نیہا سے بات تک کرنے کی بھی فرصت نہ تھی۔ لائبہ نے ثریا بھابی اور ملازمین کی مدد سے دوپہر کا شاندار کھانا تیار کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ دوپہر تک فارغ ہو کر وہ نیہا سے ملنے جائے گی۔ اس نے ہر دکھ سکھ کومل کے ساتھ بانٹا تھا، اس لئے اُسے آج بڑی شدت سے اس کی یاد آ رہی تھی مگر اچانک لنچ کے بعد پکنک کا پروگرام بن گیا۔

لائبہ پکنک کی تیاری کرنے کے بہانے اُٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔ وہ کھل کر رونا چاہتی تھی مگر زاویال کے اچانک آ جانے پر بے وجہ مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔ زاویال کی نگاہیں اس کی مسکان کے بجائے اس کی نم آنکھوں پر تھیں۔ زاویال کو اپنی جانب متوجہ پا کر اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا اور رخ موڑ کر الماری سے چیزیں نکالنے لگی اور اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔ ''کیا میں پکنک پر جانے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے کومل سے مل آؤں؟'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

زاویال اس کے قریب چلا آیا ''خیریت؟'' اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''چند لمحوں کے لئے ہی سہی، مجھے آج کومل کی ضرورت ہے، پلیز مجھے روکیے گا نہیں۔'' بات کرتے کرتے ایک لمحے کو دونوں کی نگاہیں ملیں تو زاویال نے محسوس کر لیا کہ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی ہے۔

لائبہ اپنی سہیلی کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی تاکہ اپنی بہن اور گھر والوں کا سامنا کرنے کے لئے کچھ ہمت مل جائے۔

''انسان کو اپنی زندگی میں دوستوں کا ساتھ تب درکار ہوتا ہے کہ جب خوشیاں اس سے سنبھالے نہ سنبھلیں یا پھر تب جب وہ دکھ سے نڈھال ہو جائے۔ اب تک میں نے تمہیں خوش ہوتے تو دیکھا نہیں البتہ رونے کی تمہارے پاس بہت سی وجوہات ہیں، تمہارا حال یا پھر تمہارا ماضی اور......''

اس سے قبل کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، لائبہ نے اس کی بات قطع کر دی اور قدرے بگڑ کر بولی۔ ''میں نے آپ سے محض اجازت مانگی ہے، اپنی ذات یا زندگی پر تبصرہ کرنے کی دعوت نہیں دی، اس لئے مجھے جواب صرف ہاں یا نا میں چاہئے۔'' اندر کا درد بڑھا تو زبان میں تلخی آ گئی۔ یہ دکھ کتنا بڑا تھا کہ ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی بہن کی دل جوئی نہ کر سکتی تھی۔ آج ان دوریوں کی وجہ اپنا ماضی نہیں بلکہ زاویال کی فیملی لگ رہی تھی۔

زاویال نے جیب سے موبائل نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔ اس وقت تم فون پر نیہا سے بات کر لو، تمہارے دل کو تسلی ہو جائے گی لیکن نیہا کے گھر تمہارا پورا خاندان جمع ہے، ایسے میں تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔'' وہ بولا۔

حیرت سے لائبہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ زاویال اس کے متعلق اتنا کچھ کیسے جان سکتا تھا۔ اس نے یا مہوش بیگم نے تو اسے کبھی کسی بات کی بھنک نہیں پڑنے دی تھی۔ زاویال اس کی اُلجھن سمجھ گیا تھا کیونکہ اس کے سارے سوال آنکھوں میں تحریر تھے۔ تبھی وہ نرمی سے بولا۔ ''تمہارے ہر سوال کا جواب بعد میں دوں گا۔ اس وقت ضروری ہے کہ تم اپنی بہن سے بات کر لو۔ تمہارا دل ہلکا ہو جائے گا اور اسے بھی اچھا لگے گا۔'' اس نے اتنا کہہ کر موبائل اس کے حوالے کیا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا تاکہ وہ اطمینان سے بات کر سکے۔

نیہا کے سسرال کا نمبر تو لائبہ کے پاس بہت عرصے سے موجود تھا مگر کبھی فون کرنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن آج زاویال نے کہا تو اس نے بڑے اعتماد سے نمبر ڈائل کیا۔ فون اتفاق سے نیہا نے ہی اٹھایا تھا۔ لائبہ کی آواز سنی تو دل بھر آیا۔ نیہا کتنی دیر تک اس کے آگے اپنا دکھ روتی رہی اور لائبہ بڑی بہن ہونے کے ناتے اُسے تسلی دیتی رہی۔

دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرنے کے بعد سکون ملا تھا۔ کسی اپنے کی آواز سن کر لائبہ کو اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا تھا اور بہرحال اس احساس کی بنیاد زاویال سکندر تھا۔

(جاری ہے)

لائبہ کے دل میں زاویال کی جانب سے جو بدگمانی تھی کہ وہ ایک مغرور و بے حس انسان ہے، وہ بہت حد تک دور ہوچکی تھی۔ آج اُسے بڑی شدت سے احساس ہورہا تھا کہ انسان قدرت کا سب سے بڑا راز ہے اور یہ کہ دو لوگوں کے تعلق کی وجہ درحقیقت جستجو ہوتی ہے۔ یہی جستجو انسان کو منزل تک لے جاتی ہے۔

لائبہ سمندر کے کنارے کھڑی لہروں کے ملنے بچھڑنے کا کھیل دیکھ رہی تھی۔ دماغ کئی خیالوں میں بٹا تھا۔ تبھی ذہن کے سادہ سے ورق پر لفظ منزل نمودار ہونے پر وہ چونک اُٹھی۔ اُسے دل میں اُمید کا دیا جلانے کا کوئی حق نہ تھا اور اگر وہ ایسا کرتی بھی تو اس دیئے کو بجھانے کے لئے تیز ہوا کا ایک جھونکا کافی تھا۔

وہ زاویال کے متعلق کچھ محسوس کررہی تھی مگر اُسے کسی جذبے کا نام دینے سے ڈر رہی تھی۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ زاویال اُس کے پاس چلا آیا۔ اُس کا اصرار تھا کہ وہ ساحل سمندر پر اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے...... وہ مان گئی۔

شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ سورج دھیرے دھیرے ڈوب رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ایسے میں گیلی ریت پر ننگے پاؤں زاویال کے ساتھ ساتھ چلنا اُسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس لمحے کو روک لیتی۔ وہ بے دھیانی میں چلتے چلتے پھسلنے لگی۔ تبھی زاویال نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا مگر لائبہ کی گھبراہٹ دیکھ کر فوراً چھوڑ بھی دیا۔

کاش، میں تم سے وعدہ لے سکتی کہ کبھی میرا ہاتھ نہیں چھوڑو گے۔ لائبہ کے دل میں عجب سی خواہش جاگی۔ خاموشی طویل ہوئی تو لائبہ نے اُسے توڑا۔ ''آپ نے میری نیہا سے بات کرائی، اس کے لئے تھینکس۔'' مگر جواب میں زاویال نے جو کہا، وہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ''مہوش بیگم کا فون آیا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ مجھے اور کتنے دن تک تمہاری ضرورت ہے۔'' اس نے لائبہ کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اُسے نئی اطلاع فراہم کی۔

لائبہ کے قدم ساکت ہوگئے، زاویال بھی رک گیا۔ لائبہ نے بڑی امید سے پوچھا۔ ''آپ نے کیا کہا؟'' وہ کسی مثبت بات کی تمنا کررہی تھی، ایسا جواب جو طے شدہ نہ ہو۔

''میری منزل اب بہت قریب ہے، اس لئے مجھے نہیں لگتا کہ زیادہ دیر مجھے اور تمہیں اس محبت، اس رشتے کا ڈھونگ رچانا پڑے گا۔ ویسے میں نے اسے چیک دے دیا ہے تاکہ وہ تمہیں پریشان نہ کرے۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

لائبہ خاموش رہی۔ زاویال نے اسے اس کی حیثیت یاد دلا دی تھی۔ اب بھلا اس کے پاس کہنے کو رہ کیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

فردوس چاچا اور صوفیہ چاچی نے شفقت کی جائیداد پر نگاہ رکھی ہوئی تھی، اس لئے شفقت کا ہمدرد ظاہر کرنے کے لئے زیادہ ہی جوش دکھا رہے تھے۔ آنے جانے والوں کے سامنے ایسی ایکٹنگ کرتے کہ گمان ہوتا، ان کا بھتیجا نہیں بیٹا مرگیا ہو۔ لوگ بڑے متاثر ہوتے، خود کو ماہ رخ کی نظروں میں لانے کے لئے فردوس چاچا نے ایسا قدم اُٹھایا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ انہوں نے اعتزاز پر کیس دائر کردیا اور اس پر الزامات یہ لگائے کہ اس نے ذاتی دشمنی کی بنا پر شفقت کو قتل کیا ہے کیونکہ اس کی نگاہیں مقتول کی بیوہ پر تھیں، اس لئے اُسے اعتزاز حسن سے خطرہ ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی لکھوایا کہ اعتزاز حسن نے نیہا سے دست درازی کی کوشش بھی کی ہے۔

نیہا کو انہوں نے اس طرح سے اعتماد میں لیا کہ اس نے پڑھے بنا دستخط کردیئے کیونکہ اُس وقت اس کی نگاہ میں شفقت کی ماں کی بگڑتی دماغی حالت تھی۔ اپنا سیاہ لباس اور اپنا غیر محفوظ ہوجانا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس وقت شفقت کے گھرانے سے زیادہ اس کا ہمدرد اور کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے وہ آنکھیں بند کرکے ان پر اعتماد کررہی تھی مگر وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ فردوس چاچا اور ان کی بیوی اُسے بدچلن ثابت کرکے اس گھر سے باہر نکالنا چاہتے تھے تاکہ کوئی انہیں یہ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے جائیداد کے لالچ میں نیہا کو مہرہ بنایا ہے اور اگر یہ حربہ بھی کافی نہیں ہوتا تو انہوں نے دوسرا راستہ بھی سوچ لیا تھا اور جائیداد حاصل کرنے کے کئی طریقے تھے مگر نیہا نجانے کیوں اُن پر شک نہیں کر پائی۔ وہ یہی سمجھتی رہی کہ ان کا اور اس کا دُکھ مشترک ہے، اس لئے وہ اعتزاز پر بھی شک کر بیٹھی، اس شخص پہ جو اس کی محبت تھا۔

یہ تو نہیں تھا کہ نیہا کے دل سے اس کی محبت ختم ہوگئی تھی۔ محبت تو کبھی ختم نہیں ہوسکتی لیکن ہاں جس طرح شفاف آئینے پر بہت سی گرد جم جانے کے سبب اس میں کسی چہرے کی صحیح شناخت ممکن نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح وقت و حالات انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین کر اس طرح جامد کردیتے ہیں، جیسے ندی میں ٹھہرا پانی۔

نیہا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہورہا تھا۔ شاید اسی لئے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ اب اس کے دل میں اعتزاز حسن کی محبت باقی نہیں رہی۔

☆......☆......☆

اعتزاز کو جب اس کیس کے متعلق پتہ چلا تو بے حد حیران ہوا۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ نیہا اس پر اس قسم کے سطحی الزام لگاسکتی ہے۔ یہ لمحہ اس کے لئے کتنا اذیت ناک تھا، یہ وہی جانتا تھا اور اگلا دن اس کی اذیت اور بڑھا گیا جب اُسے نیہا کے لگائے الزامات کے لئے کمشنر صاحب کے سامنے جواب دہ ہونا پڑا۔

''ان الزامات کے متعلق تم کیا کہنا چاہو گے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اعتزاز کو دیکھ رہے تھے۔

''میں آپ کے تمام سوالات کے جواب دوں گا مگر اس سے پہلے آپ مجھے صرف اتنا بتایئے کہ آپ کو مجھ پر یقین ہے یا نہیں؟'' وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''اگر میری رائے جاننا چاہتے ہو تو اعتزاز مجھے ان الزامات پر یقین نہیں مگر بات صرف میرے یقین کی نہیں بلکہ ان الزامات کی ہے جو کسی حد تک تمہاری زندگی کی حقیقت پر مبنی ہیں۔ تمہاری نیہا سے منگنی ہوئی تھی اور تم اسے بہت چاہتے بھی ہو اور چاہت کا حصول اکثر انسان کو حد سے گزر جانے کے لئے مجبور کردیتا ہے مگر تمہاری وردی تمہیں یہ اجازت نہیں دیتی کہ تم لوگوں کی زندگی کے راستے کو اپنی مقرر کردہ منزلوں کے مطابق بدل دو۔'' وہ اپنے عہدے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عوام کی جانب سے اس کا احتساب کر رہے تھے۔

''کسی کو چاہنا یا چاہے جانے کی خواہش کو دل میں جگہ دینا تو انسان کا فطری حق ہے اور میں نے صرف اس حق کا استعمال کیا ہے، اس کے علاوہ میں نے کوئی حد پار نہیں کی۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''اعتزاز، تم سمجھتے کیوں نہیں کہ یہ مسئلہ بہت بڑھ سکتا ہے۔ ابھی ہم نے اپنے ڈپارٹمنٹ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس خبر کو میڈیا میں آنے سے روک لیا مگر کب تک......؟ اور اگر یہ خبر منظر عام پر آگئی تو سوچا ہے کہ ہمارے محکمے کی کتنی بدنامی ہوگی، کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ پولیس جو شہریوں کی جان و مال اور عزت کی محافظ ہوتی ہے، انہی سے لوگوں کی عزت محفوظ نہیں۔'' ان کے لہجے میں تاسف تھا یا طنز، وہ سمجھ نہیں پایا۔

''مجھے ہر بات کا احساس ہے، آپ میرے لئے بس اتنا کردیجئے کہ اگر آپ کو مجھ پر تھوڑا سا بھی اعتماد ہے تو مسز نیہا شفقت سے کہئے کہ صرف ایک مرتبہ وہ مجھ سے مل لیں، جو الزامات انہوں نے مجھ پر لگائے ہیں، میں ایک مرتبہ ان کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن تم ایسا کچھ مت کرنا کہ پھر کبھی میں تم پر اعتماد نہ کر پاؤں۔'' انہوں نے وارن کیا تو اعتزاز نے پہلے اثبات میں سر ہلایا اور پھر سیلوٹ کرکے ان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''نیہا، یہ تم کرتی کیا پھر رہی ہو۔ تم نے اعتزاز پر کیس کردیا ہے؟'' شاہدہ نے اُڑتی سی خبر سنی تو تڑپ گئیں اور فوراً نیہا کے پاس چلی آئیں۔ بہرحال اعتزاز ان کا بھتیجا تھا اور سب سے بڑھ کر انہیں یقین تھا کہ اعتزاز ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتا جس سے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچے۔ اس سے پہلے کہ نیہا کچھ کہتی، صوفیہ چاچی وہاں چلی آئیں۔

''آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ آپ کی بیٹی اتنی باوفا ہے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بھی اس کے قاتل کو سزا دلوانے کا حوصلہ رکھتی ہے اور یہ اس کی عظمت کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی خاطر اس شخص کو بھی معاف نہیں کیا جو اس کا پرانا عاشق ہے۔'' صوفیہ چاچی نے باتوں ہی باتوں میں طعنہ بھی دے دیا۔

نیہا کو یوں لگا گویا اسے بلندی پر کھڑا کرکے اچانک دھکا دے دیا گیا ہو اور وہ پستیوں میں آگری ہو۔

''آپ کیسی باتیں کررہی ہیں؟'' شاہدہ کا لہجہ ناگوار تھا۔

''میں آپ لوگوں کے لئے چائے لاتی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر چلی گئیں جبکہ شاہدہ بیٹی پر برس پڑیں۔

''تمہیں ہوکیا گیا ہے نیہا، تم اعتزاز کی زندگی کیوں مشکل کررہی ہو، وہ بھی ان لوگوں کی خاطر۔ ان کی خوشنودی کے لئے جو تمہارے متعلق اتنی گھناؤنی باتیں کرتے ہیں، ہر رونما ہونے والا ناخوشگوار واقعہ جس سے اگر تم ناواقف بھی ہو، اس کا ذمہ دار تمہیں ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔'' شاہدہ اب شفقت کے گھرانے سے واقف ہوچکی تھیں، اس لئے انہیں نیہا پر غصہ آرہا تھا۔

''امی، میں جو کررہی ہوں، کسی کی شاباشی یا واہ واہ کے لئے نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر، کررہی ہوں اور اپنے فرائض نبھانا آپ لوگوں نے مجھے سکھایا ہے اور بہتر ہے کہ ہم اب مزید اس کے متعلق کوئی بات نہ کریں۔'' وہ بے حسی سے بولی اور اندر چلی گئی۔

شاہدہ کو لگا جیسے وہ اعتزاز سے ان محرومیوں کا انتقام لینا چاہتی ہو اور نیہا کا سرد سا رویہ اس بات کی علامت تھا کہ والدین کے کئے فیصلے کی سزا وہ آج تک بھگت رہی تھی۔

☆......☆......☆

زاویال کمرے میں آیا تو لائبہ اپنا سامان سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ زاویال کو بڑی حیرت ہوئی، اس لئے پوچھ بیٹھا۔

''تم کہاں جارہی ہو؟''

''فی الحال تو کہیں نہیں مگر جانا تو ہے، اس لئے سوچا کہ ابھی سے اپنا سامان سمیٹ لوں تاکہ یہ یاد رہے کہ مجھے جانا ہے۔'' لائبہ وہی سامان رکھ رہی تھی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ زاویال نے خاص طور سے نوٹ کیا تھا۔ تب اس نے کہا۔

''کمرے کی ہر چیز پر تمہارا حق ہے، تم جو چاہو اپنے ساتھ لے جاسکتی ہو۔''

''اگر اس گھر سے کچھ لے جاؤں گی تو اس کو دیکھ کر مجھے اس گھر میں گزرا کوئی نہ کوئی لمحہ یاد آتا رہے گا، جو میں نہیں چاہتی کیونکہ اگر ایسا ہوا تو میری زندگی کی مشکلات بڑھ جائیں گی اور ہم تو آسان راہوں کی تلاش اور آسائشوں کی خواہش کے عوض سب کچھ لٹا دینے والے لوگ ہیں۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔ اُس نے دانستہ زاویال کی جانب نہیں دیکھا تھا، اس لئے وہ زاویال کے چہرے کے تاثرات جان نہیں پائی مگر زاویال جانتا تھا کہ لائبہ ضبط کی کن منزلوں سے گزر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس گھر میں رہنے والوں کے ساتھ رہنے کی عادت ہوگئی ہے، اس لئے شاید کچھ جذباتی لگاؤ بھی پیدا ہوگیا ہے مگر یہ سب وقتی ہے، جب تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو سب بھول جاؤ گی۔'' زاویال کا لہجہ بے تاثر تھا۔

ڈوبتا ساحل

سلمیٰ یونس

قسط : 6

''ہوں......'' اس نے اپنی کتابیں، سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جواب بھی کیا دیتی۔

''ویسے اگر تمہیں زندگی میں کبھی بھی میری ضرورت پڑے تو تم مجھے پکار سکتی ہو۔'' زاویال نرمی سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا اور ایک پل کے لئے لائبہ نے بڑی شدت سے خواہش کی کہ یہ پل اس کی زندگی کا آخری پل ہو۔ اسی لمحے میں اس کی زندگی تمام ہوجائے حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس خواہش کی کوئی منزل نہیں۔

تب اس نے سرعت سے خود کو سنبھالا تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر پلٹی تھی۔ ''مجھے ایسی آفر مت کیجئے کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے اپنی زندگی کا ہر پل مکمل کرنے کے لئے آپ کی ضرورت ہو اور اگر میری ہر پکار پر آپ لبیک کہتے رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو خود اپنے لئے بھی کوئی پل نہ ملے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تمہاری کچھ باتیں مجھے بڑی عجیب لگتی ہیں مگر یہ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ میں تمہارے سامنے لاجواب ہوجاتا ہوں اور گھنٹوں ان باتوں پر تنہائی میں سوچتے رہنے کے باوجود میں ان باتوں کا مطلب نہیں ڈھونڈ پاتا۔'' وہ صداقت سے بولا۔

''کاش تم چہرہ پڑھنا جانتے اور آنکھوں کے رنگ پہچان سکتے تو تم ہر سوال کا جواب پا جاتے مگر شاید تم اپنی زندگی میں اتنی کتابیں پڑھ چکے ہو کہ اب کتاب کے چند صفحات پڑھ لینے کے بعد ہی تم یہ طے کرلیتے ہو کہ وہ کتاب اچھی ہے یا بُری، پہلے جیسی ہے یا اس میں کچھ مختلف ہوسکتا ہے۔ تم کتاب کا ہر لفظ پڑھنا ضروری خیال نہیں کرتے ورنہ اب تک میرے دل کے ہر راز سے واقف ہوجاتے۔'' وہ یہ سب کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔

تب زاویال نے اُس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ نچایا۔ ''میڈم، کہاں کھوگئیں؟''

لائبہ چونکی، مسکرائی اور پھر نفی میں سر ہلادیا۔

☆......☆......☆

کمشنر صاحب نے ذمہ داری لی تھی، اس لئے نیہا، اعتزاز سے ملنے پر راضی ہوگئی تھی۔ اعتزاز اپنی چیئر کے بجائے اس کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھا تھا جبکہ نیہا نے سر سے پاؤں تک سیاہ چادر سے خود کو ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ دونوں کمرے میں تنہا تھے البتہ کمرے کے باہر کمشنر صاحب کے چند قابل بھروسہ لوگ کھڑے تھے۔

کتنے لمحے خاموشی سے بیت گئے، تب نیہا نے ہی پہل کی۔ ''کیا میں جان سکتی ہوں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔'' اس کا لہجہ کھردرا تھا۔

''میں جاننا چاہتا تھا کہ جو الزامات تم نے مجھ پر لگائے ہیں، خود سے لگائے ہیں یا کسی کے کہنے پر۔ ہوش و حواس کے ساتھ لگائے ہیں یا تم نے صرف دستخط کرنے کا فرض نبھایا ہے۔'' وہ سنجیدہ مگر بے حد مطمئن تھا۔

''مسٹر اعتزاز حسن آپ کے ساتھ جو ہورہا ہے، وہ میری مرضی سے ہورہا ہے اور کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔

''نہیں صرف تصدیق چاہتا تھا تاکہ فیصلہ کرسکوں۔ اب تم نے تصدیق کردی۔ اب کچھ کرتے ہوئے کم از کم مجھے یہ احساس جرم نہیں ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔'' اس کے لہجے میں اجنبیت دَر آئی۔

نیہا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آپ نے یہاں مجھے دھمکانے کے لئے بلایا ہے؟''

''نہیں بلکہ یہ بتانے کے لئے کہ اگر مجھے پھنسوانے کی کوشش کروگی تو تم بھی دنیا کی نگاہوں میں تماشا بن جاؤ گی اور یہ میں جانتا ہوں کہ تم کبھی بے عزت نہیں ہونا چاہوگی۔'' اعتزاز کا لہجہ دھیما مگر عجیب سا تھا۔

وہ اُلجھن بھری نظروں سے اعتزاز کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی اعتزاز اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور ٹیبل پر رکھی ایک نیلی فائل اس کی جانب بڑھائی۔ ''اس فائل میں تمہاری میڈیکل رپورٹ ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ تم شادی شدہ ہونے کے باوجود اب تک ویسی ہو، جیسی اپنے باپ کی چھت تلے تھیں۔ تمہارا اور شفقت کا ازدواجی تعلق کبھی قائم نہیں ہوا۔'' وہ بے حد اعتماد سے بولا اور نیہا کو حیرت کا زبردست دھچکا لگا۔

وہ حیران تھی کہ وہ بات جو آج تک اس نے اپنی ماں تک سے نہیں کی تھی، اعتزاز کو کیسے پتہ چل گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں پوچھ پائی۔

تب اعتزاز مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اگر ہم پولیس والے ثبوت تلاش کرنا چاہیں تو پاتال تک چلے جاتے ہیں۔ جب شاہدہ پھپھو کو ذرا سی غلط فہمی ہوئی تھی کہ کہیں تم امید سے تو نہیں، تو وہ تمہیں اپنے ساتھ ڈاکٹر فائزہ کے کلینک لے گئی تھیں جہاں تمہارے کچھ ٹیسٹ وغیرہ ہوئے تھے اور تم نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ رپورٹ بدل دیں تاکہ تمہارے گھر والے اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ سب ٹھیک ہے۔ تم تبدیل کی ہوئی رپورٹ تو لے گئیں مگر یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل رپورٹس کیا ہوئیں۔ وہ رپورٹس میرے پاس ہیں اور ڈاکٹر فائزہ نے میرے کہنے پر ہی وہ رپورٹس تبدیل کی تھیں۔ اُس وقت جو کیا، تمہاری بھلائی کے لئے کیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک دن انہی رپورٹس کو مجھے تمہارے خلاف استعمال کرنا پڑے گا۔'' اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

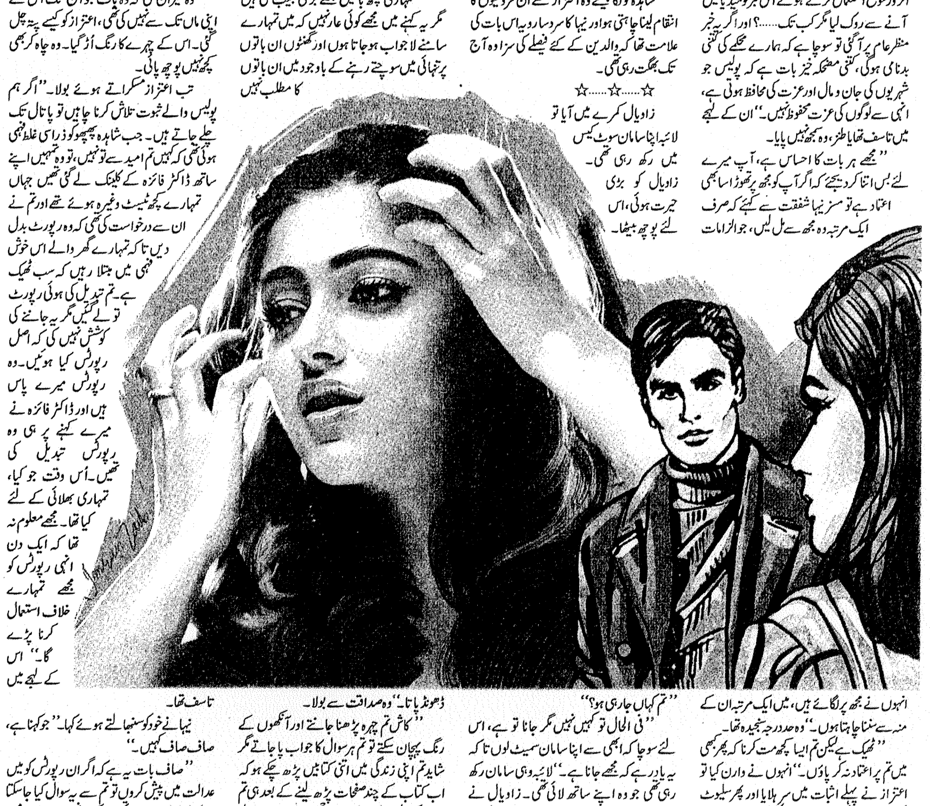

نیہا نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''جو کہنا ہے، صاف صاف کہیں۔''

''صاف بات یہ ہے کہ اگر ان رپورٹس کو میں عدالت میں پیش کروں تو تم سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آخر شفقت نے تمہیں کیوں نہیں اپنایا اور مجھے پتہ ہے کہ تم شفقت پر تو کوئی الزام نہیں آنے دوگی۔ رہ گئیں تم، یعنی تمہارے دل میں کوئی اور تھا جبھی تم نے اسے قریب نہیں آنے دیا اور یہ سب جانتے ہیں کہ شفقت سے پہلے تمہاری زندگی میں، میں تھا اور......''

اور اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتا، نیہا چیخ اُٹھی۔ ''خاموش ہوجائیں، اگر آپ نے ایک بھی اور لفظ بولا تو اچھا نہیں ہوگا۔ آپ کو کس نے حق دیا کہ آپ میرے کردار پر اُنگلی اُٹھائیں؟'' اُس نے بے قابو ہوکر اعتزاز کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں بیک وقت وحشت اور آنسو تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ اعتزاز کے الفاظ اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔

اعتزاز نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ ''ابھی میرے بولنے پر اتنی تکلیف ہورہی ہے، سوچو جب یہ بات عام ہوگی تب کیا کروگی؟ ابھی وقت ہے، سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا اور ہاں مجھ سے کسی نرمی کی توقع مت رکھنا کیونکہ اب میں بھی تمہاری طرح اپنے مفادات کے لئے جیوں گا۔ تم نے میرے صاف ستھرے کیریئر اور میری اب تک کی بہترین زندگی کو ایک سوالیہ نشان بنادیا ہے۔ اعتزاز حسن کے پاس تمہارے اس فعل کی معافی نہیں۔'' اعتزاز کا لہجہ پتھر کی سی سختی لئے ہوئے تھا۔

نیہا اندر ہی اندر لرز اُٹھی تھی۔

☆......☆......☆

آج بہت دن بعد زاویال اور عمران کلب پارٹی میں آئے تھے۔ سبھی زاویال کے اتنے دن غیر حاضر رہنے پر شکوہ کرنے لگے۔ زاویال نے جواز اپنی مصروفیات بتایا۔

تبھی کلب میں ڈانس شروع ہوگیا۔ ڈرنک کا دور چلنے لگا۔ وہ بھی اپنی مخصوص میز پر بیٹھ گئے۔ چند لمحے میں بہت سی لڑکیاں چلی آئیں جو زاویال کے ساتھ ڈانس کرنے کے لئے اصرار کررہی تھیں مگر زاویال نے معذرت کرلی۔ تب کاشف نے حیرت سے پوچھا۔ ''خیر تو ہے یہ آج سورج کہاں سے نکلا ہے۔ تم اور ڈانس کے لئے منع کررہے ہو حالانکہ تم تو کہا کرتے تھے کہ حسیناؤں کے دل بڑے نازک ہوتے ہیں، انہیں توڑنا نہیں چاہئے اور اگر کسی کا دل رکھ لو تو اس کی قربت ہمیشہ کے لئے حاصل ہوجاتی ہے۔'' کاشف ڈرنک ایک سانس میں چڑھا گیا۔ سب مسکرا رہے تھے۔ زاویال بھی مسکرادیا۔

''بھئی یہ زاویال صاحب بڑے استاد آدمی ہیں، ضرور ان کے ہاتھ کوہِ نور لگ گیا ہے، تبھی ان بیچارے نگینوں کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔'' دوسرے دوست وقاص نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''ہاں بھئی بات تو ایسی ہی ہے، جب یا آسانی لائبہ جیسی خوبصورت لڑکی مل جائے تو پھر باقی کسی کی کیا اہمیت رہ جائے گی۔'' عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

زاویال ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔ اُس کے چہرے کے خدوخال میں تناؤ سا آگیا۔ وہ اُٹھا اور کلب سے باہر نکل گیا۔

عمران تقریباً بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آگیا۔ عمران کو اس کے اچانک چلے جانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی، اس لئے عمران اُسے روکنے کی کوشش کررہا تھا جبکہ زاویال اس سے بات کرنے کے بھی موڈ میں نہ تھا۔ آخر عمران اس کا راستہ روکنے میں کامیاب ہوگیا۔

''یار، کہاں بھاگے چلے جارہے ہو؟'' عمران کی سانسیں غیر متوازن ہورہی تھیں۔

''عمران، تمہیں کس نے حق دیا کہ تم اس طرح سرِ محفل لائبہ کو ڈسکس کرو؟'' وہ بہت ضبط کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر غصہ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

''یار اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے۔ ہم تو ہر لڑکی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ آج تک تم نے کبھی اس طرح سے ری ایکٹ نہیں کیا اور ویسے بھی تم نے کسی شریف لڑکی کو نہیں بخشا، وہ تو پھر ایک......''

''بس اس سے زیادہ کچھ نہ کہنا کیونکہ میں برداشت نہیں کروں گا اور ایک بات یاد رکھنا، شریف لڑکیاں وہ نہیں ہوتیں جو پیدا تو بڑے بڑے گھرانوں میں ہوتی ہیں مگر چال چلن کسی بازاری عورت سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے بلکہ شریف لڑکیاں وہ ہوتی ہیں جو شوہر کی قربت کی خواہشمند بھی ہوں تو لبوں سے اظہار نہیں کرتیں کیونکہ وہ اپنی اَنا اور عزتِ نفس کو قربان کرکے کچھ بھی نہیں پانا چاہتیں۔ مسٹر عمران، شریف وہ لڑکیاں ہوتی ہیں جو دلوں کو تسخیر کرنا چاہتی ہیں، وہ نہیں جو اپنی ضرورتوں کے لئے اپنے مقام سے گر جائیں۔'' وہ بے حد غصے میں تھا۔

عمران بھی خفا ہوگیا۔ ''تم اس لڑکی کے لئے جو تمہاری کچھ نہیں، مجھے......''

''بہرحال میں نے اُس سے نکاح کیا ہے۔ اس ناتے وہ میری عزت ہے۔'' زاویال نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے ٹوک دیا۔

عمران حیران تھا۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ لائبہ کی خاطر زاویال اس سے بچپن کا تعلق ختم کررہا ہے۔

☆......☆......☆

زاویال آتے ہی کمرے میں بند ہوگیا۔ اس وقت آٹھ بج رہے تھے، سبھی لاؤنج میں بیٹھے ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ زاویال کا بگڑا موڈ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہا۔ ثریا بھابھی نے لائبہ کو وجہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔

وہ کمرے میں آئی تو کرسٹل کا گلدان اور کتنے ہی قیمتی شوپیس چور چور ہوئے قالین پر بکھرے پڑے تھے۔ لائبہ جانتی تھی کہ جب وہ شدید غصے میں ہوتا تھا تو اس طرح کی حرکتیں کرتا تھا۔ کانچ کے ٹکڑے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

لائبہ بڑی احتیاط سے اندر آئی۔ زاویال آنکھیں موندے ایزی چیئر پر بیٹھا تھا۔ لائبہ چیئر کے قریب آ گئی۔ ''آپ ابھی تک اسی طرح بیٹھے ہیں، فریش بھی نہیں ہوئے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' لائبہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

وہ اس کی موجودگی کو محسوس کر چکا تھا، اس لئے لائبہ کی آواز سن کر چونکا نہیں بلکہ بڑے اطمینان سے بولا۔ ''میں تھوڑی دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں، پلیز!'' وہ آنکھیں موندیں ہوئے بولا۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ بیڈ پر پڑا زاویال کا موبائل بج اٹھا۔ زاویال نے آنکھیں کھولیں اور اُٹھنا چاہتا تھا مگر لائبہ نے اُسے روک دیا اور خود آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا۔ اسکرین پر عمران کا نام نمایاں ہو رہا تھا۔

لائبہ کو یقین تھا کہ اب عمران سے بات کرکے زاویال ریلیکس ہو جائے گا، اس لئے اس نے فون زاویال کی جانب بڑھایا۔

''عمران بھائی کا فون ہے۔'' لائبہ کے لہجے میں نرمی تھی۔

زاویال نے اس سے موبائل لے لیا اور فون سنے بنا کاٹ دیا۔

''کیا بات ہے، آپ نے فون کیوں نہیں سنا؟'' لائبہ حیران تھی۔

''موڈ نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا اور موبائل جیب میں ڈال کر ذرا سا جھک کر شوز اُتارنے لگا۔

''آپ نے عمران بھائی سے بات کیوں نہیں کی؟'' لائبہ نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

زاویال خاموش رہا تو وہ مزید بولی۔ ''آج تک تو ایسا کبھی نہیں ہوا، پھر آج......!''

اور زاویال چڑ گیا۔ ''میرے آج اور کل میرے ہیں، ان پر تبصرہ یا تنقید کرنے کا حق میں کسی کو نہیں دیتا اور میں اپنے کسی بھی فعل کے لئے تمہارے سامنے جوابدہ نہیں ہوں، سمجھیں۔'' اس کے لہجے میں تلخی گھل گئی تھی۔

''جانتی ہوں، میرا آپ کی زندگی یا ذات پر کوئی حق نہیں، اس لئے یہ بات ہر بار مجھے جتانے کی ضرورت نہیں ہے مگر ان تمام حقائق کے باوجود میں خود کو آپ کی پریشانیوں اور تکالیف سے دور نہیں رکھ پاتی، یہ میری مجبوری ہے۔ ہر مرتبہ میری اس مجبوری کی وجہ سے میری عزت نفس اور میری اَنا کو چوٹ پہنچتی ہے۔ ہر بار میرے ماضی کے آئینے میں مجھے میرا چہرہ دیکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے، مگر میں......'' اس کی آنکھوں کی نمی میں اضافہ ہوگیا۔ زاویال کچھ کہنا چاہتا تھا مگر لائبہ اسے موقع دیئے بنا بولی۔ ''بہرحال یہ میرا پرابلم ہے۔ آئی ایم سوری، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔'' وہ اتنا کہہ کر جانے لگی۔

تبھی زاویال نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ لائبہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ زاویال اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے رخساروں پہ ٹھہرے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کر لئے۔ ''آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ نادم تھا۔ لائبہ خاموش تھی۔ وہ مزید بولا۔ ''نا چاہتے ہوئے بھی ہر بار میں تمہارے آنسوؤں کی وجہ بن جاتا ہوں، یہ میری بدقسمتی ہے۔ بہرحال آئی ایم ریئلی سوری۔'' وہ پُرتاسف لہجے میں بولا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

لائبہ جانتی تھی کہ بات ضرور بہت بڑی ہے ورنہ زاویال چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح سے ڈسٹرب نہیں ہوتا تھا مگر آخر عمران اور زاویال کے درمیان ایسی کیا بات ہو سکتی تھی کہ زاویال اپنے سب سے عزیز دوست سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُلجھ ہی رہی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس سوال کا جواب اسے کم از کم زاویال سے نہیں ملے گا۔

☆......☆......☆

رات جب سب کھانا کھانے بیٹھے، تب نیہا نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ وہ اعتزاز کے خلاف کیس واپس لے رہی ہے۔ بس ایک قیامت سی آ گئی۔ صوفیہ چاچی تو جلے ہوئے لہجے میں فردوس چاچا سے بولیں۔ ''دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ یہ اپنے عاشق کا ہر حال میں ساتھ دے گی۔ ارے میں تو اتنے دنوں سے یہی سوچ رہی تھی کہ یہ کیس کرنے پر راضی کیسے ہوگئی۔'' ان کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

نیہا نے چپکے سے شفقت کی والدہ کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں کئی شکوے تھے مگر وہ بنا کچھ کہے دسترخوان سے اُٹھ گئیں۔

نیہا ان کے پیچھے چلی آئی۔ وہ اپنے کمرے میں پلنگ پر بیٹھی تھیں، ان کی آنکھوں میں آنسو اور ہاتھوں میں شفقت کی فریم شدہ تصویر تھی۔ آہٹ پر انہوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور نیہا کو دیکھتے ہی انہوں نے منہ پھیر لیا۔

نیہا کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس گھر میں ایک وہی تو تھیں جن کے دل میں اس کے لئے جگہ تھی، جنہوں نے کبھی اس کا دل نہیں دکھایا تھا، اس کی ہر تکلیف کو محسوس کیا تھا۔ نیہا ان کے قدموں میں آ بیٹھی۔

''ماں، آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوں۔'' وہ ملتجی تھی۔

''میں نے سوچا تھا کہ تم ایک عورت ہو لیکن اس کے باوجود تمہیں ایک ماں کے درد کا احساس ہے مگر لوگ سچ کہتے ہیں۔ ایک عورت شاید ایک عورت کا دُکھ سمجھ سکتی ہے مگر ایک عورت کسی ماں کا دکھ نہیں سمجھ سکتی، تبھی تم نے اتنی آسانی سے شفقت کے قاتل کو معاف کر دیا اور شاید تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا کیونکہ نقصان تو ہمارا ہوا ہے، بیٹا تو میں نے کھویا ہے۔''

''ماں، مجھے احساس ہے آپ کے دُکھ کا۔'' اور وہ مزید کچھ کہتی، وہ چیخ اٹھیں۔ ''نہیں ہے احساس اور اگر ہوتا تو آج تم اسے ہر الزام سے بری الذمہ کر رہی ہو۔'' وہ شاکی لہجے میں بولیں۔

اور تب نیہا نے انہیں وہ وجہ بتا دی جسے سن کر انہوں نے بے حد حوصلہ افزاء جواب دیا۔ ''ہر خرابی کا ذمہ دار میرا بیٹا تھا، تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں، میں خود تمہاری پاکیزگی کی گواہ ہوں۔'' تو نیہا کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اعتزاز کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوگی۔ یہ سب اس نے فون کر کے بڑے حوصلے سے اعتزاز حسن سے کہہ دیا تھا۔ اعتزاز نے کچھ نہیں کہا کیونکہ وہ بہت آگے کی پلاننگ کر چکا تھا اور بات صرف اس کیس کی نہیں تھی، بات اس کی محبت کی تھی جسے نیہا نے ہوس کا نام دیا تھا، بات اس کے کریکٹر کی تھی اور اب اس کے اندر کا ضدی انسان جاگ اُٹھا تھا، جو سب کچھ تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔

اگر محبت پہ ضد غالب آ جائے تو تمام جذبات و احساسات منجمد ہو جاتے ہیں، پھر انسان تمام حدیں، تمام دائرے توڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اعتزاز کی کیفیت بھی کچھ ایسی تھی۔ اب جب سوال اَنا کا آ گیا تھا تو وہ صرف ایک مرد بن کر نیہا کو جیت لینا چاہتا تھا۔ اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس کے اٹھائے قدم کا اس کی زندگی اور اس کی ذات پر کیا اثر ہوگا۔ اب اُسے بس ویسا ہی بن کر دکھانا تھا جیسا وہ اس کے متعلق سوچتی تھی۔ نیہا کو اندازہ نہ تھا کہ آئندہ اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔

☆......☆......☆

لائبہ چاہنے کے باوجود جب زاویال سے کچھ نہیں جان پائی تو وہ عمران سے اس کی فرم میں ملنے چلی آئی۔ پہلے تو عمران نے اسے دو گھنٹے تک انتظار کرایا اور جب کمرے میں بلوایا تو بیٹھنے تک کو نہیں کہا۔ لائبہ کو بڑا عجیب لگا مگر اس کے باوجود اس نے بہت مؤدبانہ انداز میں سلام کیا، جس کا جواب عمران نے روکھے سے لہجے میں دیا۔

''کیا بات ہے عمران بھائی، آپ کیا مجھ سے خفا ہیں؟'' اس نے نرمی سے سوال کیا۔

''ویسے مجھے لگتا ہے کہ سوال مجھے کرنا چاہئے مگر کیا فائدہ جبکہ مجھے یقین ہے کہ جواب میں سچائی ہرگز نہیں ہوگی۔''

عمران کے لہجے میں طنز تھا۔ لائبہ سے اب برداشت نہیں ہوا تو کہہ بیٹھی۔ ''آپ کو جو کہنا ہے عمران بھائی، صاف صاف کہیں۔ پلیز'' اب اس سے ضبط نہیں ہو رہا تھا۔

''بھائی، بہن، گھر اور شوہر...... ان تمام لفظوں کے معنی جانتی ہیں آپ؟'' لہجہ اب بھی ویسا تھا۔ ''یہ رشتے ہیں جو انسان کی ذات کو بدل دیتے ہیں۔ لفظ نہیں جو صرف ایک معنی کو جنم دیتا ہے۔''

لائبہ کو غصہ آنے لگا۔ گویا وہ اسے انسان نہیں سمجھتا تھا۔ آج عمران کا سلوک اور رویہ لائبہ کی سوچ سے بالاتر تھا۔ ''بہرحال میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ آپ کو جتنا پیسہ چاہئے، مجھ سے لے لیں مگر پلیز زاویال کی زندگی سے دُور چلی جائیں کیونکہ آپ کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے ان رشتوں کا دامن چھوٹنے لگا ہے، جو اس کی زندگی سے وابستہ ہی نہیں، اُس کا اثاثہ بھی ہیں۔ یہی عالم رہا تو ایک دن وہ تنہا رہ جائے گا، وہ بکھر جائے گا۔ تمہیں شاید کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن جو حقیقتاً اس کے اپنے ہیں، انہیں فرق پڑے گا۔ تمہیں تو دولت لٹانے والا کوئی اور مل جائے گا مگر اپنے تو زندگی میں صرف ایک ہی بار ملتے ہیں، اگر وہ کھو جائیں تو دوبارہ نہیں ملتے اور......''

اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں سن پائی۔ خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ عمران کو لگ رہا تھا کہ اس نے زاویال کو لائبہ کو اپنی زندگی میں شامل کر کے اچھا نہیں کیا کیونکہ اس کی وجہ سے رشتوں میں دراڑیں پڑ رہی تھیں، جو مناسب نہیں تھا۔ اگر آج ان کی برسوں پرانی دوستی خطرے میں تھی تو کل لائبہ کی وجہ سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ یہی وہ خوف تھا جس کے تحت عمران نے اسے زاویال کی زندگی سے نکل جانے کو کہا تھا کیونکہ زاویال اُسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا، اس لئے اسے تہی داماں ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

درحقیقت اُسے لائبہ کی نیت پر نہیں بلکہ مہوش بیگم کی تربیت پر یقین نہ تھا۔ مہوش بیگم جو اپنی تربیت یافتہ لڑکیوں کے ذریعے نجانے کتنے گھر

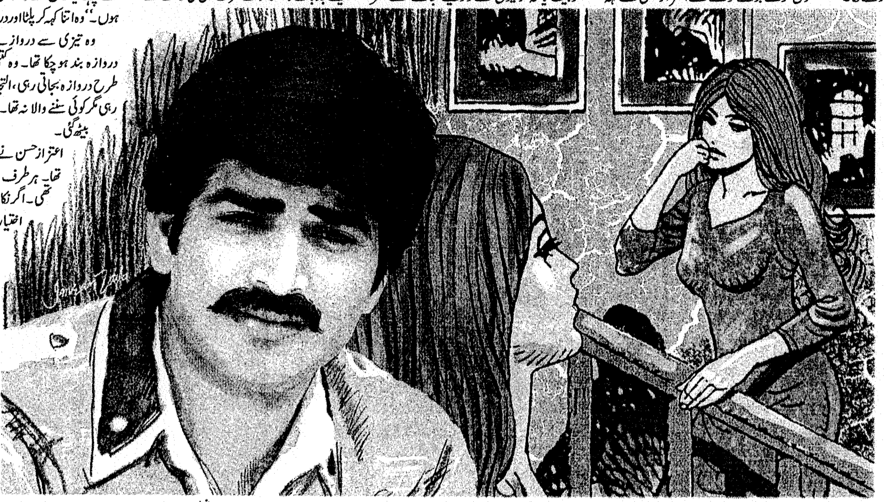

برباد کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

بالآخر زاویال کا اقبال صدیقی کے ساتھ بزنس کرنے کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اس نے اقبال صدیقی کے ساتھ رہ کر اس کے غیر قانونی بزنس کے متعلق اتنے ثبوت پولیس کو فراہم کئے، جس کی بنا پر آج اقبال اور احمر دونوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ اس کے لئے پولیس اس کی بڑی ممنون تھی۔

جب یہ خبر اخبار میں آئی تو سکندر خیام کی شان میں مزید اضافہ ہوا، سب کے سر فخر سے تن گئے۔ آج پہلی بار سکندر خیام کو اپنا بیٹا قابل، سمجھدار اور ذمہ دار لگا تھا اور آج پہلی مرتبہ ہی انہیں احساس ہوا کہ لائبہ ان کی وہ بہو ہے، جس نے ہمیشہ اپنی ذمہ داریاں نبھائی ہیں مگر ان کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہی غیر مناسب رہا ہے، اس لئے انہوں نے سب کے سامنے لائبہ سے معافی مانگی۔

لائبہ اور شرمندہ ہوگئی۔ اُسے لگ رہا تھا کہ بس وہ ابھی کھڑے کھڑے مر جائے گی، بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے یا پھر آسمان اس کے سر پر آ گرے اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر جائے مگر وہ بے بس تھی۔ درحقیقت یہ وہ لمحے تھے جو کسی بھی تہی داماں عورت کے لئے حاصل زیست ہو سکتے تھے مگر وہ عورت جو اتنی خوش نصیب ہو کہ جو صرف ایک مرد کے لئے ہو مگر وہ جانتی تھی کہ وہ اتنی خوش قسمت نہیں ہے۔

سکندر خیام بہت خوش تھے اور اسی خوشی میں انہوں نے رات باہر فیملی ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ لائبہ نے سادہ مگر بے بی پنک کلر کی جارجٹ کی ساڑھی کچھ ایسے سلیقے سے باندھی کہ ہلکے سے میک اَپ اور تراشیدہ بالوں میں وہ منفرد سی لگ رہی تھی۔ اسی لئے جب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی میچنگ ٹاپس پہن رہی تھی تو زاویال کہے بنا نہ رہ سکا۔ ''تم ساڑھی میں بہت منفرد لگتی ہو۔'' اس کے انداز میں بے ساختگی اور لہجے میں گہرائی تھی۔

لائبہ نے بے اختیار اُسے دیکھا۔ زاویال کی آنکھوں میں جو تھا، وہ لائبہ کا دل دھڑکا گیا مگر وہ اس لہجے کی گرفت میں آ کر جولیا کی مجرم نہیں ہونا چاہتی تھی اور نہ ہی عمران کے خدشات کو سچ کرنا چاہتی تھی، اس لئے جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر نارمل لہجے میں بولی۔ ''جانتی ہوں اور اپنے چاہنے والوں سے بارہا سن چکی ہوں، حقیقتاً انسان اپنے چاہنے والوں کے ذریعے ہی اپنی ذات کے ہر پہلو سے واقف ہوتا ہے۔'' اپنے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر وہ خود کو پُراعتماد ظاہر کرنا چاہتی تھی مگر جواباً زاویال نے بغور اسے دیکھا تو لائبہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

''پلیز آپ مجھے اس طرح سے مت دیکھا کریں۔'' وہ بے اختیار کہہ گئی اور لائبہ کی اس گھبراہٹ نے اس کی معصومیت کو زاویال کے سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ معصومیت اور سادگی جس کی وجہ سے زاویال کو اپنی زندگی میں موجود ہر لڑکی سے مختلف کرتی تھی۔

تبھی وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''حیرت ہے، میں تو تمہارے چاہنے والوں کی فہرست میں شامل نہیں، اس کے باوجود صرف میری سادہ سی نگاہوں سے گھبرا گئیں تو اپنے پروانہ وار چاہنے والوں کی بے باک انداز میں کی گئی تعریفیں کیسے برداشت کرتی ہوگی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے گویا جتایا کہ وہ اس کے جھوٹ اور سچ کو پرکھ سکتا ہے۔

لائبہ شرمندہ سی ہوگئی۔ زاویال چلا گیا لیکن اُسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ نیک نیتی سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تھی، وہ بھی ڈھنگ سے نہ بول سکی۔ یہ تو طے تھا کہ اب ہر صورت اُسے زاویال کی زندگی سے نکلنا ہے کیونکہ اس کا دل جو زاویال کے لئے محسوس کرنے لگا تھا۔ ایسے جذبات و احساسات صرف اس کی ذات کے لئے نہیں بلکہ زاویال اور اس کی فیملی کی زندگیوں میں کئی بڑے مسائل کھڑے کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

نیہا کو جب ہوش آیا تو کمرے میں مدھم سی روشنی تھی۔ اُس نے بغور اپنے اردگرد دیکھا۔ آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ یہ کمرہ، یہاں کی ہر شے نامانوس سی تھی۔ نیہا نے ذرا سا ذہن پر زور ڈالا تو اُسے یاد آیا کہ وہ گھر سے کچھ سامان خریدنے کے لئے مارکیٹ جا رہی تھی، تبھی ایک گاڑی اس کے قریب آ کر رکی اور اس سے دو آدمی تیزی سے اُترے اور اس سے قبل کہ نیہا کچھ سمجھ پاتی، ان میں سے ایک نے سرعت سے اس کی ناک پر رومال رکھ دیا اور اس کے بعد نیہا کو کچھ یاد نہ رہا۔

اور اب ہوش آیا تو اس نے خود کو اس اجنبی کمرے میں پایا اور اس سے قبل کہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا، کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی کمرے میں داخل ہوا اور کمرہ ایکدم تیز روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ اُس نے عجیب سے احساس کے تحت اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا، پھر کسی کے بھاری قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھیں۔ نیہا کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔ تبھی اسے ایک شناسا آواز سنائی دی۔ وہ آواز جسے وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی مگر نجانے کیوں اس کے باوجود آنکھیں کھولنے کا حوصلہ نہ تھا۔

''آنکھیں بند رکھو یا کھلی، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت صرف اعتزاز حسن ہے۔''

نیہا نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔ اس کی روح فنا ہونے لگی۔ وہ بیڈ سے اُتر آئی۔ اب اس کی سب سمجھ میں آ رہا تھا کہ کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ اعتزاز کا کیس واپس لینے کے لئے اُسے فورس کرنا، نیہا کا اس کے سامنے نہ جھکنا، اعتزاز کی خاموشی اور آج اس کا اغوا...... اُف خدایا، یہ مجھے کیوں یاد نہ رہا کہ اعتزاز حسن ہار نہیں مان سکتا۔ وہ اپنی بے عزتی کا بدلا لینے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ اسے اپنی عقل پر افسوس ہو رہا تھا لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت...... اس وقت نیہا بھی ایسی کیفیت میں تھی۔ اس کی جان نکل رہی تھی مگر اس کے باوجود وہ بڑے حوصلے سے بولی۔ ''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں، کیا بگاڑا ہے میں نے؟''

اعتزاز نے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے اُسے ناگواری سے دیکھا۔ ''واہ کون قربان نہ ہو جائے اس معصومیت پر، میری زندگی بگاڑ دی، مجھ سے سر اُٹھا کر جینے کا حق چھین لیا، میں نے کتنی محنت کے بعد اپنے بل بوتے پر جو مقام حاصل کیا، وہ بھی تمہاری وجہ سے داؤ پر لگ گیا حالانکہ تم جانتی تھیں کہ یہ میرے لئے صرف جاب نہیں بلکہ میری زندگی کا اہم مقصد تھا مگر شفقت کا انتقام لینے کی خاطر تم نے مجھے اخبار کی شہ سرخی بنا دیا اور لوگ میری ایمانداری پر شک کرنے لگے۔ میں لوگوں کی نگاہوں میں ناقابل بھروسا شخصیت بن گیا مگر خیر ایک موقع تمہیں ملا، جس سے تم نے فائدہ اٹھایا، اب ایک موقع مجھے ملا ہے، تمہیں یہ احساس دلانے کا کہ رسوائی کے ساتھ جینا کیسا ہوتا ہے۔ تم بھی تو ذرا اس اذیت کو محسوس کرو جس سے میں گزر رہا ہوں۔'' وہ اس کی جانب بڑھنے لگا۔

وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ خوف اس کی آنکھوں میں آ ٹھہرا۔ یوں لگ رہا تھا کہ بس وہ اگلی سانس نہیں لے سکے گی۔ یکدم اعتزاز رک گیا۔ ''فکر مت کرو، میں تمہیں نکاح کے بنا ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن اگر تم نے نکاح سے انکار کیا تو آگے جو ہوگا، اس کی ذمہ دار تم ہوگی۔ بس ایک بات یاد رکھنا، میری ہوئے بنا آج تم اس گھر سے باہر نہیں جاؤ گی۔ نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد اس کا حق میں تمہیں دیتا ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر پلٹا اور دروازے سے نکل گیا۔

وہ تیزی سے دروازے کی سمت دوڑی مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک پاگلوں کی طرح دروازہ بجاتی رہی، التجائیں کرتی رہی، روتی رہی مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔ تب نیہا وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

اعتزاز حسن نے اسے بند گلی میں لا پٹخا تھا۔ ہر طرف سے گھاٹے میں وہی تھی۔ اگر نکاح کے بنا اُسے خود پر اختیار دے دیتی تو تمام عمر نگاہ اُٹھانے کے لائق نہ رہتی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا بدلہ وہ اس کے گھر والوں سے لینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ آخر وہ کس کس کو اپنی پاک دامنی کا یقین دلاتی۔ کیسے ثابت کرتی کہ اس نے اپنی حدیں نہیں توڑیں اور شفقت کے گھر والے...... اس کا دماغ بند ہونے لگا۔ دل سے اعتزاز کے لئے بددعائیں بھی نکلیں مگر سچائی یہ تھی کہ وہ اس وقت اعتزاز کے اختیار میں تھی۔ وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

تب اس نے کوئی راستہ نہ پا کر مولوی صاحب اور چار گواہوں کی موجودگی میں نکاح نامے پر دستخط کر دیئے۔ درحقیقت یہ اس کی موت کا پروانہ تھا اور وہ اپنے ہاتھ سے اُسے خود کو قتل کرنے کی اجازت دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

زاویال ڈنر کے بعد لائبہ کو لانگ ڈرائیو پہ لے گیا۔ آج گھر والوں کی وجہ سے اُس نے ڈنر جلدی کر لیا تھا کیونکہ آج اتفاق ہی تھا کہ کوئی بھی لنچ نہیں کر پایا تھا، سو ڈنر سے جلدی فارغ ہو گئے۔ یوں بھی سب چاہتے تھے کہ وہ کچھ وقت اکیلے گزاریں اس لئے بیگم جہاں آراء نے ہی انہیں ساتھ بھیج دیا۔ چکنی اور صاف ستھری سڑک پہ گاڑی پُرسکون انداز میں رواں دواں تھی۔

لائبہ بہت خاموش تھی۔ ذہن میں اپنا ماضی و حال گڈمڈ ہو رہا تھا۔ وہ بظاہر باہر دیکھ رہی تھی مگر حقیقتاً وہ ایک عجیب سے کرب سے گزر رہی تھی۔ سب سے زیادہ تو خوفزدہ وہ ان جذبات سے تھی جو زاویال کے حوالے سے اس کے دل میں جنم لے رہے تھے۔ انسان کا یہ المیہ ہے کہ وہ باہر سے جتنا بااختیار اور آزاد ہوتا ہے، اندر سے اتنا ہی محکوم اور پابند ہوتا ہے۔ اپنے جذبات کے سمندر میں اٹھنے والی ہر لہر کو وہ ساحل تک پہنچتے تو دیکھ سکتا ہے مگر سمندر کا رخ موڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔

لائبہ کو اکثر اس بے بسی پر رونا بھی آتا مگر یہ محبت کا کھیل ہوتا ہی ایسا ہے، جو سوچ سمجھ کر کھیلا جاتا ہے اور نہ ہی یہ ہار جیت سے مشروط ہوتا ہے۔ زاویال کافی دیر سے اس کی بدلتی ہوئی کیفیات دیکھ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی اضطراری حرکت جیسے اس کے دل کا ہر راز فاش کر رہی تھیں۔

تبھی زاویال نے نرمی سے کہا۔ ''اقبال صدیقی اور احمر کا باب اب ختم ہو چکا ہے اور دیکھنا بہت جلد وہ راستہ نکل آئے گا جو تمہیں تمہارے اپنوں تک لے جائے گا۔ اب تم وہ سب پالو گی جو تم چاہتی ہو۔'' وہ جیسے اس کے اندر زندگی کی رمق پیدا کرنا چاہ رہا تھا۔

''رشتے دھاگے کی طرح ہوتے ہیں، ٹوٹ کر اگر انہیں جوڑنے کی کوشش کی جائے تو شاید وقتی طور پر کام چل جاتا ہے مگر ایک گرہ ہمیشہ باقی رہتی ہے اور اس گرہ کو کھولنے کی مجھ میں ہمت نہیں اور شاید اب اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''کیوں......؟'' زاویال نے اُسے چونک کر دیکھا۔

''کیونکہ اب مجھے تمام رشتے بے معنی لگتے ہیں۔ رشتے خون کے ہوں یا کاغذ کے، اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ازلی ہوتے ہیں۔ نہیں زاویال صاحب، رشتوں کے نام مختلف ہوتے ہیں مگر سب کی تقدیر ایک سی ہی ہوتی ہے۔'' لائبہ اسی لہجے میں بولی۔ آنکھوں میں نمی سی اُتر آئی۔

زاویال نے کچھ کہنے کے بجائے اس کی گود میں رکھے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ لائبہ نے نگاہیں اٹھا کر اُسے دیکھا۔ اُس کا لمس وہ اپنی رُوح پہ محسوس کر رہی تھی۔ دل کے بند دروازے پر اچانک پے در پے بے حد ساری دستکیں ہونے لگیں۔ اس گھڑی اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے دل کا دروازہ کھول دے، صرف زاویال کے لئے مگر اگلے ہی پل اسے زاویال کی آنکھوں میں جولیا کا عکس دکھائی دینے لگا مگر پتہ نہیں کیوں لائبہ کو لگا کہ جیسے زاویال سکندر کو نہ تو جولیا کی محبت کا احساس تھا اور نہ ہی لائبہ کے دل و جاں پہ گزرنے والی اس قیامت کا، جو اس پل کا سچ تھی۔

لائبہ نے جلدی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لئے۔ زاویال نے جلدی سے گاڑی کو سنبھالا جو ذرا بے دھیانی کی وجہ سے اس کے کنٹرول سے باہر ہوئی تھی۔ لائبہ باہر دوڑتے بھاگتے نظاروں کو دیکھنے لگی۔

نہیں زاویال سکندر، نہیں۔ ٹوٹے مکانوں میں رہنے والوں کو گھر کی آرزو نہیں کرنی چاہئے کیونکہ آرزوئیں راستوں کی طرح بے شمار ہوتی ہیں لیکن ہر راستے پر ہر ایک کی منزل ہو، یہ ضروری تو نہیں، تم بھی میرے لئے زندگی کا وہ راستہ ہو جہاں منزل نہ ہونے کا مجھے اٹوٹ یقین ہے۔'' لائبہ اُسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

زاویال نے اس کی جانب دیکھا تو اس نے سرعت سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ زاویال نجانے کیوں مسکرا اُٹھا تھا۔

☆......☆......☆

پچھلے چند گھنٹوں میں وہ ہو گیا تھا جس کا نیہا نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ اس کا اغوا، اعتزاز سے اس کا نکاح اور یہ نکاح کاغذی نہیں رہا تھا۔ اعتزاز نے اس کا غرور اپنے قدموں تلے روند ڈالا تھا۔ اس گزرے چند گھنٹوں میں اس نے اچھی طرح نیہا کو باور کرا دیا تھا کہ مرد اپنی اَنا کے لئے کس حد تک جا سکتا ہے۔ اُسے اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے انتقام کی آگ سے کسی کی عزت کا دامن جل جائے یا وقار جھلس جائے۔ وہ بیڈ پر بیٹھی تھی، تبھی وہ تولئے سے بال رگڑتا باتھ روم سے برآمد ہوا۔

اُس نے اک نظر نیہا کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ نیہا کو اس وقت وہ درندے سے بھی بدتر لگ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے قتل کر ڈالے مگر اس کے اندر اتنی طاقت نہ تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرنے لگا۔ بلیک جینز اور شرٹ میں وہ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا مگر نیہا کی نگاہ میں اس سے زیادہ بدصورت انسان دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔

وہ اس کی پشت پر آن کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ آئینے میں اس کا عکس دیکھ کر اعتزاز مسکرا دیا، پھر اس کی جانب پلٹا اور اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ ''ویسے ہماری جوڑی کافی اچھی لگتی ہے، کیا خیال ہے؟'' وہ اس کی رائے طلب کرتے ہوئے بولا۔

جواباً اس نے ناگواری سے اعتزاز کو دیکھا اور نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اپنی بے بسی پہ رونا آ رہا تھا، اس لئے ضبط کے باوجود آنکھیں نم سی ہوگئیں۔

''حیرت ہے تم مجھ سے ناراض ہو حالانکہ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں نے تم سے نکاح کیا، تمہیں عزت دی ورنہ چاہتا تو......'' وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے ادھورے جملے میں بہت کچھ تھا۔

''عزت...... ہنہ'' وہ کرب سے مسکرائی۔ ''اگر یہ عزت ہے تو نجانے ذلت کیسی ہوتی ہے۔'' وہ بے حد اذیت میں تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی آنسو موتیوں کی صورت رخساروں پر ٹھہر گئے۔

اعتزاز نے اس کے آنسو صاف کرنا چاہے مگر نیہا نے بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ (جاری ہے)

اعتزاز نے اُسے خفگی سے دیکھا تو وہ تلخی سے بولی۔ ''آنسو پونچھنے کا حق اُسے دیا جاتا ہے جس پر اعتبار ہو اور مجھے آپ پر اعتبار نہیں رہا، بالکل نہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر کرسی پہ پڑا اپنا پرس اُٹھا کر تیزی سے دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

آج جو ہو رہا ہے، اس کی ذمہ دار تم ہو، تم نے مجھے اس حد تک آنے پر مجبور کیا ہے، محبوب کو تماشا بنا کر ایک مرد کو وحشی بننے پر مجبور کیا ہے۔ اعتزاز نے جیسے خود کو صفائی دی مگر اندر کہیں کوئی بہت بے سکون تھا۔

☆......☆......☆

نیہا کو آتے آتے بہت وقت ہو گیا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ چادر لپیٹتی اندر داخل ہوئی تو تخت پر ماہ رخ بیٹھی دکھائی دیں اور سامنے کرسی پر صوفیہ چاچی بیٹھی تھیں جنہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں شک تھا۔ نیہا غیر ارادی طور پر نگاہیں چرا گئی۔ دل بڑے زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر انہیں شک ہو گیا اور مجھ سے کوئی سوال کر لیا تو میں جھوٹ بول پاؤں گی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ شفقت کی ماں سے نگاہیں ملائے۔ اگر انہیں یہ پتہ چل جائے کہ جو حق سہاگن ہوتے ہوئے شفقت نے اُسے نہیں دیا تھا، وہ حق سزا کی طرح ان کی بیوہ بہو کو ایک غیر نے دے دیا ہے...... تو کیا ہو گا۔ وہ شرم کے مارے زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔

صوفیہ چاچی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ''یاد آ گئی گھر کی......؟'' ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

وہ خاموش رہی، کیا جواب دیتی۔ اس وقت تو وہ خود کو اس مقام پر محسوس کر رہی تھی کہ کوئی اسے گالیاں دیتا، پتھروں سے لہولہان کر دیتا، تب بھی وہ کچھ نہ بولتی۔ وہ کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ تب وہ پھر سے بولیں۔ ''سنا نہیں، میں پوچھ رہی ہوں کہ اب تک مہارانی کہاں تھیں؟'' اس مرتبہ چاچی کے لہجے میں تلخی کے ساتھ طنز بھی شامل تھا۔

تب وہ بڑے حوصلے سے بولی۔ ''میں جس راستے سے ہمیشہ مارکیٹ جاتی ہوں، آج غلطی سے کسی اور سڑک پر چلی گئی۔ اس سڑک، پر، کسی کا، ایکسیڈنٹ، ہاں ایکسیڈنٹ ہو گیا، اس لئے وہاں ٹریفک، ٹریفک جام ہو گیا، بڑی مشکل سے واپس لوٹنے کا راستہ ملا۔'' وہ بمشکل جھوٹ بول پائی۔

''حیرت ہے، پہلی مرتبہ میں نے کسی کو اتنا سوچ سوچ کر سچ بولتے دیکھا ہے۔'' وہ اب شاکی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ تبھی ماہ رخ نے مداخلت کی۔ ''اب بس بھی کرو، دیکھو ہر بات میں شک ٹھیک نہیں ہوتا، یوں بھی تم اس لڑکی پر شک کیسے کر سکتی ہو جس نے اپنی پوری زندگی اس شخص کے نام کر دی جس نے اسے کبھی کوئی سکھ نہیں دیا، یہاں تک کہ اس کی خاطر اپنوں سے لڑ رہی ہے۔'' ان کی تعریف میں بڑا فخر تھا۔

نیہا کو اپنا وجود پستیوں میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مزید وہاں نہیں ٹھہر سکی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسے اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خود کو ختم کر دے مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی موت مسائل کا حل نہیں تھی۔

☆......☆......☆

احمر ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا چونکہ وہ لائبہ کی اصلیت جان چکا تھا، اس لئے اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس کا مقصد صرف لائبہ کو اپنے قدموں میں جھکانا تھا۔ لائبہ اس وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اس پر نیہا نے بھی اس سے رابطہ کر کے اپنی پریشانیوں کی داستان سنائی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ لائبہ کے علاوہ کوئی اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ لائبہ نے اُسے تسلی تو دے دی مگر وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اب اُسے اپنی بہن کے لئے کیا کرنا تھا۔ ادھر احمر تو راحیلہ کا کالج تک جان گیا تھا اور اُسے دھمکی دے رہا تھا کہ اگر اس نے احمر کے ساتھ رشتہ نہ رکھا تو وہ راحیلہ کا بہت بُرا حشر کرے گا۔

مہوش بیگم ملک سے باہر تھیں ورنہ وہ ان سے مدد مانگتی۔ اس کے بعد اعتزاز تھا لیکن اس نے جو نیہا کے ساتھ کیا، اس کے بعد اس سے مدد مانگنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا اور زاویال...... اُس پر اسے اتنا حق نہ تھا کہ اپنی مدد کے لئے کہہ سکتی۔ یوں بھی اس کے پاس جو زندگی تھی، وہ خود اپنے لئے جینا چاہتا تھا لہٰذا اس کے لئے وہ اپنے بزنس کا نقصان کیوں کرتا۔ وہ بھلا اس کی تھی کون......؟

احمر نے دو دن بعد اُسے ہوٹل میں ملنے کے لئے بلایا تھا۔

اُسے پتہ نہیں تھا کہ زاویال سے کوئی توقع رکھنا ٹھیک تھا یا نہیں مگر اُسے یہ ضرور پتہ تھا کہ کم از کم وہ اس ناتے ضرور اس کا ساتھ دے گا کہ وہ اس وقت اُس کی چھت تلے رہ رہی ہے۔ اسی یقین کے ساتھ وہ تب کمرے میں آئی جب وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ''اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہو تو مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ بڑے دھیمے لہجے میں بولی۔

اُس کی آنکھوں میں اُمید کے جلتے دیئے ایک دم سے بجھ گئے، جب اس نے کہا...... ''ابھی میری ضروری میٹنگ ہے، ابھی نہیں رُک سکتا۔ بعد میں وقت ملا تو سن لوں گا۔'' وہ عجلت میں تھا۔

لائبہ کا جی چاہا، پوچھے کہ کیا میں ان لڑکیوں سے زیادہ گئی گزری ہوں جنہیں تم اپنی پوری راتیں دے دیتے ہو۔ شاید اس لئے کہ وہ تمہاری دوستی حاصل کرنے کے لئے تم پر اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہیں اور میں...... بھلا تم کو مجھ سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ دور ہی ایسا ہے کہ جب تک کسی سے مفاد وابستہ نہ ہو، اس سے ہمدردی کرنا بھی وقت کا زیاں لگتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ دل دکھ رہا تھا مگر شاید خدا نے اس کے سینے میں دل رکھا ہی دکھ سہنے کو تھا۔ وہ جانے لگا مگر دروازے تک پہنچتے ہی کسی خیال کے تحت پلٹا۔ ''میری میٹنگ پانچ بجے تک ختم ہو جائے گی۔ تم میرے آفس کے پاس والے پارک میں آ جانا، وہیں بات کرتے ہیں۔'' پتہ نہیں وہ کس جذبے کے تحت کہہ گیا۔

''تھینکس''...... وہ خوش ہو گئی۔

☆......☆......☆

اُس نے پارک میں پہنچتے ہی زاویال کو مطلع کر دیا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر میں آنے کو کہا مگر اس کے بعد کتنا وقت بیت گیا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے اور بادل چھانے کی وجہ سے اندھیرے میں اضافہ ہو گیا۔

سلمیٰ یونس

قسط : 7

تھوڑی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ اس کا جی چاہا کہ وہ گھر لوٹ جائے مگر پھر اُسے لگا کہ اگر وہ لوٹ جائے گی تو زاویال سوچے گا کہ وہ وعدہ شکن ہے اور پھر وہ کبھی اس پر شاید بھروسہ نہ کر پائے۔ کتنے لوگ اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی پگلی ہو، جو اتنی بارش میں بھی پناہ کی تلاش میں بھاگنے کے بجائے راستوں پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ شاید وہ کسی کی منتظر تھی۔

ایک عورت...... نے چلتے چلتے رُک کر اس سے کہا۔ ''بیٹی سردیوں کی بارش ہے، سردی لگ کر بیمار ہو جاؤ گی۔'' ان کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

''آنٹی بس وہ آتے ہی ہوں گے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ اس کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا۔

زاویال آفس سے گھر آتے ہوئے پارک کے سامنے سے گزرتا تھا۔ ابھی گزرتے ہوئے اُسے خیال آیا تو وہ اندر چلا آیا۔ لائبہ کو دیکھ کر اُسے دھچکا لگا۔ لائبہ کی موجودگی حقیقتاً زاویال کے لئے غیر متوقع تھی اور اس کی حالت دیکھ کر صاف ظاہر تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا وجود برف سا ہو رہا تھا۔ وہ اس حالت میں اُسے گھر نہیں لے جا سکتا تھا کیونکہ وہ اگر اُسے گھر لے جاتا تو وہ ہر ایک کے، ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے لائبہ کو اپنے ساتھ عمران کے گھر لے آیا تھا۔ عمران اور عذرا انہیں دیکھ کر حیران ہوئے تھے مگر زاویال نے انہیں اپنی مجبوری بتا دی۔

عذرا، لائبہ کو کمرے میں لے گئی تاکہ اس کے کپڑے وغیرہ تبدیل کرا سکے۔ زاویال نے ڈاکٹر کو فون کر دیا۔

☆......☆......☆

لائبہ کو بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ زاویال کب سے اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔ ایک پل کے لئے رات کی تنہائی میں اُس کا دل بے ایمان ہوا تھا مگر نجانے کیوں اُس نے خود کو روکا تھا۔ اُسے زندگی میں پہلی مرتبہ لگا کہ اس کا نفس اُسے گناہ کی راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ اُسے لائبہ کی وہ بات یاد آ گئی تھی جب ایک مرتبہ زاویال نے کہا تھا۔ ''تم جانتی ہو، میں فرشتہ نہیں پھر بھی میرے ساتھ ایک کمرے میں کیسے رہ لیتی ہو؟'' تب جواباً لائبہ نے کہا تھا۔ ''یہ ضروری تو نہیں کہ ایک انسان سبھی کے لئے بُرا ہو اور ویسے بھی آپ بیگم جہاں آراء جیسی ماں کے بیٹے ہیں جنہیں امانت میں خیانت کرتے نہیں دیکھا۔''

وہ ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا اور عذرا کو اس کے پاس بھیج کر لیونگ روم میں چلا آیا جہاں عمران پینے پلانے کے موڈ میں بیٹھا تھا۔ عمران نے اسے ڈرنک کا پوچھا تو اس نے منع کر دیا۔ تبھی زاویال کا موبائل بجنے لگا جو وہ لیونگ روم میں چھوڑ گیا تھا۔ روحی کا نام دیکھتے ہی اس نے فون کاٹ دیا۔ عمران کو بہت حیرت ہوئی۔ اس لئے وہ بولا...... ''آج تمہارا اس کے ساتھ پروگرام فکس تھا۔ وہ اپنے فارم ہاؤس پر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' اس کا انداز یاد دلانے والا تھا۔

''موڈ نہیں ہے، رہنے دو۔'' اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکالا اور ہونٹوں میں دبا کر لائٹر سے شعلہ دکھایا۔ پتہ نہیں کیوں آج عمران کو وہ بہت بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ دونوں کا ساتھ بچپن کا تھا مگر اس نے آج تک زاویال کی زندگی میں عورت کی حیثیت ایک کھلونے جتنی دیکھی تھی، جس سے وہ اپنی خواہش کے مطابق جب تک چاہے کھیلتا اور دل بھر جانے پر ایک طرف پھینک دیتا مگر آج اس نے لائبہ کی تیمارداری کرتے اور اس کے لئے فکر مند ہوتے دیکھا تھا۔ یہ اس کے لئے نئی بات تھی۔ اس لئے وہ کہے بنا نہ رہ سکا۔ ''میں سمجھا تھا کہ تم روحی کے پاس اس لئے نہیں جا رہے کہ آج رات تم لائبہ کے ساتھ رہو گے مگر تم اس کے پاس میری بیوی کو چھوڑ کر آ گئے حالانکہ یہ تمہارا مزاج نہیں۔''

''اگر وہ میرا خیال رکھتی ہے یا میری پروا کرتی ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ میری دولت یا میری شخصیت سے مرعوب ہے۔ اس کے لئے یہ سب چیزیں بے معنی ہیں، اگر اہمیت ہے تو انسانوں کی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ کبھی اپنی تکلیف پر نہیں روتی۔ دوسروں کی تکلیف پر اس کی آنکھیں ضرور نم ہو جاتی ہیں۔''

''تمہیں اس سے محبت تو نہیں ہو گئی؟'' عمران نے اُسے شاکی نگاہوں سے دیکھا۔

وہ ایک دم چونک اُٹھا مگر سرعت سے بولا۔ ''میں کمٹ منٹ پر یقین رکھتا ہوں، ان فضول جذبوں پر نہیں۔'' اس نے اتنا کہہ کر رُخ پھیر لیا۔

عمران کو عجیب لگا مگر خاموش رہا۔ پہلے ہی اس نے زاویال کو بڑی مشکل سے منایا تھا۔ اب لائبہ کے حوالے سے کچھ غلط کہہ کر اس کی دوستی کو نہیں کھو سکتا تھا کیونکہ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لائبہ کے معاملے میں اس کا نظریہ بدلنا ناممکن ہے۔

☆......☆......☆

لائبہ ہوش میں آئی تو زاویال اس کے پاس ہی موجود تھا۔ وہ اُٹھنا چاہتی تھی مگر زاویال نے اُسے روک دیا اور پھر تکیے سیدھے کر کے اس کو تکیوں کے سہارے بٹھا دیا۔ لائبہ نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس وقت زاویال کے گھر میں نہیں ہے۔ پھر یہ کس کا گھر تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی مگر اس نے سوال نہیں کیا بلکہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہی تھی۔ زاویال نے اندازہ لگایا کہ وہ اس سے ناراض تھی۔

''تمہارا فون آنے کے بعد میں تم سے ملنے آنا چاہتا تھا مگر میں بزی ہو گیا، جب یاد آیا تو سوچا کہ اب تک تم گھر چلی گئی ہو گی۔ مجھے بالکل یقین نہ تھا کہ تم......'' وہ رکا پھر دوبارہ کہنا شروع ہو گیا۔ ''آئی ایم سوری، تمہیں میری وجہ سے اتنا انتظار کرنا پڑا۔''

اُس کا آخری دیا بھی بجھ گیا ہو۔

زاویال کو سچ مچ تکلیف ہوئی تھی۔ وہ کرسی سے اُٹھ کر بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لائبہ نے دانستہ چہرہ اوپر نہیں اُٹھایا مگر زاویال نے ٹھوڑی تھام کر اس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا۔ لائبہ کی آنکھوں میں ڈھیروں نمی تھی۔ ''زاویال سکندر نے آج تک جانے انجانے اتنے لوگوں کو رُلایا ہے کہ اب کوئی روئے بھی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، شاید یہ میری بے حسی ہے مگر نجانے کیوں اس بے حسی کے باوجود مجھے تمہارے آنسوؤں سے فرق پڑتا ہے کیونکہ اس دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں، جو چاہے اَن چاہے رشتوں کو بھی بے لوث ہو کر نبھاتے ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو۔ شاید اسی لئے میرے دل میں تمہارے لئے عزت ہے۔'' اس نے صداقت سے کہا۔

لائبہ حیران تھی اور اس حیرت میں اضافہ تب ہوا جب عذرا نے اسے بتایا کہ زاویال نے کس طرح اس کی تیمارداری کی۔

☆......☆......☆

نیہا نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی ہی نگاہوں میں گنہگار تھی۔ احساسِ جرم اُسے اندر ہی اندر سخت پریشان کر رہا تھا۔ گھر میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی تو وہ میکے چلی آئی۔ اُس کا خیال تھا کہ ایک دو دن وہاں گزارے گی تو جی ہلکا ہو جائے گا مگر لگتا تھا کہ چین اس کی تقدیر میں تھا ہی نہیں۔ اس کے یہاں آتے ہی اعتزاز کے چکر لگنے لگے اور وہ اس قدر ذو معنی باتیں کرتا کہ سب چونک جاتے اور نیہا کے سینے میں سانس اٹک جاتی۔

اُسے ہر پل لگتا کہ بس اب بھانڈا پھوٹا۔

وہ رات بھر جاگتی رہتی اور صبح کاموں میں مصروف رہتی۔ شاہدہ کو اس کی حالت دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا۔ آخر رہا نہ گیا تو انہوں نے ماہ رخ کو بھی ان کی بہو کی جوانی اور اکیلے پن کا احساس دلایا اور سب کی مشترکہ رائے سے یہ طے پایا کہ نیہا کی دوبارہ شادی کر دی جائے اور یہ خبر پوری برادری میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

اعتزاز کے تو پاؤں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی۔ اس نے ابھی نت نئے طریقوں سے نیہا کو ستانا تھا، اپنا ہر بدلہ لینا تھا مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور ہو گئی۔

وہ لنچ ٹائم میں افتخار فاروقی کے گھر آیا۔ اتفاق تھا کہ گھر میں اس وقت نیہا کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی۔ وہ وہیں چلا آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ نیہا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اتنا غصے میں کیوں تھا؟ مگر وہ چاہ کر بھی نہ پوچھ سکی۔

وہ ایک دم برس پڑا۔ ''تمہارا دماغ تو خراب نہیں، تم ایک شادی شدہ عورت ہوتے ہوئے کسی اور سے شادی کی ہامی کیسے بھر سکتی ہو؟''

''کیوں کیا میری زندگی کے تمام فیصلے آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میری زندگی پر میرا کوئی اختیار نہیں؟'' وہ سفاکی سے بولی۔

''میں نے جو کیا مذہب اور قانون کے مطابق کیا مگر تم تو ہر حد توڑ رہی ہو، صرف مجھ سے انتقام لینے کی خاطر تم گناہ و ثواب کو بھی پس پشت ڈال رہی ہو۔'' اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

''اگر یہ گناہ ہے تو کیا ایک عورت سے اس کی رضا کے بنا اس رشتے کو نبھانے کے عہد نامے پر دستخط لینا اور بند کمرے میں اُس کے ساتھ زبردستی کرنا، وہ بھی محض اپنی انا کی تسکین کے لئے، کیا یہ ثواب ہے؟'' اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نیہا نے موقع نہیں دیا۔ ''یا پھر نکاح کی آڑ میں کسی کو لوٹ لینا آپ کی نگاہ میں ثواب ہے؟'' وہ اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھے سزا دینے کے لئے مجھ سے بدلہ لینے کے لئے اس حد تک جا سکتی ہو؟'' اس مرتبہ بھی اس کا لہجہ پُر تاسف تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیسے روکے اور روکنا بہت ضروری تھا۔ وہ بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس سے جائز رشتہ ہوتے ہوئے وہ کسی غیر مرد سے ایک ناجائز تعلق استوار کرے۔

''یہ زندگی ہے۔ یہاں جو جس کے حوالے سے سوچا ہوتا ہے، وہ اس کے برعکس نکلتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہر انسان فرشتہ ہوتا۔'' اس کا لہجہ طنز لئے تھا۔ مگر اعتزاز نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھا۔ ایک انہونی ہونے جا رہی تھی۔ اعتزاز حسن اپنے ہی بچھائے جال میں پھنس گیا تھا۔

☆......☆......☆

احمر کے متعلق لائبہ نے زاویال کو سب بتا دیا تھا اور اُس نے جواباً صرف اتنا کہا تھا کہ اب وہ کبھی اُسے پریشان نہیں کرے گا اور اگلے دن ایک انہونی ہوئی۔ احمر نے اس سے فون کر کے اپنے سابقہ رویئے پر معافی مانگی تھی۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ آخر رات بھر میں ایسا کیا ہو گیا کہ اس جیسے گھٹیا شخص نے لائبہ سے معافی مانگی تھی۔

اس نے احمر کے گھر فون کیا تو اس کے ملازم سے معلوم ہوا کہ احمر اس وقت اسپتال میں ہے۔ اس سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ زاویال نے اسے کون سے طریقے سے سمجھایا ہو گا۔

زاویال ابھی جاگنگ کر کے لوٹا تھا اور لان میں بیٹھا تھا۔ لائبہ اس کے لئے فریش جوس لے آئی۔ زاویال نے اُسے دیکھا تو چونک گیا۔ ''تم جوس کیوں لے آئیں، گھر میں کوئی نوکر نہیں ہے کیا؟'' اُس نے جوس تھامتے ہوئے کہا۔

لائبہ اس کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ اس وقت صبح کی بہت خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔

''میں لاؤں یا کوئی نوکر، فرق کیا پڑتا ہے۔'' وہ عام سے لہجے میں بولی۔

تب زاویال ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ''مجھے فرق پڑتا ہے، اس لئے کہ تم نوکر نہیں ہو۔''

''میری حیثیت شاید ان کے برابر بھی نہیں ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''ایک بات یاد رکھنا جب تک تم اس گھر میں ہو، تمہاری حیثیت اور مقام وہی ہے جو اس گھر کی باقی خواتین کا ہے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

تب لائبہ موضوع بدلنے کی خاطر بولی۔ ''احمر کی غلطی اتنی بڑی بھی نہیں جتنی آپ نے اسے سزا دی ہے۔ اتنا جذباتی ہونا ٹھیک نہیں ہوتا۔''

''تمہیں احمر کی فکر ہو رہی ہے؟'' زاویال کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

''مجھے آپ کی فکر ہے، اگر بات بگڑ جاتی تو پولیس کیس ہو سکتا تھا۔ میری وجہ سے آپ پر یا اس خاندان پر آنچ آئے، یہ مجھے گوارا نہیں ہے اور وہ بے اختیار بول رہی تھی۔ ایک دم کچھ خیال آنے پر رک گئی۔

''اور کیا؟'' زاویال کی پوری توجہ اس پر تھی۔

''میں ایک پل کے لئے خود ہی بھول گئی کہ اتنا جذباتی ہو جانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ جذبات میں آ کر انسان وہ کچھ کہہ جاتا ہے، جو اس کو نہیں کہنا چاہئے یا پھر اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔'' وہ اتنا کہہ کر جانے لگی۔

تبھی زاویال کی آواز اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔ وہ رُک تو گئی مگر پلٹی نہیں۔ زاویال اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ لائبہ نے نگاہ نہیں اٹھائی۔

تب وہ بولا۔ ''میں اس پل کو کبھی نہیں بھولوں گا اور تم اَن کہے لفظوں کو میری امانت سمجھنا۔ وہ امانت جو تمہیں ایک دن مجھے لوٹانی ہے۔''

لائبہ نے اسے چونک کر دیکھا۔ زاویال سنجیدہ تھا۔ اس لئے وہ بات مذاق میں نہ ٹال سکی۔

☆......☆......☆

شفقت کے چاچا اور چاچی نیہا کی شادی سے خوش تھے کیونکہ کسی اور کے نام سے منسوب ہوتے ہی اس گھر میں اور اس گھرانے کی جائداد سے تمام حقوق ختم ہو جاتے اور ان کی اولاد کا شاندار مستقبل بن جاتا۔

نیہا کو کچھ لوگ دیکھنے آئے تو افتخار فاروقی نے برادری سے کچھ خاص لوگوں کو مدعو کیا، ان میں نازنین اور حسن علی کو بھی بلایا گیا تھا۔ اب تک تو نیہا نے اعتزاز کو سبق سکھانے کے لئے بڑے حوصلے کا ثبوت دیتے ہوئے شادی کے لئے ہامی بھری تھی مگر اب اس احساس سے ہی اس کی رُوح فنا ہو رہی تھی کہ اُسے اُن لوگوں کے سامنے جانا ہو گا، جو اس کے لئے رشتہ لے کر آئے تھے۔

جو ہوا تھا جیسے بھی ہوا مگر بہر حال یہ حقیقت تھی کہ وہ ایک مکمل شادی شدہ عورت تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ تبھی سنیعہ اُسے بلانے آ گئی۔

اندر لڑکے والے نیہا کو بُلا رہے تھے۔ وہ ٹرے تھامے اندر آئی مگر جونہی ٹرے میز پر رکھ کر پلٹی تو آنکھوں آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ سر چکرانے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ زمین پر گرتی سنیعہ، نازنین اور شاہدہ نے اُٹھ کر اُسے تھام لیا۔

☆......☆......☆

اعتزاز کی بے چینی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ تو جیسے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ گھر والے جونہی واپس آئیں گے، وہ انہیں حقیقت بتا دے گا کیونکہ اب اس رشتے کو خفیہ رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ دنیاوی انتقام کے پیچھے خدا کے عذاب کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا، اُسے خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنے گھنٹے سے لان میں ٹہل رہا ہے، تبھی ہارن کی آواز پر چوکیدار نے گیٹ کھولا تو اعتزاز کے قدم خود بخود تھم گئے۔

سب کے چہروں پر وہ خوشی نہ تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ گھر سے سب کتنے خوش خوش گئے تھے مگر اب چہرے پہ خوشی کی چمک نہ تھی۔ سب تیز تیز قدموں سے اندر چلے گئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لیونگ روم میں آ بیٹھا۔

''عمران وہ میرے متعلق سب جاننے کے باوجود مجھ پر بھروسہ کرتی ہے اور میں اس کے بھروسے کو توڑ کر اُسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ سنا ہے کہ اگر دنیا میں ایک مرتبہ کسی کا بھروسہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں جڑتا۔'' وہ ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولا۔

''بھروسہ تو تم پر ہر وہ لڑکی کرتی ہے، جن کا دل تم اپنے قدموں تلے روند دیتے ہو مگر ان کا دل ٹوٹنے کی تمہیں پروا نہیں مگر اس لڑکی کی تکلیف کا احساس ہے جو تمہاری زندگی میں ضرورت بن کر آئی ہے۔'' اُسے حیرت ہوئی۔

''قصور آپ کا نہیں، آپ نے مجھے انتظار کرنے کو نہیں کہا تھا۔ غلطی میری ہے۔ میں نے یہ سوچ لیا کہ زاویال سکندر جو اپنی زندگی صرف اپنے لئے جینا جانتے ہیں۔ اپنی اتنی ڈھیر ساری مصروفیات چھوڑ کر اس لڑکی کے لئے آئیں گے جس کا ان کی زندگی پر حق ہے اور وہ نہ ہی ان کا اس کی جانب کوئی فرض...... اپنی اس خوش فہمی کے لئے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔'' لائبہ بے حد مایوس تھی۔ اس وقت اس کی حالت اس مریض کی سی تھی جس کی زندگی اور موت کے درمیان صرف ایک امید باقی ہو اور اچانک ایک سرد ہوا کے جھونکے سے

تب نازنین بولیں۔ ''مجھے تو اب بھی یقین نہیں ہو رہا کہ بظاہر معصوم نظر آنے والی لڑکی کے کرتوت ایسے ہو سکتے ہیں۔ ابھی اس کے شوہر کو مرے دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ اس نے یہ گل کھلا دیا۔ شاہدہ بیچاری کی تو قسمت ہی خراب ہے۔ دونوں بیٹیاں ایک سے بڑھ کر ایک نکلیں۔'' نازنین کے لہجے میں دُکھ تھا۔

''خیریت تو ہے ناممّا، سب ٹھیک تو ہے؟'' اعتزاز نے سوالیہ اور کچھ اُلجھی نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''مجھے تو یہ بات زبان پر لاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ نازنین نے کہتے ہوئے حسن علی کی جانب دیکھا۔ حسن علی سمجھ گئے کہ وہ چاہتی ہیں کہ وہ خود بیٹے کو یہ بات بتائیں۔ تب وہ بولے۔ ''نیہا ماں بننے والی ہے۔'' ان کے لہجے میں نفرت سے زیادہ بے یقینی تھی۔

اعتزاز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کے لئے بیک وقت یہ خبر حیران کن اور غیر متوقع تھی۔

کتنا انوکھا تھا یہ احساس کہ اب کوئی اُس سا اِس دنیا میں آنے والا تھا۔ روز جب وہ گھر سے نکلتا تھا تو اُسے اپنے واپس لوٹنے کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اُسے کبھی اپنی موت سے ڈر نہیں لگا مگر جب کبھی وہ تنہائی میں سوچتا کہ اس کے چلے جانے کے بعد ان پر کیا بیتے گی تو لرز جاتا مگر اب اُسے خوشی اس بات کی تھی کہ اس کے جانے کے بعد اس کی اولاد کو دیکھ کر اس کے ماں باپ کا دکھ بہت حد تک کم ہو جائے گا۔ وہ ایک پل میں اس آنے والی زندگی کے متعلق نجانے کیا کچھ سوچ بیٹھا۔

تبھی حسن علی کی آواز پر چونک اٹھا۔ ''جی، جی آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ پھر آگے کی تفصیلات جاننے کے خیال سے بولا۔ ''یہ خبر سننے کے بعد سب کا ردِّعمل کیا تھا؟'' وہ درحقیقت نیہا کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔

''اگر وہ شفقت کی اولاد ہوتی تو یقیناً سبھی کے لئے یہ خوشخبری ہوتی مگر اس کے مرنے کے اتنے وقت بعد یہ خبر قیامت سے کم نہیں۔'' وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔ ''بہرحال اچھا ہی ہے وہ میری بہو نہیں ورنہ میں تو اسے زندہ درگور کر دیتا۔''

تب اعتزاز نے بڑی احتیاط سے سوال کیا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے، نیہا کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟''

''پتہ نہیں مگر فی الحال نیہا کے ماں، باپ نے اُسے اس کے سسرال والوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں اس کو سزا دیں۔'' وہ لاپروائی سے بولے۔ مگر اعتزاز نیہا کے لئے بہت فکر مند ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے لائبہ سے مدد چاہی تھی۔ لائبہ نے اس سے ملنے کی ہامی بھر لی تھی مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس سے کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ اس گھر کی الجھنوں میں الجھ کر اُسے یہ تو یاد ہی نہ رہا تھا کہ اس وقت اس کی ضرورت اس کی بہن کو ہے۔

☆......☆......☆

زاویال آفس سے لوٹ رہا تھا، تبھی اس کی نگاہ سڑک پر اپنے دھیان میں مگن چلتے ہوئے شخص پر پڑی مگر اس سے قبل کہ وہ اسے بچانے کے لئے گاڑی کو بریک لگاتا، ایک اور گاڑی تیزی سے آئی اور اگلے پل وہ شخص سڑک پر پڑا تھا۔

اتنے میں کچھ اور لوگ بھی اردگرد جمع ہو گئے۔ زاویال تیزی سے گاڑی سے اُتر کر وہاں آیا۔ گاڑی والا بھاگ چکا تھا۔ لوگ اسے کوس رہے تھے۔ زاویال نے اس شخص کو اپنی گاڑی میں ڈالا اور اسپتال لے آیا۔

کتنی دیر ہو گئی مگر اب تک اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ زاویال اب تک اسپتال کی لابی میں موجود تھا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر نے اُسے گھر جانے کے لئے کہا مگر وہ اُسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

جب اس شخص کو ہوش آیا تو ڈاکٹر نے زاویال کو اس کے خطرے سے باہر ہونے کی خبر سنائی۔

زاویال اس سے ملنے آیا تو وہ بستر پر لیٹا خلاؤں میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

زاویال اندر چلا آیا اور کرسی پر اس کے بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔ ''السلام علیکم'' آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' یہ وہ جملہ تھا جو ہر مریض ہی کہتا ہے مگر اس شخص کا جواب اس کے برعکس تھا۔ مجھے موت کے منہ سے بچا کر تم نے جو مجھے زندگی دی ہے، وہ میرے لئے کسی بد دعا سے کم نہیں ہے۔ تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے، بہت ظلم کیا ہے۔''

''آپ کو زندگی سے نفرت کیوں ہے؟'' زاویال کو حیرت ہوئی۔

''یہ تم نہیں سمجھو گے۔'' وہ کرب سے آنکھیں موندتا ہوا بولا۔ زاویال نے مزید کچھ نہیں کہا، اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

زاویال واپس آ کر بھی اس شخص کے متعلق سوچتا رہا جو مر جانا چاہتا تھا۔ لائبہ نوٹ کر رہی تھی کہ جب سے وہ آیا تھا، تب سے بہت اُلجھا ہوا تھا۔ اس لئے جب اُس نے رات گئے تک اسٹڈی کی لائٹ جلتے دیکھی تو اسٹڈی کے کھلے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اندر آنے کو کہا۔ لائبہ اندر چلی آئی۔

وہ کمپیوٹر کے آگے بیٹھا تھا، نگاہیں اسکرین پر تھیں مگر دھیان کہیں اور تھا۔

''آپ کے لئے کافی لاؤں۔'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے زاویال کو دیکھا۔

اس نے گردن موڑ کر لائبہ کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی پوری طرح سے یہاں موجود نہ تھا۔

وہ سامنے آ گئی۔ ''کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے کیا؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''نہیں بس ایسے ہی...... کچھ خاص نہیں، کبھی کبھی یونہی چھوٹی چھوٹی باتیں الجھن کا سبب بن جاتی ہیں۔'' وہ ٹیبل پر رکھے سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکالتے ہوئے بولا اور پھر ہونٹوں میں دبایا اور لائٹر سے اُسے شعلہ دکھایا اور ایک بھرپور کش لیا۔

''مثلاً؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے زاویال کو دیکھا۔

تب وہ نا چاہتے ہوئے بھی اُسے بتانے لگا۔ ''لائبہ ہماری عمر کے لوگوں کے پاس مرنے کی اس لئے بہت سی وجوہات ہوتی ہیں کیونکہ ہم لوگ زندگی کی قدر نہیں جانتے مگر جو لوگ زندگی کو سمجھتے ہیں، اس کی دھوپ چھاؤں سے بہت کچھ سیکھا ہوتا ہے، وہ لوگ اگر موت کو زندگی پر ترجیح دیں تو کیا یہ بات حیران کن نہیں؟''

''جب انسان زندگی کی مسلسل آزمائشوں سے تھک جاتا ہے تو ایک موڑ ایسا بھی آتا ہے کہ انسان بڑی شدت سے خواہش کرتا ہے کہ موت اُسے اپنی پناہ میں لے لے۔ کچھ عرصے قبل میں بھی ایسی کیفیت سے گزر رہی تھی کیونکہ میری زندگی میں کوئی ایسا رشتہ نہ تھا جسے اجنبیوں کی بھیڑ میں، میں یاد کروں تو ایسا لگے کہ دنیا میں کوئی ہے جو اپنا ہے، جسے سوچوں تو اپنے زندہ ہونے کا احساس ہو۔ اگر آنکھوں میں نمی یا ہونٹوں پہ مسکان آئے تو صرف اس رشتے کے سبب...... وہ رشتہ جو کہنے کو تو زندگی میں شامل ہو مگر حقیقتاً وہ زندگی سے بڑھ کر ہو مگر اب مجھے تقدیر سے کوئی شکوہ نہیں کیونکہ اب میرے جیون میں ایسا رشتہ ہے جو کل کو زندگی میں نہ بھی رہا تو پھر بھی جینے کی وجہ رہے گا اور......'' وہ بے اختیار بولتی چلی جا رہی تھی، ایک دم نگاہ زاویال پر پڑی۔ وہ اسے بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ ضرورت سے زیادہ بول گئی۔

زاویال اُٹھ کھڑا ہوا اور دھیرے سے اُسے شانوں سے تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جہاں حیرت تھی، شاید لائبہ کے لئے یہ غیر متوقع تھا مگر وہ بولی کچھ نہیں۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کبھی بھی اپنے دل کی بات کھل کر نہیں کہو گی مگر میں اتنا ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں اس رشتے کی زیادہ جگہ ہے یا میری اہمیت اس سے بڑھ کر ہے؟ تمہاری نا، یا تو آج ہمارے درمیان اتنے فاصلے بڑھا دے گی کہ اگر چاہیں بھی تو وہ ہٹ نہ پائیں یا پھر تمہاری ہاں ہماری روحوں کو ایک کر دے گی اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تب تمہیں زمانے کی گرم ہوا چھو تک نہیں سکے گی۔'' اس کا لہجہ آنچ دے رہا تھا۔

ایک پل کے لئے لائبہ کا جی چاہا کہ اس پل کو اپنا مقدر کر لے مگر اگلے پل اُسے جولیا کا خیال آیا جسے زاویال سکندر پر اتنا اعتبار تھا کہ اس نے کبھی اس پر گمان تک نہیں کیا کہ کسی اور رشتے میں بندھ کر وہ اُسے بھول جائے گا۔ لائبہ نے بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے ہٹائے تھے۔ زاویال کے لئے شاید یہ عمل غیر متوقع تھا، اس لئے وہ حیران تھا۔

''زاویال، وفادار وہ ہوتا ہے جو بے وفائی کے تمام مواقع اپنے ہاتھ سے گنوا دے مگر افسوس کہ آپ جولیا سے بے وفائی کا ایک موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ نے جانے انجانے مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں اور میں اس کے لئے ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی مگر آپ کے احسانات کی قیمت میں اپنے ان جذبات کو آپ کی اس وقتی خواہش کی نذر کر کے نہیں چکا سکتی، جس پر آپ کا کوئی حق نہیں۔'' وہ دل مضبوط کر کے بڑی تلخی سے بولی اور اس سے قبل کہ وہ کچھ کہہ پاتا، اسے کچھ سمجھاتا، وہ جا چکی تھی۔

زاویال کو بہت دکھ ہوا تھا کہ اس نے ایک پل میں اس کے خلوص و صداقت کو بدگمانی کی ایسی ٹھوکر ماری کہ دل کسی شیشے کی مانند ٹوٹ کر بکھر سا گیا۔ اتنا تکلیف دہ پل اس کی زندگی میں کبھی نہ آیا تھا۔

ہُونہہ، بیوقوف ہوتے ہیں جو دل کے دکھائے راستوں پر چلتے ہیں۔ ان راستوں پر چلنے سے منزل نہیں ملتی، صرف ذلت و رسوائی ملتی ہے۔ میں بھی خواہ مخواہ اس دل کے بہکاوے میں آ گیا اور جان بوجھ کر کسی کو خود کو ٹھکرانے کا موقع دیا...... موقع دیا کہ وہ زاویال سکندر کو ارزاں جانے، اس کی فیلنگز کو ڈس رسپیکٹ کرے۔ اس کے اندر کا ضدی و خودسر انسان اُسے کوس رہا تھا۔ اس پل ہر الزام دل کے نام تھا۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں وہ لوگ بدقسمت ہوتے ہیں یا بہت عظیم، جن کی پیاس صحرا سی ہو، سمندر خود کو مٹا کر بھی ان کی پیاس بجھانے کی آرزو رکھتا ہو مگر وہ لوگ کسی اور کے پیاسے رہ جانے کے خوف سے سمندر کی جانب سے رخ پھیر لیں۔ لائبہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں ان لمحوں کو کھو دیا جو اس کے راستے کے تمام خاروں کو گلابوں میں بدل سکتے تھے۔ اس نے جو کیا، جو کہا، اس سے وہ انسانیت کے سامنے سرخرو ہو گئی مگر محبت اس سے اب بھی اپنا حق مانگ رہی تھی کیونکہ اس کی تکمیل کی خواہش اب تک ادھوری تھی۔ لائبہ نے تمام رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ سویا تو زاویال بھی نہ تھا۔ دونوں کے پاس پچھتاوے تھے مگر نوعیت مختلف تھی۔ لائبہ کو پچھتاوا تھا کہ اُس نے اُس شخص کو دکھ دیا جس نے اب تک اُسے ہر دکھ سے بچایا تھا جبکہ زاویال کو یہ افسوس تھا کہ اس جیسے شخص نے پہلی مرتبہ کسی لڑکی سے محبت کی بھیک مانگی۔ پہلی مرتبہ اس کے دل نے قربت طلب کی تھی ورنہ جسم تو خواہش کا وہ سمندر تھا جو ہزار ہا دریاؤں کو اپنے اندر سمیٹ کر بھی پیاسا سا تھا۔

☆......☆......☆

نیہا کو جس ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، یہ وہی جانتی تھی۔ کتنی بار دل چاہا کہ خود کو ختم کر ڈالے مگر اس کی ممتا اس کے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ بے شک اس نئی زندگی نے دو لوگوں کی چاہتوں سے جنم نہیں لیا تھا مگر اب وہ اس کے وجود کا حصہ تھا اور کوئی بھی شخص اپنے جینے کی وجہ کو مٹا کر بھلا کیسے جی سکتا ہے۔

اس کے ماں باپ نے اس کے ساتھ جو کیا، نیہا کو ان سے شکایت نہ تھی کیونکہ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اولاد والدین کے لئے کیا ہوتی ہے۔ وہ کس طرح اور کتنی شدت سے چاہتے ہیں۔ اس بات کا احساس اسے تب سے ہو رہا تھا جب سے وہ خود ماں بننے والی تھی۔ اس نئے رشتے کے ساتھ اس کے احساسات بھی بدل رہے تھے۔

آج تک وہ اس گھر میں صرف ماہ رخ کے سہارے رہ رہی تھی مگر اب وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگی تھیں۔ صوفیہ کے ہاتھ تو ایک نادر موقع

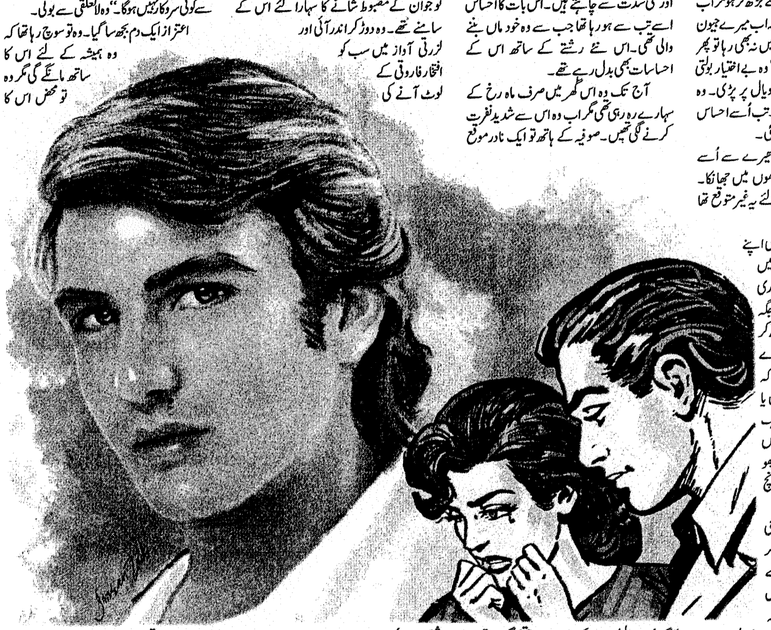

آ گیا اُسے ذلیل و رسوا کرنے کا۔ وہ جتنی گھٹیا باتیں اس کے کردار کے متعلق کر سکتی تھیں، انہوں نے کیں مگر دل ابھی نہیں بھرا تھا، اس لئے وہ وقتاً فوقتاً ماہ رخ کو بھڑکاتی رہیں اور اس کا اثر یہ ہوا کہ آخر انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تاکہ اس سے آخری مرتبہ بات کر سکیں۔ وہ کمرے میں آئی تو ماہ رخ نے اسے اشارے سے دروازہ بند کر کے اپنے قریب آنے کو کہا۔ وہ کرسی پر بیٹھی تھیں۔ نیہا نیچے قالین پر بیٹھ گئی۔ یہ احساس اُسے ہو گیا تھا کہ وہ اس سے کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہیں، اس لئے وہ ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ الفاظ ترتیب دے رہی تھیں۔ کافی دیر بعد وہ بولیں۔ ''اب تک جو کچھ تمہارے حوالے سے سنا ہے، وہ اتنا ناقابلِ برداشت ہے کہ اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ تم اس دنیا میں تنہا رہ گئی ہو، تو تم نے جو فریب ہمیں دیا ہے، اس کی سزا کے طور پر تمہیں دھکے مار کر گھر سے نکال دیتی مگر میں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ جو گھر کی چار دیواری میں رہ کر لُٹ گئی، وہ اگر دہلیز ایک مرتبہ عبور کر گئی تو شاید اُسے واپسی کا کوئی راستہ نہ ملے لیکن اب تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم یہ گھر چھوڑ دو کیونکہ اب صرف تمہیں نہیں تمہارے بچے کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

نیہا چونک گئی۔ ''ہمیں کس سے خطرہ ہے؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے ماہ رخ کو دیکھا۔

''تمہارے جیتے جی انہیں وہ جائداد نہیں مل سکتی جو شفقت نے تمہارے نام کی ہے۔ وہ دو صورتوں میں انہیں مل سکتی ہے کہ تم چاہو یا پھر تم ختم ہو جاؤ۔ وہ لوگ تمہیں جلا کر مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' وہ بولیں۔

نیہا خوفزدہ سے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیوں زبان ساکت سی ہو گئی، شاید اس کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تھا، شاید اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی اس کے متعلق اس حد تک بُرا بھی سوچ سکتا ہے۔ وہ بھی اس جائداد کے لئے جو کبھی نیہا کی خواہش نہیں رہی تھی۔

ماہ رخ مزید بولیں۔ ''آجکل وہ اپنے میکے گئی ہوئی ہے، اپنی بہن کی شادی میں مصروف ہے، یہ تمہارے لئے اچھا وقت ہے۔ تم کسی محفوظ مقام پر پہنچ سکتی ہو کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کسی حال میں بھی یہ نہیں چاہو گی کہ تمہاری اولاد کو نقصان پہنچے۔ اپنے اور اپنے بچے کے لئے جو کر سکتی ہو کر لو۔'' وہ اتنا کہہ کر جانے لگیں۔

تبھی وہ بولی۔ ''میں نے آپ لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ اس کے باوجود آپ مجھے کیوں بچانا چاہتی ہیں؟''

''کیونکہ جن ماؤں کی گود خود خالی ہو جاتی ہے، وہ کسی دوسری ماں کی گود خالی ہونے کے احساس سے ہی کانپ جاتی ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر چلی گئیں۔ اس گھڑی نیہا کو وہ دنیا کی عظیم ترین ہستی لگیں۔

☆......☆......☆

شاہدہ اور قدسیہ بانو سمیت سبھی لوگ افتخار فاروقی کی اچانک گمشدگی سے بہت پریشان تھے۔ ہر ممکنہ حد تک انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی جا چکی تھی مگر ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سب کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ گھر کی فضا بڑی سوگوار سی ہو گئی تھی۔ آج بھی صبح بڑی بوجھل سی تھی تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

راحیلہ نے جا کر دروازہ کھولا تو خوشی کے مارے اس کی چیخ ہی نکل گئی۔ افتخار فاروقی ایک نوجوان کے مضبوط شانے کا سہارا لئے اس کے سامنے تھے۔ وہ دوڑ کر اندر آئی اور لرزتی آواز میں سب کو افتخار فاروقی کے لوٹ آنے کی خوشخبری سنائی۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازے تک جاتے، وہ نوجوان انہیں اندر لے آیا۔

شاہدہ نے رہنمائی کی تو اس نے انہیں ان کے کمرے تک پہنچایا اور بڑے آرام سے تکیوں کے سہارے بستر پر بٹھا دیا۔

''اچھا اب میں آپ لوگوں سے اجازت چاہتا ہوں۔'' وہ اجازت طلب کرنے لگا۔

''نہیں بیٹا، آج تو تم کھانا کھا کر جاؤ۔'' افتخار فاروقی کے لہجے میں اصرار تھا۔

''آج جلدی میں ہوں مگر کھانا ضرور کھاؤں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''بیٹا کھانا نہیں تو کم از کم چائے تو پی کر جاؤ۔'' شاہدہ نے جلدی سے کہا اور اس مرتبہ اس نے انکار نہیں کیا کیونکہ وہ بہت پُرخلوص تھے۔ اس لئے وہ بیٹھ گیا۔

''میری زندگی بچائی، اتنے دن میری عیادت، میری خدمت کرتے رہے اور میں نے آج تک تمہارا نام تک نہیں پوچھا۔'' انہیں جیسے ایک دم یاد آیا۔

''میرا نام زاویال ہے...... زاویال سکندر''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

☆......☆......☆

اعتزاز نے کتنی مرتبہ نیہا سے رابطہ کرنے کی کوشش مگر وہ اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیتی لیکن آج جب اس نے خود سے اعتزاز سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اعتزاز بہت حیران ہوا۔ بہرحال اس وقت ساحلِ سمندر پر وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سردیوں کی نرم دھوپ چاروں طرف پھیلی تھی۔ لہریں بے قراری سے ساحل کی جانب بڑھتیں اور پھر لوٹ جاتیں۔

نیہا ساحل سے لہروں کے ملنے اور بچھڑنے کا کھیل دیکھ رہی تھی۔ اردگرد اس وقت اِکا دُکا لوگ تھے۔ اعتزاز اس کے قریب چلا آیا۔ چند ثانیے یونہی بیت گئے۔ پھر اعتزاز نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔ ''بڑی عجیب بات ہے جس انسان کو اپنے دکھوں کا ذمہ دار سمجھتی ہو، اسی انسان کو پوری دنیا سے لڑ کر، ہر اذیت، ہر طعنہ سہہ کر زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے رہی ہو۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ یہ سب محبت کے عوض ہے۔'' اک یقین سا تھا اعتزاز کے لہجے اور لفظوں میں!

''کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ آپ کی اولاد ہے؟'' نیہا نے اس کے یقین کو یقین دینے کے بجائے اس سے سنجیدگی سے سوال کیا۔

اعتزاز چونک گیا مگر اگلے لمحے سنبھل کر بولا۔ ''ہاں! اور وہ اس لئے کہ مجھے خود سے زیادہ تم پر یقین ہے۔ میں جانتا ہوں تم مجھ سے ٹوٹ کر نفرت کر سکتی ہو مگر ایک پل کے لئے بھی بے ایمانی کرنا تمہاری فطرت نہیں۔ لوگ حالات کی وجہ سے تم پر انگلی اٹھانے سے قبل ایک مرتبہ بھی نہ سوچیں مگر میں تمہاری پاکدامنی کی قسم کھا سکتا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''میں اگر آپ سے کچھ مانگوں تو دے سکیں گے؟'' نیہا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جو خوشی تم مجھے دے رہی ہو، وہ میری زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے، میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ تم نے جن حالات میں میرے لئے یہ سب کیا ہے، اس کے بعد تم مجھ سے میری جان بھی مانگو تو کم ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''آپ لوگوں کو بتائیں گے کہ میرے دامن پر کوئی داغ نہیں تاکہ میرے بچے کو معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کا حق مل سکے۔ اس کے بعد مجھے آپ کی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔'' وہ لاتعلقی سے بولی۔

اعتزاز ایک دم بجھ سا گیا۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کا ساتھ مانگے گی مگر وہ تو محض اس کا فرض یاد دلا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اعتزاز نے یہ خبر گھر والوں کو سنائی تو قیامت ہی آ گئی۔ حسن علی نے اُسے خوب سنائیں۔ ان کے خیال میں اس نے خاندان بھر میں ان کا سر جھکانے کی سازش کی تھی۔ وہ نیہا کے کہنے پر انہیں نیچا دکھانا چاہتا ہے تاکہ وہ تمام عمر افتخار فاروقی سے نگاہ نہ ملا سکیں مگر نازنین اور سنیعہ دونوں خوش تھیں، اس لئے کہ اعتزاز نے اپنا گھر بسا لیا تھا۔ وہ بھی نیہا کے ساتھ، جسے وہ چاہتا تھا۔

گھر میں خاموشی و سناٹوں کا راج تھا۔ اب نیہا اور ایک ننھی سی جان کا اضافہ انہیں آنے والی خوشیوں کی نوید معلوم ہو رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے بڑے جتنوں سے حسن علی کو منا لیا تھا اور اعتزاز حسن اسے بڑی شان سے رخصت کروا کے لے آیا تھا۔ سب کے منہ خود بخود بند ہو گئے تھے۔ شاہدہ اور افتخار فاروقی بھی مطمئن تھے۔

سنیعہ اور اس کی سہیلیاں نیہا کو اعتزاز کے کمرے میں بٹھا گئی تھیں۔ جب اعتزاز کمرے میں آیا تو وہ دلہن کا لباس اُتار کر سادہ سے کاٹن کے کپڑے پہن چکی تھی اور صوفے پر بیٹھی کتاب کو یوں پڑھ رہی تھی گویا اس سے زیادہ دلچسپ کچھ نہ ہو۔

نیہا اس کی موجودگی کو محسوس کر چکی تھی مگر انجان بنی رہی۔ اعتزاز نے دروازہ بند کیا اور بھاری قدموں کے ساتھ صوفے تک آیا، وہ تب بھی متوجہ نہ ہوئی تو اعتزاز اس کے قریب بیٹھ گیا۔ نیہا مزید سمٹ گئی۔ اعتزاز نے ہاتھ بڑھا کر کتاب بند کی اور پھر اٹھا کر سامنے میز پر رکھ دی۔ نیہا نے کسی قسم کے ردِّعمل کا اظہار نہیں کیا، نہ ہی اس کی طرف دیکھا۔

''تمہارے آنے سے اس گھر کی خوشیوں میں چار چاند لگ گئے۔'' اس نے بڑے خوشگوار انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

وہ خاموش رہی۔

''کچھ کہو گی نہیں۔'' چند لمحے انتظار کرنے کے بعد وہ دوبارہ سے بولا۔

''کیا کہوں؟'' اس نے اُلٹا سوال کیا۔

''کوئی شکایت، کوئی شکوہ یا کوئی الزام ہی سہی۔'' اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے، اس کے لئے نہ تو میں آپ سے کوئی شکوہ رکھتی ہوں اور نہ ہی مستقبل میں آپ سے کوئی امید رکھتی ہوں۔ ہاں ایک بات کے لئے میں زندگی بھر آپ کے لئے احسان مند رہوں گی کہ آپ نے میری ممتا کو رسوا نہیں ہونے دیا اور مجھ سمیت اتنے بہت سارے لوگوں کو اس رشتے کے حوالے سے معتبر کر کے اس خوشی کو پوری طرح محسوس کرنے کا حق دیا...... تھینکس۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

اعتزاز کو جانے کیوں لگا کہ جیسے اس کے الفاظ میں کوئی جذبہ یا احساس شامل نہیں۔ وہ اس وقت پاس ہو کر بھی بہت فاصلے پر محسوس ہوئی۔ اعتزاز نے جو اس کے ساتھ کیا تھا شاید اب تک وہ اسے معاف نہیں کر پائی تھی۔ وہ اگر یہاں تھی تو صرف اولاد کے لئے ورنہ وہ بھلا ایسے شخص کا ساتھ کیوں چاہتی جس کی وجہ سے اس کی زندگی پُرخار بن کر رہ گئی۔

آج اسے احساس ہوا کہ ماں کا درجہ، باپ سے زیادہ کیوں ہے؟...... عورت اور مرد میں واضح فرق یہ ہے کہ مرد ہر رشتے کے لئے اس حد تک بدلتا ہے کہ جہاں اسے اپنی اَنا کی قربانی نہ دینی پڑے۔ اس کے ہونے کا احساس ہر حال میں اس کے لئے اہم رہتا ہے لیکن عورت ہر رشتے کے لئے خراج ادا کرتی ہے۔ وہ ہر روپ میں قربانی دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ ہر رشتے کے لئے خود کو مٹانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ نیہا بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی۔

ان دونوں کے درمیان فاصلے جس قدر تھے اعتزاز سمجھ گیا کہ ابھی ان فاصلوں کو مٹنے میں وقت لگے گا جو تقدیر نے نہیں، خود اعتزاز نے دونوں کے درمیان پھیلا دیئے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نیہا یونہی بیٹھی رہی۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہا ہے اور آج اپنے بچے کی ماں کے روپ میں تمہیں دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے مگر مجھے میری بیوی بھی چاہئے کیونکہ زندگی جینے کے لئے اور رشتوں کو مکمل کرنے کے لئے چاہنے اور چاہے جانے کا احساس بہت ضروری ہے لیکن میں اپنے کسی حق کا استعمال اب اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تم نہیں چاہو گی۔''

نیہا خاموش رہی تو وہ مزید بولا...... ''ایک مرتبہ میں تم تک آیا تھا، تب ہمارے درمیان رشتہ بن گیا مگر محبت کا احساس نہ تھا، اس لئے وہ رشتہ آج بھی ادھورا ہی ہے اور یہ رشتہ تب مکمل ہوگا جب تم چاہو گی۔ اب تمہیں مجھ تک چل کر آنا پڑے گا اور اس کے لئے میں انتظار کروں گا۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ نیہا نے بند دروازے کو دیکھا، اُسے خود نہیں معلوم تھا کہ اسے دوبارہ اعتزاز حسن پر اعتبار کرنے میں کتنا وقت لگے گا۔

☆......☆......☆

زاویال چند دنوں میں ہی اس گھر کے لوگوں سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ گھر والے اُسے اس گھر کا فرد ہی سمجھنے لگے تھے۔ افتخار فاروقی کو تو وہ کسی طور اپنے بیٹے سے کم نہیں لگا تھا۔ راحیلہ بھی اس کے لئے بڑے بھائی جیسے جذبات رکھتی تھی اور اس نے بھی اسے ہمیشہ چھوٹی بہن کی نظر سے دیکھا تھا۔

شاہدہ کو زاویال کی سب سے اچھی بات یہ لگتی تھی کہ وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا۔ ہر بات میں اس کا ذکر لازمی کرتا۔ اس لئے سبھی نے اس کی بیوی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ زاویال نے آج ان سے اپنی بیوی کو لانے کا وعدہ کیا تھا۔ قدسیہ بانو اور شاہدہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ انہوں نے آج تک یہی دیکھا تھا کہ بڑے گھرانے کی لڑکیاں بہت نک چڑھی ہوتی ہیں، ہر ایک کو حقیر نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ انہوں نے رات کے کھانے تک کا انتظام کر لیا تھا۔ ایک ایک چیز بڑے پیار سے بنا رہی تھیں اور تو اور آسیہ بانو جنہوں نے ایک عرصے سے کچن کے کام سے ہاتھ اٹھا لیا تھا، آج بڑی چاہت سے کھیر بنا رہی تھیں۔ انہیں بھی زاویال بہت عزیز تھا۔

''اماں کیا خیال ہے، وہ لڑکی کیسی ہوگی؟'' شاہدہ نے ساس سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔ ان کے ہاتھ تیزی سے گوشت بھوننے میں مصروف تھے۔

''بھئی زاویال تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ خوش مزاج، لحاظ داری کرنے والا، میرا خیال ہے اس حساب سے تو اس کی بیوی کوئی بہت اچھی لڑکی ہونی چاہئے۔'' آسیہ بانو نے کھیر کے پتیلے میں کفگیر چلاتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ (جاری ہے)

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زاویال بھائی کی بیگم کو بہت حسین ہونا چاہئے، اتنا ہی جتنے ہینڈسم زاویال بھائی ہیں۔'' راحیلہ اپنی منہ بولی بھابھی کو دیکھنے کے لئے بے چین تھی۔

''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ خوبصورت اور سلیقہ مند ہوگی، تبھی زاویال کے ہونٹوں پر اپنی بیوی کے علاوہ کسی کا نام ہی نہیں آتا، ویسے بڑی خوش نصیب لڑکی ہے۔'' آسیہ بانو نے تعریفی انداز میں کہا۔

دونوں دادی، پوتی بڑے اچھے موڈ میں باتیں کررہی تھیں۔ شاہدہ سوچ رہی تھیں کہ جب سے اس گھر میں زاویال سکندر کا قدم پڑا تھا، گھر کا ماحول خوشگوار ہوگیا تھا۔ خدا کرے تمہاری بیوی بھی تمہارے لئے اتنی پُر خلوص ہو جتنے تم لوگوں کے لئے ہو۔ شاہدہ نے دل کی گہرائیوں سے زاویال کے لئے دعا کی۔

☆......☆......☆

زاویال آفس سے لوٹا تو لائبہ اُسے تیار کھڑی ملی۔ اُسے اچھا لگا۔ ''میں فریش ہولوں پھر چلتے ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر کوٹ کے بٹن کھولنے لگا۔

تبھی لائبہ نے پوچھا۔ ''آپ نے بتایا نہیں کہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟''

وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ ''بے فکر رہو، کسی غلط جگہ نہیں لے کر جارہا۔ اب اتنا تو تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہی چاہئے۔'' وہ جتانے والے انداز میں بولا۔

''یقین ہے، اپنی ذات سے زیادہ آپ پر یقین ہے لیکن اگر آپ کو اس پر یقین نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں کیونکہ آپ کے پاس میرے یقین پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' وہ دُکھی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

زاویال کو خود پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ لائبہ کو رُلا دیا۔ چاہتا تو یہ تھا کہ اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر ٹھہر جانے والے موتیوں کو ہونٹوں سے چن لے مگر اس نے دل میں اُبھرتی ہوئی خواہش کو دل میں ہی کہیں دفن کردیا۔

''کچھ بھی ہو، میں تمہاری آنکھوں میں نمی نہیں دیکھ سکتا۔ اپنی پلکوں سے ان ستاروں کو تمہیں خود ہی چننا پڑے گا کیونکہ میں اس کا حق نہیں رکھتا'' وہ اتنا کہہ کر بیٹھ کر جوتے اُتارنے لگا۔

''یہ حقوق و فرائض بھی بڑی عجیب چیز ہوتے ہیں۔ انہیں نبھانے کے لئے اکثر انسان کو خود سے محروم ہونا پڑتا ہے مگر خیر ہر کوئی کہاں اس کرب کو جان سکتا ہے کیونکہ پیاس کیا ہوتی ہے، یہ صرف صحرا جانتا ہے، سمندر کو اس کا احساس نہیں ہوسکتا۔'' اس کے لہجے میں خالی پن تھا۔

زاویال جانتا تھا کہ وہ اُسے جتارہی ہے کہ وہ اس کا دُکھ نہیں سمجھ سکتا۔ زاویال نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆......☆......☆

وقت اور حالات جیسے بھی تھے مگر ہر پل اس کی گزری زندگی اس کے آج میں شامل رہی تھی۔ اس نے دانستہ کبھی یادوں کو بھلانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی نادانستگی میں اس سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس گھر کی دہلیز کو نہ پہچانتی جس کی چھت تلے اس نے خوشی و غم کے تمام رنگ دیکھے تھے۔ بہت سے رشتے جئے، محبتیں سمیٹیں، نفرتیں جھیلیں۔ اس گھر سے قدم نکالنے کے بعد ہی اُسے زندگی کی حقیقتوں کا علم ہوا اور ساتھ ہی دھوپ و چھاؤں کا فرق پتہ چلا۔

''یہ آپ مجھے کہاں لے آئے'' وہ نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

''تمہاری آنکھوں کی نمی گواہ ہے کہ تم اس گھر کو نہیں بھولیں اور جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے، اس گھر کے لوگ بھی تمہیں نہیں بھولے۔'' وہ پُر یقین تھا مگر لائبہ اب بھی گاڑی سے نہیں اُتری۔

''نہیں زاویال پہلے ہی اس گھر کے لوگوں نے میری وجہ سے بہت اذیتیں اُٹھائی ہیں۔ ذلتوں کا سامنا کیا ہے۔ میں ان کے سامنے جا کر ان کے زخموں کو پھر سے تازہ نہیں کرسکتی۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔

''اور تمہارے زخموں کا کیا ہوگا؟ اس نے سوالیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھا۔

''وقت ہر زخم کا مرہم بن جاتا ہے۔'' وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔

''اگر ایسا ہوتا تو ہر صبح تمہارا تکیہ آنسوؤں سے بھیگا نہ ہوتا۔'' وہ بولا تو لائبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

زاویال جیسا لاپروا شخص جسے اپنی ذات کے سوا کسی سے دلچسپی نہ تھی، اس کے متعلق ایسی بات جانتا تھا جو کوئی بہت حساس انسان جان سکتا تھا، ایسا جس کے جذبات میں سمندر سے زیادہ گہرائی ہو، جو درد کا مطلب جانتا ہو مگر وہ تو درد سے ناآشنا تھا۔ اس سے لائبہ کا حیران ہونا یقینی تھا مگر زاویال کی آنکھوں میں جو سنجیدگی اور گہرائی تھی، اس نے لائبہ کو یقین کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

☆......☆......☆

لائبہ اس کے مجبور کرنے پر گھر تو آگئی مگر دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

وہ جونہی گھر میں داخل ہوئی تو سب اسے زاویال کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ اس لئے کتنی ہی دیر تک سب ساکت رہے۔

لائبہ کو لگ رہا تھا کہ ابھی اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اس خاموشی کو زاویال

نے توڑا۔ ''دیکھا میں نے آپ لوگوں سے کہا تھا نا کہ میری بیوی اتنی خوبصورت ہے کہ آپ لوگ دیکھتے ہی رہ جائیں گے'' وہ بڑے خوشگوار انداز میں بولا۔

راحیلہ جلدی سے بولی..... ''جی، جی۔''

''کیوں آنٹی آپ اپنی بہو کو گلے نہیں لگائیں گی۔'' وہ شاہدہ سے مخاطب ہوکر بولا اور انہیں اپنی بے قرار ممتا کو قرار دینے کا ایک موقع مل گیا۔ انہوں نے بڑی چاہت سے اسے گلے لگایا۔

لائبہ بے اختیار رو پڑی۔ اس ممتا کے لمس کے لئے وہ کتنی مدت سے ترس رہی تھی۔ یوں لگا کہ جیسے اچانک صدیوں سے پیاسی زمین پر بن بادل برسات ہوگئی ہو۔ آج تو اتنے وقت کے بعد اسے سامنے دیکھ کر آسیہ بانو نے بھی سب کچھ بھول کر اُسے گلے لگالیا تھا۔ شاید خون کی کشش تھی۔

افتخار فاروقی کو البتہ اس کا باغیانہ رویہ جو اس نے اقبال صدیقی کے وقت اختیار کیا تھا، اب تک یاد تھا، اس لئے وہ خاموش کھڑے تھے۔ اگر انہیں زاویال کا خیال نہ ہوتا تو وہ کب کے لائبہ کو گھر سے باہر نکال چکے ہوتے مگر وہ ان کا محسن تھا اور وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے ان کی بنی بنائی عزت پر آنچ آئے اور زاویال انہیں حقارت بھری نگاہوں سے دیکھے۔ اس لئے انہوں نے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا لیکن زاویال کی خاطر انہیں لائبہ کے سر پر ہاتھ رکھنا ہی پڑا۔

☆......☆......☆

شاہدہ موقع ملتے ہی اسے اکیلے کمرے میں لے گئیں۔ لائبہ نے انہیں اپنا ہر زخم دکھایا تھا۔ شاہدہ کے ساتھ ساتھ آسیہ بانو کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ اس کی زندگی کتنی تکلیف دہ گزر رہی تھی صرف اور صرف ان لوگوں کی عزت کی خاطر اس نے کانٹوں کی نہ ختم ہونے والی راہ اپنالی تھی۔ یہ سن کر شاہدہ اور آسیہ بانو کے ساتھ ساتھ دروازے کے باہر کھڑے افتخار فاروقی کے دل پر بوجھ سا آن پڑا۔

باپ کا اُٹھا سر اور نیہا کی خوشیاں برقرار رہیں، اس خاطر اس نے موت سے بھی بدتر زندگی کا انتخاب کیا تھا اور انہوں نے اس کی قدر کرنے کی بجائے بدلے میں صرف بے اعتباریاں دی تھیں۔ کہنے کو تو وہ ان کی اولاد تھی مگر افتخار فاروقی کو آج اپنا آپ اس کے حوصلے اور عظمت کے سامنے بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ وہ واپس اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئے۔

اور انہیں رخصت کرتے وقت جب انہوں نے لائبہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اتنا کہا کہ بیٹی آتی جاتی رہنا تو لائبہ کو یوں لگا کہ جیسے اپنی موت کا یقین کرلینے والے مریض کو ایکدم کسی نے زندگی کا یقین سونپ دیا ہو۔ صحیح معنیٰ میں آج اُسے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا تھا۔

☆......☆......☆

زاویال نوٹ کررہا تھا کہ جب سے لائبہ اپنے گھر سے آئی تھی، بہت خوش تھی۔ وہ زندگی میں شاید اس سے زیادہ خوش کبھی نہ ہوئی تھی اور اگر ہوئی بھی ہوگی تو کم از کم جب سے اس کے جیون میں آئی تھی اس نے ڈھنگ سے لائبہ کو مسکراتے تک نہیں دیکھا تھا مگر آج اس کی آنکھوں میں جیسے دیئے سے جل رہے تھے۔

وہ فریش ہوکر نکلا تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں کو سلجھاتے ہوئے گنگنارہی تھی۔ پنک کلر کی نائٹی پر اس نے پنک کلر کا ہی گاؤن پہنا ہوا تھا۔

زاویال صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اس کے پاس آبیٹھی۔ ''زاویال آج آپ نے جو خوشی مجھے دی ہے، وہ میرے لئے بالکل ایسی ہی ناممکن تھی جیسے صحرا میں بھٹکتے پیاسے مسافر کو پانی مل جانا...... پتہ ہے زاویال مجھے تو لگنے لگا تھا کہ جب تک جیوں گی اسی طرح جیوں گی اور جب مروں گی تو میرے مرنے کی میرے اپنوں کو خبر تک نہیں ہوگی، اور......''

اس سے قبل کہ اس کے ہونٹوں سے کوئی اور بات نکلتی، بے اختیار اس نے انگلی اس کے لبوں پر رکھ دی..... ''یوں نہیں کہتے، زندگی بہت قیمتی چیز ہے۔ اس کی قدر ان سے پوچھو جو لمحہ لمحہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی ختم ہوتے دیکھتے ہیں مگر کچھ نہیں کرپاتے۔ انہیں یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ کون سا پل، کون سی خوشی زندگی کا آخری پل، آخری خوشی ثابت ہوگی۔'' اس کے لہجے میں کرب سا تھا۔

لائبہ کو اس کے ان لفظوں کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا۔ زاویال کا انداز بھی کچھ عجیب سا تھا۔ لائبہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ''زاویال اگر آپ کو میری کسی بات سے دُکھ پہنچا ہے تو پلیز مجھے معاف کردیں۔'' اس دن، اس لمحے اس رشتے کو ادھورا چھوڑنے کا پچھتاوا معذرت بن کر لائبہ کے لبوں پر آگیا۔

وہ اس وقت زاویال کے اتنے قریب تھی کہ اس کی دھڑکنیں تک وہ واضح طور پر سن سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُترتے نشیلے اُجالے زاویال کو بہکا رہے تھے۔ اس کی خاموشیاں، جذبوں کی پکار کی صورت اس کی رگوں میں بہتے لہو میں شامل ہوکر اس قدر خودسر ہورہی تھیں کہ زاویال اپنی ہی شدتوں کے سامنے بے بس ہورہا تھا۔ اس نے لائبہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

وہ مکمل خودسپردگی کی حالت میں تھی۔ کھلی کھڑکی سے ہوائیں بہت سنبھل سنبھل کر اندر آرہی تھیں مگر اتنی احتیاط کے باوجود ان کا وجود پتوں سے ٹکرا گیا تبھی تو پتوں میں سرسراہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔ چاندنی بھی چاند کی بانہوں میں مدہوش تھی۔

زاویال ان لمحوں کو، اس ساتھ کو امر کردینا چاہتا تھا مگر اُسی پل جیسے اسے کسی نے اندر سے جھنجھوڑ ڈالا، اُسے احساس ہوا کہ وہ کتنا خودغرض ہورہا ہے۔ وہ لائبہ کی آنکھوں کو وہ خواب دکھانا چاہتا ہے جس کی تعبیر بہت بھیانک ہے۔ اُسے اس راہ پر لے جانا چاہتا ہے جس پر اگر وہ تمام عمر بھی چلتی رہے گی تو اس کے پاس سفر رہے گا مگر منزل کا یقین کہیں نہیں ملے گا۔ اس نے فوراً ہاتھ پیچھے کرلئے۔

لائبہ نے یوں آنکھیں کھولیں جیسے کوئی خوبصورت خواب دیکھتے ہوئے اچانک کسی نے نیند سے جھنجھوڑ کر اٹھادیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے کوئی وضاحت مانگتی۔ زاویال اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی جانب دیکھے بنا بولا...... ''میں تو بھول ہی گیا، جولیا دوپہر سے آئی ہوئی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ جب تک وہ یہاں رہے گی میرا سارا وقت اس کا ہوگا۔ وہ میرا انتظار کررہی ہوگی۔ میرا خیال ہے مجھے جانا چاہئے۔'' وہ اتنا کہہ کر وارڈروب کی جانب بڑھا۔ وہاں سے سوٹ نکالا اور چینج کرنے چلا گیا۔

آج اُسے احساس ہوا کہ زاویال کے دل میں جولیا کے سوا کوئی نہیں اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ اس نے جو کبھی لائبہ کا ساتھ چاہا تھا تو محض فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہوکر ورنہ یہ لمحے اس کے لئے بے معنی نہ ہوتے۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

☆......☆......☆

''زندگی میں ان لوگوں کا ساتھ بہت ضروری ہوتا ہے جن کا واسطہ دل کی زمین سے ہوتا ہے اور ایسے وقت میں جب زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ بہت مختصر رہ جائے تب اُس کندھے کی ضرورت ہوتی ہے جس پر سر رکھ کر انسان اپنے دکھوں کو روسکے۔ اس ہاتھ کی جس کو ہاتھوں میں لینے کے بعد جینے کی تمنا شدید تر ہوجائے، اس آنچل کی جو مہربان دوست کی طرح اپنے دامن میں تمام دکھ سمیٹ لے۔ وہ کندھا، وہ ہاتھ اور وہ آنچل لائبہ کا ہے کیونکہ اگر تم نے اپنی زندگی میں کسی سے محبت کی ہے تو وہ لائبہ ہے...... لائبہ زاویال سکندر۔'' عمران نے جتانے والے انداز میں کہا۔

زاویال نے چونک کر اُسے دیکھا، اس وقت وہ دونوں عمران کے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ عمران کی بیوی اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔

اگر تم لائبہ کے متعلق میرے جذبات جانتے ہو تب تو تمہیں میری حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، نہ کہ خودغرضی کا سبق پڑھانا چاہئے۔'' وہ خفگی سے بولا اور سگریٹ سلگالیا۔

''زاویال، عورت جسے چاہتی ہے اس کے ساتھ عمر گزارے یا چند لمحے، وہ اس کی زندگی کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ تم اسے خود سے دور رکھ کر اس کے جذبات سے کھیل رہے ہو، اس کی محبت کا مذاق اُڑا رہے ہو، تم زیادتی کررہے ہو، کیا یہ تمہاری محبت ہے؟'' عمران خفگی سے بولا۔

''اگر محبت نہ ہوتی تو قربتوں میں فاصلوں کا جواز تلاش نہ کرنا پڑتا۔ عورت کی فطرت ہے کہ اگر وہ ایک مرتبہ اس مرد کی ہوجائے جسے وہ ٹوٹ کر چاہے اور اُسے اس بات کا بھی یقین ہو کہ اس مرد کے دل میں آنے والی وہ پہلی عورت ہے تو پھر تمام عمر وہ کسی اور مرد کی نہیں ہوسکتی اور میں نہیں چاہتا کہ میرے مرنے کے بعد صرف اور صرف وہ میرے دکھ کو روتی رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب بھی وہ مجھے یاد کرے، اُسے اپنی یادوں سے نفرت ہو اور یہ نفرت اس کی زندگی میں ایک مسیحا کی گنجائش پیدا کردے گی۔'' وہ بولا، اس کے لہجے میں اتنا کرب تھا کہ عمران کچھ نہ کہہ سکا۔

☆......☆......☆

زندگی کے کتنے رنگ، کتنے روپ ہیں۔ یہ آج تک کوئی نہیں جان سکا۔ شاید اس لئے لوگوں نے اس کے متعلق الگ الگ نظریات قائم کرلئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے زندگی سفر ہے، کوئی کہتا ہے کانٹوں کی رہ گزر ہے، کسی کے لئے دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے، کسی کے لئے بے وفا محبوب، کسی کے لئے معمہ اور کسی کے لئے صرف اور صرف آزمائش!

زاویال کے لئے آج تک زندگی صرف پانے کا عمل رہی تھی۔ اُسے زندگی سے جو ملا تھا، اس نے وہ اپنا حق سمجھ کر وصول کیا تھا مگر آج زندگی اسے اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں زندگی جسے زاویال سکندر اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ اس نے اُسے احساس دلادیا تھا کہ زندگی جب چاہے انسان سے اس کو اپنا کہنے کا حق چھین سکتی ہے اور اس کا احساس اُسے تب ہوا جب دو دن پہلے اُسے پتہ چلا کہ اُسے برین ٹیومر ہے۔

زاویال سکندر کبھی یقین نہ کرتا اگر یہ رپورٹ اس کے فیملی ڈاکٹر کی نہ ہوتی اور پھر کچھ دنوں سے اس کی طبیعت کا بوجھل پن، سر چکرانا اور آنکھوں کے آگے چند لمحوں کے لئے مکمل اندھیرا چھاجانا اور اس کے علاوہ ایسی بہت سی علامات تھیں جو ڈاکٹر اصفہانی کی رپورٹ کی تصدیق کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس نے یہ بات عمران کے سوا کسی کو نہیں بتائی تھی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر اصفہانی کو بھی منع کردیا تھا۔ وہ اس اذیت سے کسی اپنے کو گزرتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس سے وہ گزر رہا تھا اور اس اذیت سے بچانے کے لئے ہی اس نے اس لڑکی کو دکھ دیا تھا جس کی ایک مسکان کے لئے وہ ہزار بار مرسکتا تھا۔ اس نے آج تک ہزاروں دلوں کو قدموں تلے روندا تھا۔

سلمیٰ یونس

قسط : 8

دوسروں کے جذبوں اور اپنی ضرورتوں کا رنگ اُسے ایک سا لگتا تھا۔ جب تک اس کی زندگی میں لائبہ نہ آئی تھی مگر آج وہ جب جذبات اور ضرورتوں میں فرق سمجھ پایا تو منزل کو اتنا قریب پاکر بھی اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ خوفزدہ تھا کیونکہ اگر وہ منزل کو اپنا مقدر کرلیتا تو محبت کی ذات پر خودغرضی کا الزام آجاتا۔

☆......☆......☆

افتخار فاروقی نے بیٹی کو معاف کیا تو خاندان بھر کے دلوں سے بدگمانیاں جاتی رہیں۔ کچھ ایک بڑے گھرانے کی بہو ہونے کی وجہ سے اسے بہت عزت مل رہی تھی۔ اُسے بہت اچھا لگتا مگر سب کچھ پاکر بھی وہ خوش نہ تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے اپنی ذات میں ایک ادھورا پن سا محسوس ہورہا تھا۔ آج وہ نیہا کی گود بھرائی کے لئے تیار ہونے کھڑی ہوئی تو آئینے میں خود کو دیکھ کر لحہ بھر کے لئے ٹھٹھک گئی۔ سرخ ساڑھی میں بنا میک اَپ ہلکے ہلکے گیلے بالوں میں بھی وہ کتنی حسین لگ رہی تھی۔ یہ اس کا آئینہ کہہ رہا تھا۔

اُسے ایک دم زاویال کا خیال آیا جس کے نزدیک اس کے حسن کی اہمیت تھی نہ اس کی محبت کی، اگر اہمیت تھی تو صرف اور صرف جولیا کی...... اور یہ ضروری تو نہیں کہ زندگی نے رشتوں کا تخم زمینِ دل میں بھی بویا ہو اور چاہتیں اس کی آبیاری کریں۔ کچھ بیج یونہی زمین پر پڑے رہ جاتے ہیں اور کبھی کسی مسافر کے قدم اور کبھی کسی معصوم بچے کے اشتیاق کے تحت کوئی بیج زمین کے اندر جگہ پالیتا ہے۔ اُسے کیا معلوم کہ جس زمین کو وہ اپنی منزل سمجھتا ہے، وہ خواہشوں کی زمین ہوتی ہے جس پر اُگنے والا ننھا پودا ہو یا تناور درخت، اس کی عمر مختصر ہوتی ہے جگنو کی طرح!

وہ بھی زاویال کی شاید کبھی خواہش تھی جس نے اُسے لائبہ کے قریب آنے پر مجبور کیا تھا، جسے وہ اس کے جذبوں کا تقاضا سمجھ بیٹھی تھی اور یہ سراسر خود لائبہ کی غلطی تھی ورنہ وہ تو پہلے دن سے جانتی تھی کہ اس کے دل اور زندگی میں لائبہ کی کوئی جگہ نہیں کیونکہ اس کا تو دل صرف اور صرف جولیا کے لئے ہی دھڑکتا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اس کا موبائل بج اُٹھا۔

دوسری طرف مہوش بیگم تھیں جو اُسے یاد دلا رہی تھیں کہ اس کے واپس لوٹنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

اُسے لوٹنا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی وہ چونکی تھی۔

☆......☆......☆

نیہا کی گود بھرائی میں جانے کو سبھی تیار کھڑے تھے۔ تبھی بیگم جہاں آراء اور سکندر خیام نے اس سے زاویال کے متعلق پوچھ لیا۔ چند لمحے وہ خاموش رہی کہ کوئی مناسب بہانہ بناسکے۔ کامیاب نہ ہوئی تو بولی۔ ''وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ کب، کہاں اور کس کے ساتھ جاتے ہیں؟ یہ ان کی مرضی ہے اور میرے اختیارات اتنے ہرگز نہیں کہ میں ان کی ذاتیات میں دخل اندازی کروں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی سی در آئی۔

سب کو حیرت ہوئی۔ ثریا بھابھی نے کہا۔ ''بڑی عجیب بات ہے تمہیں بتا کر کیوں نہیں گیا؟''

''ضروری نہیں سمجھا ہوگا۔'' وہ بولی تو اس کے اندر ایک خالی پن کا احساس ثریا بھابھی اور بیگم جہاں آراء کو خاص طور سے محسوس ہوا تھا۔ وہ دونوں عورتیں تھیں، اس لئے اس کے ادھورے پن کو محسوس کرسکتی تھیں مگر انہوں نے جان بوجھ کر مزید کوئی بات نہیں کی۔ اتنے میں زاویال بھی آگیا۔

سکندر خیام اور بیگم جہاں آراء جاکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''بھئی میرا خیال ہے تمہیں ابھی تیار ہونے میں وقت لگے گا، اس لئے تمہاری مدد کے لئے لائبہ کو چھوڑے جاتے ہیں، اُسے ساتھ لے کر آنا مگر وقت پر آنا۔'' ثریا بھابھی کے لہجے میں شرارت تھی۔ زاویال مسکرادیا جبکہ لائبہ تو مسکرا بھی نہ سکی۔

☆......☆......☆

تیار ہونے سے لے کر گاڑی میں بیٹھنے تک لائبہ نے اس سے بات نہیں کی۔ تب اس نے خود ہی مخاطب کیا۔ ''بہت پریشان لگ رہی ہو، کیا بات ہے؟'' اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

''بس ویسے ہی کچھ نہیں...... خوشیاں تو خیر مگر دکھ اگر ہماری اپنی ذات تک محدود رہیں تو خالص رہتے ہیں اور انسان بڑی ایمانداری کے ساتھ اس سے رشتہ نبھا سکتا ہے مگر جب کوئی اور ہمارے دکھوں کا پتہ پالیتا ہے تو اس میں خوش فہمیوں کا زہر کچھ اس طرح سے گھول دیتا ہے کہ خود سے رشتہ نبھانا بھی ناممکن ہونے لگتا ہے کیونکہ پھر اُجالوں میں بھی سہاروں کی خواہش بیدار

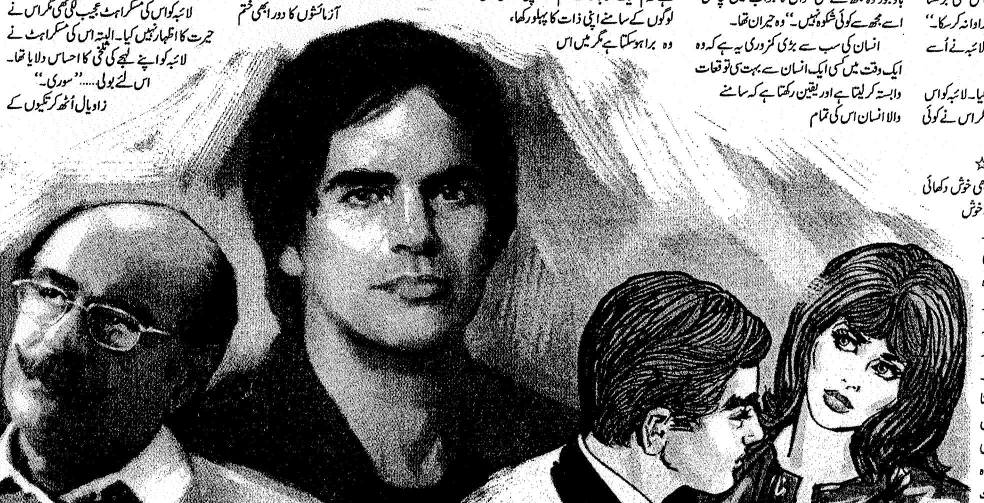

ہونے لگتی ہے مگر یہ سچ سامنے آنے پر کہ وہ خواہش کتنی نامکمل ہے۔ اس کا نصیب تہی دامن رہنا ہے تو یہ احساس موت سے پہلے مار دیتا ہے۔'' زاویال کی بے رُخی اور رُوح کی پیاس لائبہ کے لفظوں میں سمٹ آئی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں اس احساس سے آشنا نہیں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھا۔

''جس کے سر پر چاہتوں کا آسماں اور پاؤں تلے محبتوں کی زمین ہو، اُسے اس پتے کے کرب کا احساس کیسے ہوسکتا ہے جو آندھیوں کے سنگ صرف اس لئے اُڑا ہو کہ زمین و آسمان اس پر نامہربان تھے۔ وہ بھلا کیسے اس دیئے کا دکھ جان سکتا ہے جو ہوا کی نفرت و سرد مہری کو نہ سہہ پایا ہو۔'' اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ اس کا کرب ناقابلِ بیان تھا۔ اس بات کا زاویال کو احساس تھا مگر تقدیر نے اُسے اس موڑ پر لاکھڑا کیا تھا جہاں وہ اسے اپنی بے گناہی کا ثبوت تک نہیں دے سکتا تھا۔ اس سے اپنا دکھ بانٹ سکتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی وضاحت کرسکتا تھا۔

''پلیز بتاؤ نا تم کیوں پریشان ہو ورنہ اگر اس گھڑی مجھے موت آگئی تو میں مرنے کے بعد بھی بے چین رہوں گا۔ تمہارے آنسو مجھے بے سکون رکھیں گے اور......''

ابھی اس کی بات مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ لائبہ نے بے اختیار اپنی مخروطی انگلیوں سے اس کے ہونٹوں کو ڈھانپ لیا۔ ''خدا نہ کرے، اللہ کرے میری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

زاویال نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''میں ایسی زندگی کا کیا کروں گا جس میں ہر گزرنے دن کے ساتھ میرے ساتھ یہ احساس بھی بڑھتا جائے کہ میں تمہارے کسی بھی دکھ کا مداوا نہ کرسکا۔'' وہ دکھی تھا اور تب نا چاہتے ہوئے بھی لائبہ نے اُسے مہوش بیگم کے متعلق بتا دیا۔

زاویال سب سن کر خاموش ہوگیا۔ لائبہ کو اس کی خاموشی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی مگر اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

☆......☆......☆

فنکشن بہت اچھا ہوگیا تھا، سبھی خوش دکھائی دے رہے تھے۔ آسیہ بانو تو بہت خوش تھیں۔ آخر وہ دادی بننے والی تھیں۔ خاندان کی لڑکیوں نے نیہا کو دلہن کی طرح سجایا تھا۔ لائبہ نے باقاعدہ اس کی نظر اُتاری تھی۔ اُسے نیہا کو آباد دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی اور اسے اپنوں کے درمیان دیکھ کر زاویال کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ ایسے ہی خوش دیکھنا چاہتا تھا مگر جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ انہیں لائبہ کی گود بھرائی میں آنے کا موقع کب ملے گا تو وہ خاموش ہوگئی تھی۔ زاویال کو بہت برا لگا۔

''بھئی یہ ضروری تو نہیں کہ کمی تم میں ہی ہو۔ پرابلم زاویال کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے۔'' جہاں آراء کی ایک فرینڈ نے کہا۔

نجانے کیوں لائبہ ایکدم بھڑک اٹھی ''میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگوں کو دوسروں کے ذاتی معاملات میں اس قدر دلچسپی ہوتی ہی کیوں ہے؟ آپ لوگ یہی جاننا چاہتے ہیں نا کہ کمی کس میں ہے......تو غور سے سن لیں کہ کمی ہم دونوں میں نہیں اگر میں اب تک ماں نہیں بنی تو صرف اس لئے کہ میں اپنی زندگی اپنے لئے اپنی شرطوں پر جینا چاہتی ہوں۔ میں دوسروں کو خوش رکھنے کے لئے اپنی خوشیوں کو پیچھے نہیں چھوڑ سکتی اور نہ ہی ایسا کوئی رشتہ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں جس کی وجہ سے میرا رشتہ میرے وجود سے بھی باقی نہ رہ سکے'' وہ بڑے ضبط سے بولی۔ وہ اس بات سے انجان تھی کہ زاویال اس کی جانب متوجہ ہے مگر اس نے بیگم جہاں آرا، ثریا بھابی اور زاویال کی باقی فیملی کی آنکھوں میں جو نفرت دیکھی، اس سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتی تھی کہ ان کے دل کتنے بدگمان ہوچکے ہیں مگر وہ بھی کیا کرتی۔ زاویال پر کوئی آنچ آئے، یہ وہ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

زاویال بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ایکدم اسے چکر سے آنے لگے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ وہ وہیں سے پلٹ کر پارکنگ میں آگیا اور عمران کو فون کیا۔

☆......☆......☆

انسان کا کل ہمیشہ اس کے آج سے مختلف ہوتا ہے۔ خوبصورت یا بدصورت، یہ اس کی قسمت پر منحصر ہے۔ اعتزاز بھی بے ارادہ اپنے آج اور کل کا موازنہ کرنے لگا تھا۔

وہ صوفے پر بیٹھا تھا مگر اس کی نگاہیں بیڈ پر بیٹھی نیہا پر تھیں جو فنکشن ختم ہونے کے بعد چوڑیاں اُتار رہی تھی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا مگر اس کی رنگت میں پہلے سے زیادہ نکھار، آنکھوں میں چمک اور سراپے میں کشش بڑھ گئی تھی۔ شاید یہ آنے والی خوشی کا اعجاز تھا۔

نیہا کو اس گھر میں آئے ہوئے خاصا وقت ہوگیا تھا لیکن اب تک دونوں اجنبیوں سی زندگی جی رہے تھے۔ نیہا ویسی ہی بہو ثابت ہوئی تھی جیسے اس کے والدین چاہتے تھے۔ بھابی ہوکر بھی اس نے اپنی اور سنیعہ کی دوستی میں دراڑ نہیں پڑنے دی تھی۔ اعتزاز کی بھی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال رکھتی مگر اس کے باوجود دونوں کے درمیان صدیوں جیسے فاصلے تھے۔

وہ کچھ پوچھتا تو نیہا جواب دے دیتی ورنہ خود سے اُسے مخاطب نہیں کرتی تھی۔ وہ اسے کہیں لے جاتا تو ٹھیک ورنہ کبھی اس سے ضد کی، نہ دیر سے گھر لوٹنے پر شکوہ کیا۔

شاپنگ کی فرمائش نہیں کی، یہاں تک کہ عام میاں بیوی کی طرح کبھی آنے والے بچے کے لئے کوئی پلاننگ کی، خواب بُنا اور نہ ہی اس کے مستقبل کے متعلق سوچا حالانکہ کتنا کچھ تھا جو وہ نیہا سے شیئر کرنا چاہتا تھا مگر اس کی سرد مہری دیکھ کر اعتزاز کو بات کرنا عجیب لگتا تھا۔

آج برداشت جواب دے گئی تو وہ اس کے سامنے آبیٹھا۔ نیہا نے اس کی موجودگی محسوس کرنے کے باوجود نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا تک نہیں۔

''کتنی عجیب بات ہے، نیہا کل جو ذرا ذرا سی بات پر مجھ سے روٹھ جاتی تھی، جسے ہر بات کے لئے وضاحت درکار ہوتی تھی، آج اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے کسی سوال کا جواب نہیں چاہتی، اسے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں۔'' وہ حیران تھا۔

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایک وقت میں کسی ایک انسان سے بہت سی توقعات وابستہ کرلیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ سامنے والا انسان اس کی تمام توقعات پوری کردے گا جیسے وہ انسان نہ ہو، خدا ہو۔ پتہ نہیں کیوں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ سامنے والا بھی انسان ہے، اس میں بھی ہم جیسی خوبیاں اور خامیاں ہوسکتی ہیں، اس کے قول و فعل میں تضاد ہوسکتا ہے۔ اس کے دل کے آئینے پر وقت کی گرد اس طرح جم سکتی ہے کہ ہماری صورت دُھندلا جائے۔ وہ حالات و نصیب کی ستم ظریفی کا شکار ہوسکتا ہے اور جب انسان یہ سب سمجھ لیتا ہے تو شکوے و شکایات ختم ہوجاتے ہیں اور انسان آئندہ تکلیفوں سے بچ جاتا ہے۔ میں نے یہ بات سمجھ لی ہے، اس لئے مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''شکوے تو اپنوں سے ہوتے ہیں۔ یہ رشتوں کا حسن اور محبت کی دلیل ہے۔ میں اس کا کیا مطلب سمجھوں کہ اب تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔'' وہ شاکی تھا۔

''میں ذرا کپڑے چینج کرلوں۔'' وہ اتنا کہہ کر اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

اعتزاز کے لئے اس کی خاموشی بڑی اذیتناک تھی اور اس اذیت کو بیان کرنے کے لئے اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔

☆......☆......☆

دیکھئے میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ جلد از جلد آپریشن کروالیں ورنہ آپ کے بچنے کے چانسز کم سے کم ہوتے جائیں گے مگر آپ لاپروائی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ڈاکٹر اصفہانی قدرے خفگی سے بولے اور اسپتال کے بیڈ پر لیٹے زاویال سکندر کو دیکھا۔

وہ خاموش رہا تو وہ عمران سے مخاطب ہوئے۔ ''کم از کم آپ ہی اپنے دوست کو سمجھایئے کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔''

عمران نے اثبات میں سر ہلایا گویا وہ ڈاکٹر صاحب کی بات سے متفق تھا۔ اس لئے ان کے جاتے ہی بولا۔ ''ویسے زاویال تم دیر کیوں لگا رہے ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا بالکل احساس نہیں کہ کتنے بہت سے لوگ تم سے پیار کرتے ہیں اور ان کے لئے تمہاری زندگی کتنی انمول ہے'' عمران کے لہجے میں شکایت تھی۔

''جانتا ہوں۔ اس لئے جانے سے قبل اُن محبتوں کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں، پھر نجانے زندگی موقع دے یا نہ دے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں اک کرب تھا۔

عمران اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ''اگر میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں تو مجھے بتاؤ۔''

''سب سے پہلے تو لائبہ کو مہوش بیگم کے چنگل سے آزاد کراؤ......کیسے؟ یہ تمہیں طے کرنا ہے مگر کسی معاملے میں لائبہ کا نام نہ آئے۔ میں نہ تو اس کی بدنامی چاہتا ہوں اور نہ ہی کوئی خطرہ اس کے لئے چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔ پہلے تمہارے ڈیڈی اور اب تم ہمارے فیملی لائر ہو۔ میری پرسنل پراپرٹی لائبہ کے نام ٹرانسفر کردو تاکہ آئندہ زندگی میں اسے کوئی مشکل نہ ہو۔ اس شہر میں مہوش بیگم کو سب جانتے ہیں مگر لائبہ کو کوئی نہیں جانتا، اس لئے تم یہ بات کبھی میرے گھر والوں سے نہ کہنا اور اگر یہ بات سامنے آبھی گئی تو میری لائبہ پر کوئی حرف نہ آنے دینا۔'' اس نے رک کر ذرا دیر سانس لیا۔ پھر بولنا شروع کیا۔ ''میرے پاپا کا ساتھ دینا کیونکہ میرے بعد وہ اکیلے ہوجائیں گے اور میری مما......''

تب عمران چیخ پڑا۔ ''بس کرو زاویال، خدا کے واسطے بس کرو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرا دل جانتا ہے کہ تم ٹھیک ہوجاؤ گے۔ تم نے اپنی زندگی میں جو لوگوں کے سامنے اپنی ذات کا پہلو رکھا، وہ برا ہوسکتا ہے مگر میں اس زاویال سکندر کو جانتا ہوں جس نے ہزاروں بیواؤں، یتیموں اور لاچاروں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔ ان سب لوگوں کی دعائیں تمہیں کچھ نہیں ہونے دیں گی۔ وہ اس ماں کو اتنا بڑا دکھ نہیں دے سکتا جو تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتی ہے اور لائبہ جس نے زندگی میں اب تک صرف کھویا ہے، اس سے تمہیں چھین کر اس کی واحد خوشی، اس کی زندگی نہیں چھین سکتا۔'' عمران جذباتی سا ہوگیا۔

زاویال کو اس وقت خود سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں لگ رہا تھا جس کے چاہنے والے اتنے سارے تھے لیکن اسے نہیں پتہ تھا کہ زندگی اُسے ان چاہتوں کا قرض اُتارنے کی مہلت دے گی بھی یا نہیں۔

☆......☆......☆

فنکشن سے واپس لوٹے تو سبھی لائبہ کی وجہ سے بہت ٹینس تھے۔ پھر زاویال کا بتائے بِنا گھر سے چلے جانا اور اس کا موبائل مسلسل بند ہونا...... اس لئے لائبہ کو اس وقت کسی سے بھی کچھ بھی کہنا ٹھیک نہیں لگا۔ وہ کمرے میں چلی آئی۔

پتہ نہیں کیوں آج وہ اس کمرے میں زاویال کی کمی شدت سے محسوس کررہی تھی لیکن وہ کہاں تھا، اُسے کیوں احساس نہیں تھا کہ لائبہ کو اس وقت اس کی کتنی ضرورت تھی۔ شاید جولیا کی محبت کے احساس نے باقی تمام احساسات سے رشتہ توڑنے پر مجبور کردیا تھا۔ پہلی بار اُسے جولیا سے حسد محسوس ہونے لگا۔ یہ محبتیں بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ جتنی گہری اور پُرخلوص ہوتی ہیں، اتنی ہی خواہشوں سے بھرپور اور کبھی کبھی خود غرض سی ہوجاتی ہیں۔ درحقیقت محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کہنے کو تو زمین سے آسمان تک پھیلا ہے مگر اس کے باوجود اس کی کوئی مکمل تعریف نہیں، کوئی خاص نشانی نہیں۔ کبھی رقابت کی آگ میں جلتے رہنا محبت ہے تو کبھی اپنے رقیب کو بھی عزیز رکھنا مگر بہرحال محبت اپنے ہر روپ میں مکمل ہے، معتبر ہے۔

☆......☆......☆

تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ انتظار کی کوئی منزل نہیں، اس یقین کے باوجود کوئی انتظار کرے تو اسے دیوانگی کہتے ہیں۔ لائبہ کے جذبوں میں، شدتوں میں ایسی دیوانگی جگہ پاتی جارہی تھی۔

صبح کا اُجالا چاروں اور پھیلا تو وہ اُٹھ کر باہر آئی اور روزانہ کی طرح ثریا بھابی کی مدد کے لئے کچن میں چلی آئی۔

ثریا بھابی جو ہمیشہ مسکرا کر اس کا استقبال کرتی تھیں۔ آج اُن کے رویئے میں سرد مہری سی تھی۔

''بھابی آج ناشتے میں کچھ خاص بناتے ہیں۔ آج سنڈے ہے نا۔'' وہ اپنے موڈ کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''جو کھانا ہو، بتا دو میں بنالوں گی۔ ویسے بھی مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں یہاں وقت ضائع کرنا چاہئے، ابھی تو تمہیں زندگی سے بہت کچھ چاہئے ہوگا تو پھر تو اس وقت تمہیں کسی پارٹی، فیشن شو، کلب یا کسی ایسی جگہ موجود ہونا چاہئے جہاں لوگ صرف اپنے لئے جیتے ہیں، انہیں رشتوں کی تو دور کسی ساتھ چلنے والے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے لئے خود ہی کافی ہیں۔''

پہلی بار اس سے گفتگو کرتے ہوئے ثریا بھابی کے لہجے میں تلخی تھی۔ یہ لمحہ اس کے لئے کتنا تکلیف دہ تھا، وہی جانتی تھی مگر ابھی اُسے اور کتنے اذیتناک رویوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس کا اُسے خود بھی اندازہ نہ تھا مگر اتنا اُسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی آزمائشوں کا دور ابھی ختم نہیں ہوا۔

☆......☆......☆

لائبہ نے بیگم جہاں آراء کو بیڈ ٹی دی تو وہ جو ہر صبح اُسے سدا سہاگن رہنے کی دعا دیا کرتی تھیں، انہوں نے لائبہ کی جانب دیکھا تک نہیں، کیوں؟ یہ اُسے ان سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ان کے کمرے سے لوٹ آئی۔

سکندر خیام صبح کی چائے نیوز پیپر کے ساتھ لان میں پیتے تھے۔ وہ ان کی چائے لئے وہیں آگئی۔ وہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ اس نے چائے ان کے سامنے میز پر رکھی تو وہ خاموش رہے۔ لائبہ نے ان کی مہربان سے مسکراہٹ کو بہت مس کیا جو اُسے سر پر چھت ہونے کا احساس دلاتی تھی۔

ایکدم لائبہ کو یوں لگنے لگا کہ اب تک وہ ایک گھر کا سپنا دیکھ رہی تھی، تبھی آنکھ کھلنے پر دور تک صحرا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ ٹیرس پر چلی آئی۔ جہاں ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان بادلوں سے دھیرے دھیرے ڈھک رہا تھا گویا بارش کا موسم بن رہا تھا، وہ موسم جس میں دل میں نئی اُمنگیں جنم لیتی ہیں۔ آنکھوں میں نئے خواب کِھل اُٹھتے ہیں۔ یہ موسم اُسے اُداس کر گیا تھا۔ اُسے پتہ تھا کہ اس نے جو کہا تھا اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کیونکہ سب زاویال سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ بھلا یہ کیسے برداشت کرتے کہ کوئی زاویال سے اس کی حقیقی خوشیاں چھین کر اس کی زندگی کو اس موڑ پر لا کر چھوڑ دے جہاں اس کی زندگی کسی شاعر کی ادھوری نظم بن کر رہ جائے مگر پتہ نہیں کیوں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس سے یہ رویئے برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی، تبھی ملازمہ نے آکر اسے زاویال کے لوٹنے کی اطلاع دی تو وہ نیچے چلی آئی۔ وہ کمرے میں موجود تھا اور آنکھیں موندیں لیٹا تھا پُرسکون سے انداز میں۔

واہ زاویال سکندر واہ، تم سا انسان میں نے کبھی نہیں دیکھا، کوئی محبتوں کو پائیدار کرتے ہوئے جاں سے گزرنے کو ہزاروں عذاب سہنے کو تیار ہے اور تم...... ''محبت تو میں نے بھی کی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تمہیں جولیا کی چاہت، اس کی تنہائی کا احساس ہے، تم اس کے آنسوؤں کی قدر کرتے ہو اور میری سسکیاں تمہیں سنائی نہیں دیتیں، کیا تمہیں میری چاہتوں، میری تنہائیوں کا احساس نہیں؟ وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی اور بیڈ کے قریب چلی آئی۔

آہٹ پر زاویال نے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا۔ ''اگر خدا مجھے مزید زندگی دے تو میں اس سے صرف اتنا چاہوں گا کہ جب بھی میری آنکھیں کھلیں، میری نگاہوں کے سامنے تم ہو لائبہ۔''

زاویال نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی۔ آج تک اُسے سب کچھ بِنا مانگے ملا تھا۔ شاید اسی لئے اُسے خدا کی یاد آئی تھی اور نہ ہی کبھی یہ سمجھ میں آیا تھا کہ دعا ہوتی کیا ہے۔ انسان کیوں بے حد شدت سے پوری کائنات میں سے کسی ایک کو اس طرح چاہتا ہے کہ خود کو بھول جاتا ہے اور کوئی ایک ہی اتنا اہم کیسے ہوجاتا ہے کہ انسان زندگی کی طرح خدا سے اُسے مانگنے لگتا ہے۔ اس کا احساس اب زاویال کو ہونے لگا تھا۔

''لگتا ہے رات بھر سوئے نہیں؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی لائبہ کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آگئی۔ لائبہ کی تلخی میں اس کا شکوہ اور شکوے میں اس کی محبت پنہاں تھی۔ اس لئے زاویال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

لائبہ کو اس کی مسکراہٹ عجیب لگی تھی مگر اس نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ اس کی مسکراہٹ نے لائبہ کو اپنے لہجے کی تلخی کا احساس دلایا تھا۔ اس لئے بولی...... ''سوری۔''

زاویال اُٹھ کر تکیوں کے سہارے بیٹھ گیا۔ پھر لائبہ کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ کہے بِنا اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''میں نے سوچا تھا کہ آج تم بہت خوش ہوگی مگر لگتا ہے کہ تم نے اب تک اخبار نہیں دیکھا۔ یوں تو میرا آنے کا ارادہ نہ تھا مگر میں تو تمہیں صرف مبارکباد دینے چلا آیا، تمہاری آزادی کی۔'' وہ بے تاثر سے لہجے میں بولا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے کہنے پر عمران نے راتوں رات مہوش بیگم اور اس کے گینگ کے خلاف ایسے ثبوت ڈھونڈ نکالے کہ وکیلوں کے لئے ضمانت کے متعلق سوچنا بھی ناممکن تھا اور اس وقت جیل مہوش بیگم اور اس کے ساتھیوں سے آباد تھی۔

لائبہ نے خبر پڑھی تو ایک لمحے کے لئے اُس کے چہرے پر چمک آگئی۔ اگلے لمحے اس کی آنکھوں میں خوف سا لہرایا۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر اس سے قبل ہی زاویال نے کہا۔ ''جس بچی کی وجہ سے آج تک مہوش بیگم تمہیں بلیک میل کرتی رہی، وہ اب اس دنیا میں نہیں۔'' وہ افسردگی سے بولا اور اس خبر کے بعد لائبہ کا اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہا۔ زاویال نے اُسے سنبھالا تھا۔

☆......☆......☆

اس دنیا میں اگر کوئی مشکل ترین کام ہے تو وہ ہے انسان کو سمجھنا۔ لوگ کہتے ہیں عورت کو سمجھنا ناممکنات میں سے ہے کیونکہ اس کے بہت سے روپ ہیں، کبھی تو وہ مریم کی طرح پاکباز ہے تو کبھی زلیخا کی طرح نہ سمجھ میں آنے والا کردار......؟ مگر اس کے باوجود مرد اس کی زندگی میں ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کبھی اُسے پل بھر میں مل جاتا ہے اور کبھی عمر کے آخری سفر کے اختتام پر بھی نہیں اور کبھی کبھی جواب مل جانے کے باوجود لفظوں کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ اس گھڑی لائبہ بھی اس کیفیت سے گزر رہی تھی۔

وہ زاویال جس نے اب تک اس کے دل ہی نہیں، رُوح پر لگے ہر زخم کی مسیحائی کی تھی، آج اُسے اپنی زندگی سے جانے کو کہہ رہا تھا۔ لائبہ اُسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

کتنے لمحے یونہی بیت گئے پھر لائبہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ یہ چند قدموں کا فاصلہ لائبہ کو صدیوں پر محیط لگا تھا۔ وہ اس کے پاس آکر بڑی ہمت سے بولی۔ ''کیا آپ واقعی چاہتے ہیں کہ میں آپ کی زندگی سے چلی جاؤں...... ہمیشہ کے لئے۔'' نجانے کیوں زاویال کی خواہش کو ہونٹوں پر لاتے ہوئے وہ اپنی لڑکھڑاتی زبان سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

زاویال سے زیادہ یہ کون جان سکتا تھا کہ کسی اپنے سے جدا ہونے کی اذیت کیا ہوتی ہے، اس لئے وہ محسوس کرسکتا تھا کہ لائبہ کے دل پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اس کے الفاظ نے کیسے لائبہ کے جذبات و احساسات کو گھائل کرڈالا ہے۔

لائبہ کی آنکھوں میں ٹھہر جانے والی حیرت اور بے یقینی اس کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کا دکھ دیکھ کر زاویال کے دل پر کیا قیامت بیت رہی تھی۔ یہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس کا ہر آنسو، ہر درد زاویال کے دل سے ہوکر گزرتا تھا۔

''اگر سزا دے رہے ہیں تو کم از کم میری خطا تو بتا دیں۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

زاویال کا دل تڑپ گیا مگر وہ خود کو سنبھال کر بولا۔ ''خطا و سزا یہ سب وہاں ہوتا ہے جہاں عمر بھر کا کوئی رشتہ ہو اور میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ ہے اس کی بنیاد ایک معاہدہ ہے اور اگر تم یہ بھول رہی ہو کہ وہ معاہدہ کیا تھا تو میں تمہیں یاد دلا دوں۔ ہمارے درمیان یہ طے تھا کہ تب تک تم میری زندگی میں رہو گی جب تک میری زندگی میں تمہاری ضرورت رہے گی اور......'' وہ خاموش ہوگیا۔

''تو اب آپ کو میری ضرورت نہیں؟'' اس نے ایک موہوم سی امید کے تحت پوچھا کہ شاید وہ کہہ دے......''لائبہ اگر میں کسی سے کئے وعدے کا پابند نہ ہوتا تو میرے دل میں پہلی اور آخری خواہش صرف اور صرف تمہارا ساتھ ہوتا کیونکہ پل بھر کے لئے سہی، میں نے تمہیں چاہا ہے۔ فقط ایک لمحے کے لئے تم میری خواہش اور ضرورت نہیں صرف چاہت تھیں۔'' مگر اس نے کہا تو صرف اتنا کہ ''یہاں سے میرے اور تمہارے راستے الگ الگ ہیں۔ شاید ہی اب زندگی میں ہم کبھی دوبارہ مل پائیں۔ دراصل میری زندگی میں اہمیت صرف اور صرف حال و مستقبل کی ہے۔ ماضی میں بننے والے رشتے، بیتے لمحے اور ملنے والے لوگ صرف بھول جانے کے لئے ہوتے ہیں جیسے آج کے بعد تم مجھے ماضی سمجھ کر بھول جاؤ گی۔ شاید کچھ عرصے بعد تم میرے متعلق سوچو تو ہنس دو، مجھے دیکھو تو پہچانو بھی نہیں۔'' وہ بڑے حوصلے سے بول رہا تھا۔ لائبہ خاموش رہی، اب کچھ کہنے کا فائدہ بھی تو نہیں تھا، اپنی عزت تو وہ بہت پہلے گنوا چکی تھی، دل آج ٹوٹ گیا تھا۔ اب وہ کچھ بھی کہہ کر اپنی اَنا نہیں گنوانا چاہتی تھی کہ اس کی نسوانی اَنا ہی تو اس کا اثاثہ تھی۔ اُسے بھی گنوا دیتی تو اس کے پاس بچتا کیا......اس کے جینے کی پھر کیا وجہ باقی رہ جاتی، اس لئے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

''کہیں تو ابھی چلی جاؤں۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

''نہیں اب تو بہت رات ہوگئی ہے، کل چلی جانا۔'' اُس نے بھی رخ پھیر لیا تھا کیونکہ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

نیند تو نجانے کب سے زاویال کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی مگر آج لائبہ کا دل دکھا کر چین بھی رخصت ہوگیا تھا۔ پتہ تھا کہ وہ بھی نہیں سوئی ہوگی۔ اس لئے وہ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر بیڈ روم میں آیا تو وہ وہاں موجود نہ تھی۔

زاویال کو زبردست دھچکا لگا۔ اس نے چند لمحوں میں دیوانوں کی طرح سارا گھر کھنگال ڈالا۔ جب وہ اُسے لان میں بینچ پر بیٹھی دکھائی دی تو اس کی سانس میں سانس آئی۔

وہ اس کے قریب بینچ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ جان بوجھ کر متوجہ نہیں ہوئی۔

تب وہ خود ہی بولا...... ''اتنی رات ہوگئی اب تک سوئی نہیں؟'' اُس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

(جاری ہے)

''تقدیر نے تو مجھے کوئی اختیار نہیں دیا۔ کم از کم آپ تو میرے سونے، جاگنے پر تو میرا اختیار باقی رہنے دیں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ بوکھلا گیا۔ اس نے تو یونہی سادہ سا سوال کیا تھا۔ کیا معلوم تھا کہ اس کے دل میں درد پل رہا تھا۔ زاویال خاموش ہوگیا جبکہ وہ مزید بولی۔ ''آپ کے اور مہوش بیگم کے بیچ جو معاہدہ ہوا، میں اس سے ناواقف تھی، آج بھی پوری طرح آگاہ نہیں ہوں، اس لئے مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ میری آنکھیں کب کون سا خواب دیکھیں گی، کب کسی خواب سے رشتہ توڑ لیں گی، مجھے کب سونا اور جاگنا ہے، کب رونا اور ہنسنا ہے۔ بتا دیجئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے اور ویسے بھی جتنا روپیہ آپ نے مہوش بیگم کو دیا ہے، وہ اب تک پورے نہیں ہوئے، آپ چاہیں تو اسے کسی طرح بھی پورا کر سکتے ہیں، چند دنوں میں یا چند گھنٹوں میں...... اس کا فیصلہ ابھی اور اسی وقت کرلیں تاکہ میرے پاس بھی اس چھت تلے گزارے لمحوں کو آپ کے ساتھ وہمدردی، آپ کی دوستی و مسیحائی کو بھولنے کی کوئی ایک وجہ ہو۔'' وہ بولی۔

زاویال سناٹے میں آگیا۔ یعنی وہ اُسے اتنا گرا ہوا سمجھتی تھی کہ وہ پیسوں کے لئے اسے اس مقام تک لے آئے گا جہاں ایک بیوی اور بازاری عورت میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ زاویال کا تو خون کھول اُٹھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر بینچ سے اُٹھایا اور اپنے سامنے کھڑا کرلیا۔ لائبہ پوری جان سے کانپ گئی۔

''کیا کہا تم نے، پھر بولو؟'' اس کا لہجہ بھی اس کی گرفت کی طرح سخت تھا۔ آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ لائبہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کی دھڑکنوں کو بھی سن سکتا تھا مگر اس پل غصہ اس پر اتنا حاوی تھا کہ اُسے اس قربت کا احساس ہی نہ تھا جبکہ لائبہ اس کے لمس کو اپنے وجود اور اس کی ہر دھڑکن کو اپنی دھڑکنوں میں محفوظ کر رہی تھی۔ زاویال اسی انداز میں مزید بولا۔

''آج تک میری زندگی میں جتنی عورتیں آئیں، ان کی میں کبھی عزت نہیں کرسکا کیونکہ ان کے نزدیک ریلیشن کا مطلب تمام حدوں کو توڑنا تھا لیکن تمہاری میں اس لئے عزت کرتا ہوں کیونکہ تم سے مجھے خلوص ملا، ساتھ ملا اور سب سے بڑھ کر محبت......'' وہ ایکدم خاموش ہوگیا۔ اُسے احساس ہوا کہ انجانے میں وہ اس پر وہ حقیقت عیاں کرنے جا رہا تھا جس کے عیاں ہونے کے بعد وہ اپنے مقدر میں اپنے ہاتھوں تیرگی لکھ لے گی اور وہ نہیں چاہتا تھا۔ زاویال نے دھیرے سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

''اچھا ہوا آپ نے اپنی زبان کو روک لیا کیونکہ میں بھی کسی نئی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہتی۔'' وہ کڑوے لہجے میں بولی، کیونکہ اب اس میں حوصلہ نہ بچا تھا کہ اپنے بچے ہوئے خوابوں کی کرچیوں کے زخم روح پر لئے اپنا سفر جاری رکھتی۔

زاویال خاموش تھا اور یہ خاموشی لائبہ کے لئے بے حد تکلیف دہ تھی۔

☆......☆......☆

صبح لائبہ کی غیر موجودگی سب کے لئے سوالیہ نشان تھی۔ زاویال کی تو جان پر بن آئی۔ تبھی بیگم جہاں آراء نے بتایا۔ ''لائبہ کی دادی سیڑھیوں سے گر گئی ہیں اور اسپتال میں ہیں۔ فجر کے وقت فون آیا تھا، چاہتی تو تھی کہ تمہیں بتا دوں مگر لائبہ تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے میں نے اسے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا۔''

''مما، آپ بھی حد کرتی ہیں، مجھے بتا تو دیتیں، میں آرام سے سوتا رہا اور وہ وہاں اکیلے......'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

اس سے قبل کہ وہ مزید اس سے کچھ کہتیں، وہ اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔ ذرا دیر میں وہ جہاں آراء کے بتائے اسپتال پہنچ گیا۔ وہ افتخار فاروقی کی دوائیں لینے جا رہی تھی، تبھی کوریڈور میں اس کا سامنا زاویال سے ہوگیا اور زاویال جواب تک اس کے لئے پریشان تھا، اب اس کی فکرمندی خفگی میں تبدیل ہوگئی۔ وہ اس پر برس پڑا۔

''واہ خوب راہ ڈھونڈ رہی ہو اپنی اہمیت جتانے کی، تمہیں احساس ہے کہ تمہیں نہ پاکر میں کتنا پریشان ہوگیا تھا، مجھے تو لگا کہ جیسے......'' اس سے قبل کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، لائبہ بول پڑی۔ ''جیسے میں آپ کے گھر سے کوئی قیمتی چیز چرا کر تو نہیں بھ گ گئی؟''

...میں رہ گیا۔ پھر وہ بولا تو لفظوں ...برف جمی تھی۔ ''تمہیں لگتا ہے ...انسانوں سے زیادہ چیزوں کی ...ہے؟''

...اف کیجئے گا مسٹر زاویال، آپ بولنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ انسان اور کٹھ پتلی میں فرق ہوتا ہے۔ میں کٹھ پتلی ہوں، انسان نہیں۔ اس لئے آپ کی زندگی میں میرے ہونے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا، اہمیت تو دور کی بات ہے۔'' وہ بولی۔

اس مرتبہ زاویال نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ موضوع بدلنے کی خاطر بولا۔ ''بہر حال کہاں جا رہی ہو؟''

''ابو کے لئے دوائیں لینے جا رہی ہوں، آپ کو کوئی اعتراض؟'' وہ تلخی سے بولی تو اس مرتبہ زاویال چڑ گیا۔ ''اگر میں غلط نہیں تو حالات چاہے جیسے بھی ہوں، کم از کم میں اتنا تو ڈیزرو کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ڈھنگ سے بات کرسکو اور اگر ایسا نہیں تو پھر میرا خیال ہے مجھے اپنی ناقابل برداشت شخصیت کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑے رہ کر تمہاری پریشانی کا باعث بننے کا کوئی حق نہیں۔'' اس کے لہجے میں ایک کرب سا تھا۔ وہ پلٹا تو لائبہ کو احساس ہوا کہ وہ زاویال کے ساتھ زیادتی کر گئی ہے، اس لئے بے اختیار بولی۔ ''سوری، آپ ٹھیک کہتے ہیں، جتنے احسانات آپ مجھ پر کر چکے ہیں، اس کے بعد واقعی اس طرح سے مجھے آپ سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں، سو اگین سوری۔'' لائبہ کا انداز جتانے والا تھا۔ اب اُسے لائبہ سے کچھ بھی کہنا فضول لگا۔ اس لئے وہ خاموش ہوگیا۔

☆......☆......☆

نیہا کو آسیہ بانو کے متعلق معلوم ہوا تو وہ کافی فکرمند ہوگئی۔ سبھی اسے تسلی دے رہے تھے مگر اس کے اسپتال جانے کے حق میں کوئی نہ تھا کیونکہ سب کو بچے کی فکر تھی۔ نیہا کے دل پر کیا بیت رہی تھی، اس کی کسی کو پروا نہ تھی۔ نیہا نے ایک لفظ بھی نہیں کہا حالانکہ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ کم از کم ایک مرتبہ تو انہیں دیکھ لے تاکہ دل کو تسلی ہو جائے مگر ایک مدت ہوئی کہ اس کا خود اپنی ہی خواہشات و جذبات سے رشتہ نہ رہا تھا۔ جو وقت وہ گزار رہی تھی یا جتنے رشتے وہ جس طرح سے نبھا رہی تھی، وہ صرف اور صرف دوسروں کے لئے، اس لئے اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا مگر اعتزاز کو اس کی خاموشی جیسے مجبوری لگ رہی تھی۔

وہ لانڈری سے آئے کپڑے الماری میں رکھ رہی تھی تو اعتزاز بھی اس کے پیچھے چلا آیا اور بنا تمہید بولا۔ ''دوسروں کو خوشی دینا اچھی بات ہے لیکن اگر انسان اپنے دل پر اپنے دکھوں کا ڈھیر سارا بوجھ رکھ کر ان لوگوں کو خوشی دینا چاہے، جو اسے شدت سے چاہتے ہوں تو ایسی خوشی ان تک احساسِ جرم کی صورت میں پہنچتی ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ اپنے جن کے لئے تم یہ سب کر رہی ہو، وہ اس احساسِ جرم میں مبتلا رہیں کہ وہ تمہاری راہ کی دیوار ہیں کیونکہ انہوں نے تمہیں نہ کھل کر ہنسنے دیا اور نہ رونے کا حق دیا۔'' وہ سچائی سے بولا۔

نیہا اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر الماری کی سمت بڑھنا چاہتی تھی، تبھی وہ کسی دیوار کی مانند راہ میں ایستادہ ہوگیا اور نیہا کی تمام راہیں مسدود کردیں۔

نیہا نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا نہیں، تو اعتزاز دو قدم اور آگے بڑھ آیا۔ نیہا بے ارادہ پیچھے ہٹی۔ اعتزاز نے اپنے قدم روک لئے پھر سنجیدگی سے سینے پر بازو لپیٹے بولا۔ ''مجھے تمہارے جذبات کو جاننے کے لئے تمہارے لفظوں کی ضرورت نہیں، میں تمہاری خاموشی کو پڑھ سکتا ہوں، سن سکتا ہوں اور الفاظ بھی دے سکتا ہوں کیونکہ میں تمہاری سانسوں سے وابستہ ہر موسم کا رنگ پہچانتا ہوں، تمہارے دل کے سمندر میں رونما ہونے والے تغیرات سے واقف ہوں، پھر خواہ وہ جذبات کا تلاطم ہو یا احساسات سے جنم لینے والی یادوں کا سکوت یا پھر اس اذیت کا احساس جو صرف اس لہر کا نصیب ہوتا ہے جو بڑی شدت سے ساحل تک پہنچنے کی خواہش رکھتی ہے مگر اس کی انا اُسے ساحل سے دور رہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔'' وہ پُر یقین تھا۔

اور تب پہلی مرتبہ نیہا نے نگاہیں اٹھا کر اُسے دیکھا۔ نیہا کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ''بس کریں اعتزاز حسن، بس کریں، جو میری زندگی میں ہو چکا ہے، اس کے بعد اگر آپ محبت کے دعویدار ہیں تو یہ اظہار میرے لئے قابل اعتبار نہیں، اس لئے میرے ساتھ یہ لفظوں کا کھیل نہ کھیلیں اور پھر جب آپ جیت چکے ہیں اور میں نے آپ کی جیت کو قبول کر بھی لیا ہے تو اب آپ مجھے اپنی محبت کا یقین دلا کر کیا پانا چاہتے ہیں؟'' وہ ایکدم سے پھٹ پڑی تھی۔ آنکھوں کی نمی میں اضافہ ہوگیا۔ نجانے کیوں اچانک تمام زخم ہرے ہوگئے تھے۔

''میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا، کیا اس کے لئے یہ سزا کافی نہیں کہ جسے میں نے صرف اپنے لئے چاہا، اس کا ہاتھ مانگا۔ آج وہ میری زندگی میں شامل ہے مگر میری چاہت اور اپنی رضا سے نہیں بلکہ رسوائی کے خوف سے ایک تیسرے وجود کے سبب۔ اس کے باوجود تم مجھے فاتح کہتی ہو؟'' اس کے لہجے میں کرب تھا اور نجانے کیوں نیہا اس گھڑی لاجواب ہوگئی۔ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

اعتزاز کو اس گھڑی احساس ہوا تھا کہ کسی کا دل توڑنا بہت آسان ہوتا ہے مگر کسی کا دل تسخیر کرلینا ایسا ہی ہے جیسے عمر بھر کی ریاضت کے بعد من چاہی منزل یا زندگی بھر کی عبادت و بندگی کے عوض خدا کو پالینا۔

درحقیقت آج اُسے احساس ہو رہا تھا کہ جنہیں شدت سے چاہا ہو، اگر وہی چاہتوں کو نظر انداز کرنے لگیں تو دل پر کیا بیتتی ہے۔ آج اسے نیہا کے اس کرب کا احساس ہو رہا تھا جس سے وہ محض اعتزاز کی وجہ سے گزری تھی۔ وہ کہتے ہیں نا سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اندازہ لگانا کہ سمندر کتنا گہرا ہے، ایک بات ہے مگر سمندر میں اُتر کر اس گہرائی کا اندازہ لگانا، اسے جانچنا دوسری بات ہے۔ اعتزاز اب تک کنارے پر کھڑا تھا مگر نیہا سے

دوری نے اسے سمندر میں اُترنے پر مجبور کر دیا تھا اور تب وہ اس سمندر کی گہرائی کا بھید جان گیا تھا۔

☆......☆......☆

آسیہ بانو کی طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر تھی۔ زاویال جب سے آیا تھا تب سے اس کے ساتھ تھا۔ صبح سے ایک کھیل تک اُڑ کر اس کے منہ میں نہ گئی تھی۔ چہرے سے تھکن عیاں تھی۔ وہ دونوں دادی کے بیڈ کے دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کی دیوار کھڑی تھی۔ ''میرا خیال ہے آپ کو گھر جا کر آرام کرنا چاہئے۔ آپ نے صبح سے کچھ کھایا ہے اور نہ ہی آرام کیا ہے۔ آپ کے آفس سے بھی دو مرتبہ میٹنگ کے لئے فون آچکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو جانا چاہئے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

زاویال اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ ''اسے میں ایک بیوی کی فکر سمجھوں یا کسی اجنبی کی بیزاری؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھا۔

''میرے دل کو تو قدموں تلے روند چکے ہیں، اب میرے جذبات و احساسات پر خاموشی کا پردہ پڑا رہنے دیں کہ میری نسوانی اَنا کا کچھ تو غرور باقی رہ جائے۔'' وہ تلخی تھی۔ آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔

زاویال کو دکھ ہوا مگر وہ اس کے آنسوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر کوئی امید نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ ''لائبہ، میری زندگی کا یہ وہ مقام ہے کہ جہاں میں آخری سانسیں لیتے اُس انسان کی طرح ہوں جسے یہ یقین ہو کہ اب اگلے پل زندگی کا ہاتھ موت کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ دینا چاہتا ہو مگر میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں وعدوں کی زنجیر سے باندھ کر تمہاری زندگی میں اس راہ کو شامل کردوں جس کی کوئی منزل نہیں۔ میرے اقرار کے عوض جو تمہارے پاس بچے گا، وہ ہوگا سفر اور مسلسل انتظار، جو مجھے منظور نہیں کیونکہ اگر سفر طویل ہو جائے تو رشتے ناتے تھک کر پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انتظار کی اذیت کسی کا ساتھ کم نہیں کرسکتی، سوائے اس شخص کے ساتھ کے کہ جس کا انتظار کیا جائے۔'' وہ یہ سب کہنا چاہتا تھا مگر کہا نہیں۔

سلمیٰ یونس

آخری قسط

وہ جانے لگا تبھی لائبہ نے بے اختیار ہی اسے پکار لیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دو قدم آگے آگئی۔

''کچھ رشتے خواہش یا ضرورت ہوتے ہیں اور کچھ رشتے گھنی دھوپ میں چھاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو کڑی دھوپ میں ننگے پاؤں چلنے والے مسافر کو کچھ وقت کے لئے سہی، ایک ہمدرد کی طرح پناہ دیتے ہیں اور کچھ رشتے جو ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتے مگر ان کے ہونے سے ہمارے ہونے کا احساس جڑا ہوتا ہے۔ ان رشتوں کے دامن میں بھلے ہمارے لئے کچھ نہ ہو مگر ان رشتوں کو اپنی منزل ملے، یہ احساس صرف یہی دعا بن کر سدا خدا سے یہی مانگتا ہے۔'' وہ بول رہی تھی۔ زاویال غور سے اسے سن رہا تھا۔ لائبہ کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ''میں نہیں جانتی کہ اب کبھی زندگی میں ہم مل بھی پائیں گے یا نہیں مگر میں جہاں بھی رہوں گی، بس یہی دعا کرتی رہوں گی کہ آپ کو زندگی کی ہر خوشی ملے، محبت و خلوص کی دولت سے آپ ہمیشہ مالا مال رہیں اور جہاں جس موڑ پر بھی تقدیر زندگی و موت کو آپ کی خوشیوں کی راہ میں لا کھڑا کرے تو وہ موت ہمارے لئے ہو، زندگی صرف آپ کے لئے۔'' وہ چاہ کر بھی اپنی شدتوں کو عیاں ہونے سے نہیں روک سکی اور اس گھڑی زاویال کو لائبہ کی چاہت اور اپنی خوش قسمتی کا احساس ہوا۔

بھلا اس سے زیادہ خوش قسمتی کسی کی کیا ہوسکتی ہے کہ اُسے جیتے جی یہ یقین مل جائے کہ کوئی اُسے اور صرف اُسے چاہتا ہے۔

☆......☆......☆

وہ گھر لوٹ آیا مگر اس کا دھیان اب بھی مکمل طور سے لائبہ کی جانب تھا۔ وہ جہازی سائز بیڈ کے وسط میں لیٹ گیا۔ اُسے اپنے مرنے کے خوف سے زیادہ اپنوں کو کھونے کا دکھ تھا اور سب سے زیادہ اُسے لائبہ کی فکر تھی کہ وہ اس کے بنا کیسے جیئے گی۔ اُس نے کتنی کوشش کی تھی کہ لائبہ اس سے نفرت کرے مگر اس کی محبت و بے لوث چاہت کے آگے زاویال کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندیں اس کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس لئے بیگم جہاں آراء کب کمرے میں آئیں، اسے خبر تک نہ ہوئی۔

انہوں نے پیار سے پکارا تو زاویال نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ بیگم جہاں آراء کو دیکھ کر وہ ایکدم اٹھ بیٹھا۔ ''ممی، آپ کب آئیں؟'' وہ سمٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

بیگم جہاں آراء اس کے قریب بیٹھ گئیں اور بڑی نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''کیا بات ہے زاویال، تم کچھ پریشان ہو؟'' ان کے لہجے میں بے حد فکرمندی تھی۔

زاویال نے چونک کر انہیں دیکھا پھر مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بولا۔ ''نہیں ممی ایسی تو کوئی بات نہیں، میں...... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

''پتہ نہیں کیوں جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا ان کے جھوٹ پر یقین کرنے لگتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولنے میں اس قدر ماہر ہوچکے ہیں کہ ان کے والدین بھی ان کے جھوٹ پر یقین کرلیں گے حالانکہ والدین کو اولاد کے دُکھ سکھ کی خبر رہتی ہے، وہ بھی اولاد سے انجان نہیں رہتے۔'' وہ مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولیں۔

زاویال سے کچھ کہا نہیں گیا۔ وہ نادم تھا تبھی جہاں آراء نے پیار سے پوچھا۔ ''یہ میں جانتی ہوں کہ کوئی دُکھ ہے جو تمہیں اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے، تم کسی ایسی آزمائش سے گزر رہے ہو جس کا کرب صرف تم جانتے ہو۔ بتاؤ نا کیا بات ہے؟'' انہوں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا تو زاویال ان کی گود میں سر رکھ کر کسی چھوٹے معصوم بچے کی مانند اپنا ہر کرب، ہر دُکھ آنسو آنسو کر کے رو رہا تھا۔ بیگم جہاں آراء نے اُسے رونے دیا بنا سبب جانے!

اس کائنات میں سب رشتے اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں مگر وہ کہیں نہ کہیں موسم اور وقت و حالات کے زیر اثر آجاتے ہیں مگر ماں اور بچے کا رشتہ بڑا انوکھا ہوتا ہے۔ ماں موت کا سا کرب سہہ کر اپنے بچے کو دنیا میں لاتی ہے اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ وہ اپنی تمام عمر اپنے حصے میں دھوپ رکھتی ہے مگر چھاؤں بھلے مٹھی بھر ہو، وہ بنا کسی شرط کے کسی بچے کو دے دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر رشتے میں ایک انسان کو پرکھا جاتا ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے اندر خوبیاں زیادہ ہیں تب اس کو کوئی نیا رشتہ جوڑنے کا حق دیا جاتا ہے لیکن ماں نامکمل شخصیت کے ساتھ، بنا کسی شرط کے اپنی اولاد کو چاہتی ہے، تمام تر صداقتوں کے ساتھ......

یہ دنیا مرد کے آنسوؤں کو فریب کہتی ہے یا اس کی کمزوری؟ مگر ماں وہ اپنے بچے کے تمام آنسو، ہر دکھ اپنے دامن میں چھپالیتی ہے کیونکہ وہ ماں ہے، جس کا دل ایک سمندر ہوتا ہے، جو اپنی گہرائی میں کئی راز پنہاں رکھتا ہے۔ اسی لئے تو خدا نے اپنے بعد تخلیق کا حق صرف عورت کو دیا ہے، ماں کو دیا ہے اور بہشت بھی اس کے قدموں میں رکھ دی ہے۔

☆......☆......☆

زاویال نے جب بیگم جہاں آراء کو اپنی زندگی کی ہر وہ سچائی بتائی جواب تک ان سے چھپاتا آیا تھا تو بیگم جہاں آراء ساکت سی رہ گئیں۔ انہیں تو کبھی پتہ نہیں چلا کہ ان کا بیٹا کتنا بدل چکا ہے۔ وہ جو صرف اپنے لئے زندگی جیتا رہا تھا، آج موت کے دہانے پر کھڑا کسی دوسرے کو زندگی دے رہا تھا۔ یہ ہنر وہ کب سیکھ گیا، انہیں تو خبر ہی نہیں ہوئی اور لائبہ...... انہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ زاویال کو اتنی شدت سے چاہتی ہے کہ اس کی راہ کے کانٹے اپنی پلکوں سے چن سکتی ہے۔ یہ اس کی شدتِ محبت ہی تو تھی کہ اس نے زاویال پر لگا ہر الزام اپنی ذات پر لے لیا کہ زاویال پر کوئی انگلی نہ اٹھائے۔ کتنے طعنے و نفرتیں سہہ لیں مگر اُف تک نہ کی۔

یہ محبت نہیں، ان دونوں کا عشق تھا کیونکہ جب دو لوگ ایک دوسرے کے لئے خود کو مٹانے کے لئے تیار ہو جائیں تو وہ عشق کہلاتا ہے۔ بیگم جہاں آراء اندر ہی اندر لائبہ سے سخت شرمندہ تھیں کہ وہ اُسے سمجھ نہ پائیں۔

''مما آپ کو بُرا لگا نا کہ میں نے آپ سے اتنا کچھ مخفی رکھا؟'' زاویال نے ان کی خاموشی سے یہی اندازہ لگایا۔

''نہیں بلکہ میں سوچ رہی تھی کہ جس طرح سے تم لائبہ کو چھوڑ آئے ہو، وہ اپنی فیملی کو اتنے دن وہاں رہنے کی کیا وجہ بتائے گی۔'' بیگم جہاں آراء اب زاویال کے ساتھ ساتھ لائبہ کے لئے بھی پریشان ہوگئی تھیں۔

☆......☆......☆

آسیہ بانو گھر آگئیں۔ لائبہ دل و جان سے ان کی خدمت میں لگی تھی مگر پتہ نہیں کیوں شاہدہ کو ہر گزرتا دن، ہر بیتنے والا لمحہ پریشان کر رہا تھا کیونکہ زاویال جس دن سے اسپتال سے گیا تھا، نہ تو واپس ان لوگوں سے ملنے آیا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا...... اور تو اور اتنے وقت سے اس کے سسرال والوں نے بھی لائبہ کی کوئی خبر نہ لی تھی حالانکہ اب سے پہلے تو یوں ہوتا تھا کہ لائبہ کو لوٹنے میں ایک گھنٹے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو ان لوگوں کے نجانے کتنے فون آجاتے اور آج وہی لائبہ تھی جو میکے میں پڑی تھی مگر کسی کو بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔

آسیہ بانو سو گئیں تو عصر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے رات کے کھانے کی تیاری شروع کردی، تب شاہدہ بھی اس کے پیچھے چلی آئیں۔ لائبہ پالک صاف کر رہی تھی، شاہدہ بھی اس کے ساتھ پیڑھی رکھ کر بیٹھ گئیں اور اس کی مدد کرنے لگیں، تبھی لائبہ بولی۔ ''رہنے دیں نا امی، میں کرلوں گی۔''

''سارا دن تو تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا، چلو اسی بہانے تم سے دو چار باتیں ہی ہو جائیں گی اور ویسے بھی مجھے بھی کوئی اور کام نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

جواباً لائبہ مسکرا دی۔ دو پل خاموشی کی نذر ہوگئے، پھر شاہدہ نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ ''لائبہ، تمہارے اور زاویال کے درمیان سب ٹھیک تو ہے نا؟''

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب اب تک اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا مگر اب سوال سامنے آیا تو ہمت دم توڑنے لگی مگر پھر بھی وہ سنبھل کر بولی۔ ''جی سب ٹھیک ہے، آپ کو کیوں لگتا ہے کہ سب ٹھیک نہیں ہے؟''

''کیونکہ جس طرح تم بتاتی ہو کہ زاویال اور اس کے گھر والے تمہیں کتنا چاہتے ہیں، ایسے میں اتنے دن تمہارے گھر سے غیر حاضر رہنے پر انہیں فرق ہی نہیں پڑا اور تمہیں بھی میں نے کبھی زاویال کو یاد کرتے نہیں دیکھا، نہ ہی تم نے ان لوگوں کو فون کیا۔ آخر تم ہم لوگوں سے کیا چھپا رہی ہو؟'' شاہدہ بے حد پریشان تھیں۔

''اگر آپ کو میرا یہاں رہنا پسند نہیں تو میں آج ہی چلی جاؤں گی۔'' اُسے دکھ سا ہوا۔ ابھی چند دن ہوئے تھے اور وہ گھر والوں کو بوجھ لگنے لگی تھی اور اب جبکہ وہ اس حقیقت سے واقف نہ تھے کہ ان کا رشتہ ہمیشہ سے ایک سودا تھا اور اب سودا ختم ہونے کا وقت آگیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سسک رہی تھی مگر یہ اس کی تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنا دکھ کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرسکتی تھی۔

شاہدہ گھبرا سی گئیں۔ جلدی سے بولیں۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں صرف اس لئے کہہ رہی تھی کہ اتنی مشکل سے سب کچھ ٹھیک ہوا ہے، نہیں چاہتی کہ اب ہمارے گھر کا کوئی مسئلہ موضوع گفتگو بنے اور پھر کل راحیلہ کے لئے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ زاویال ہمارا بڑا داماد ہے، اگر اس موقع پر وہ نہ ہوا تو وہ لوگ جانے کیا سمجھیں۔''

لائبہ خاموش ہوگئی۔ اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کے اپنے ایک مرتبہ پھر مشکل میں آجائیں گے۔

☆......☆......☆

لائبہ، زاویال کے آفس آئی تھی تاکہ اس سے کہہ سکے کہ آخری مرتبہ وہ راحیلہ کے معاملے میں

Color
Cyan

اس کی مدد کردے۔ زاویال اور عمران کچھ خاص معاملات پر بات کر رہے تھے۔ زاویال کی جونہی اس پر نگاہ پڑی، یوں لگا جیسے بے جان وجود میں کسی نے اچانک روح پھونک دی ہو۔

دل بے اختیار ہونے لگا مگر اُس تک آتے آتے وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔

"تم اس وقت یہاں......؟" وہ حیران تھا۔

"آپ سے کچھ ضروری بات کہنی تھی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"آخر ایسی کون سی ضروری بات تھی جس کے لئے تم نے مجھے آفس میں آکر ڈسٹرب کیا۔" وہ ممکنہ حد تک لہجے میں تلخی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور لائبہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"اب آ ہی گئی ہو تو بولو کہ آخر ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے جو آپ کو آفس میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینا یاد نہیں رہا؟" اس کا انداز طنزیہ تھا۔

لائبہ کو عمران کی موجودگی میں اس کا یہ رویہ بے حد تکلیف دہ لگا مگر وہ اپنی غرض سے مجبور تھی، اس لئے کچھ نہ بولی۔ عمران کو بہت بُرا لگا مگر وہ زاویال کی مجبوری سمجھ سکتا تھا، اس لئے ضبط کئے بیٹھا رہا۔

تب زاویال مزید بولا۔ "ہاں، اب ذرا جلدی بولو، میرا وقت بہت قیمتی ہے، یوں ہر ایک کے لئے برباد کرنے لگوں تو میرے لئے مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔

اس نے زاویال کی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھا جیسے کہہ رہی ہو......تو زاویال سکندر اب میں تمہارے لئے اس قدر ثانوی ہوگئی کہ مجھ سے دو پل بات کرنا بھی تمہیں وقت کا زیاں لگنے لگا۔ اسے شدید دکھ ہوا مگر اس کے باوجود اس نے بڑے ضبط سے اپنے گھر آنے کی التجا کی۔ اپنے گھر والوں کی مجبوری دیکھتے ہوئے اس کی منت کی مگر زاویال کا جواب اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

"تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہاری مجبوریوں سے بندھا رہوں، بار بار ایک مردہ رشتے کو زندہ کروں اور ان رشتوں سے دور ہو جاؤں جو میرے زندہ ہونے کا احساس لئے ہوئے ہیں۔" وہ شاکی لہجے میں بولا۔

لائبہ نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا جس نے اسے سینے میں دل ہونے کا احساس دلایا تھا۔ پھر سے اس کی زندگی میں رشتوں کو اس انداز میں شامل کیا تھا کہ رشتوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ وہ ہر رشتے کو اپنی ذات سے پہلے رکھنے لگی تھی لیکن آج وہی شخص انہی رشتوں سے وابستہ خوشی وغم کو مجبوری کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زاویال سکندر کا کون سا روپ حقیقی تھا، وہ جو ایک ہمدرد وغمگسار دوست کا، ساتھی کا تھا یا یہ جس میں خود غرضی اور سفاکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ آخری کوشش کے طور پر بڑی لجاجت سے بولی۔ "یہ میرے گھر والوں کی عزت اور میری بہن کی زندگی کا سوال ہے۔"

اس کا انداز ایسا تھا کہ زاویال کو اپنی ذات بہت بے رحم لگی۔ اُسے جیسے خود سے ہی نفرت ہونے لگی مگر اس کے باوجود وہ بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا، ویسے بھی تمہاری فیملی تمہاری پرابلم ہے، میری نہیں اس لئے اب تم جاسکتی ہو اور پلیز آئندہ اپنا کوئی مسئلہ لے کر میرے پاس مت آنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری پرابلمز کی وجہ سے میری زندگی بے سکون ہو جائے یا میرے اور جولیا کے رشتے میں تمہاری وجہ سے کوئی پرابلم آئے۔" وہ رُخ موڑ کر بولا۔

"بے فکر رہئے، ایک پتھر کو دیوتا سمجھنے کی غلطی میں بار بار نہیں کروں گی۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔

اس گھڑی اگر وہ زاویال کی آنکھوں میں نمی دیکھ لیتی تو پتہ چلتا کہ لائبہ اس کے لئے کیا تھی اور اس کے دل میں جو محبت تھی، اس کی انتہا کیا تھی۔ عمران نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھا مگر زاویال ہر بار لائبہ کو دکھی کر کے جس احساسِ جرم میں مبتلا ہو جاتا تھا، اس کی اذیت صرف وہی جانتا تھا۔

☆......☆......☆

آفس سے لوٹتے وقت بھی زاویال یہی سوچ رہا تھا کہ اس نے بھلے جو کچھ کیا ہے، لائبہ کو انتہائی تکلیف سے بچانے کے لئے کیا مگر نجانے اس کے رویئے کا لائبہ کی ذات اور زندگی پر کیسا اثر ہوگا اور کس حد تک ہوگا، فی الوقت وہ یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ کبھی اسے لگتا کہ آج کے بعد وہ اس سے اتنی نفرت کرنے لگے گی کہ دوبارہ مڑ کر اسے دیکھنا بھی نہیں چاہے گی اور اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے اسے بھول جائے گی یعنی زاویال جو چاہتا تھا، وہ خود بخود ہو جائے گا مگر پھر خوفزدہ ہو کر قیاس کرتا کہ کہیں اس کے رویئے سے دلبرداشتہ ہو کر وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھا لے کہ زاویال کے پاس پچھتاوؤں کے سوا کچھ نہ بچے۔

گاڑی جس تیز رفتاری سے سڑک پر رواں دواں تھی، اسی تیزی سے زاویال کے منفی ومثبت خیالات آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ عمران جانتا تھا کہ اس کے ذہن کی حالت اس وقت کیا ہے، اس لئے اس نے زاویال کو ڈرائیونگ نہیں کرنے دی تھی۔

ٹریفک جام ہوگئی مگر اب تک زاویال کا دھیان اردگرد موجود کسی شے یا انسان پر نہ تھا۔ عمران نے بھی اُسے ڈسٹرب نہیں کیا۔

تبھی زاویال اذان کی آواز پر چونکا۔ اس نے نگاہ اُٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ شام کچھ اور گہری ہو چلی تھی یعنی مغرب کی اذانیں ہر سو ہو رہی تھیں۔ اسے نجانے کیوں کچھ گزرے پل، کچھ بھولی باتیں یاد آنے لگیں۔

وہ نماز پڑھ کر مصلیٰ تہہ کرتی اٹھی تو وہ صوفے پر بیٹھا بڑے مزے سے کوئی انگلش میگزین پڑھ رہا تھا۔ اُسے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد لائبہ کا مصلیٰ بچھائے سجدے کئے جانا ذرا عجیب سا لگنے لگا تھا۔ اس لئے جب وہ اٹھی تو وہ پوچھ بیٹھا۔ "میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تمہیں ایسا کیا چاہئے کہ تم ہر وقت خدا کے حضور سجدہ ریز رہتی ہو؟" اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

لائبہ نے چونک کر اُسے دیکھا اور پھر مصلیٰ ایک جانب رکھ کر بولی۔ "یہ ضروری تو نہیں کہ ہم خدا کے سامنے اپنے مطلب وغرض کی خاطر ہی جھکیں اور اگر کچھ مانگیں تو صرف اپنے لئے......میرا خیال ہے کم از کم انسان کا اپنے خدا سے رشتہ خالص ہونا چاہئے، ہر طرح کی غرض سے آزاد۔" وہ دوپٹہ اُتار کر بیڈ پر رکھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑی اپنے اُلجھے ہوئے بال سلجھانے لگی۔

سرمئی سے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ زاویال نے ایک مرتبہ نگاہ بھر کر اسے دیکھا جس کا شاید اسے احساس تک نہ ہوا تھا۔

وہ بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کئے برش سے ان کو سلجھانے لگی۔ پھر جیسے کچھ خیال آیا تو پلٹ کر بولی۔

"ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آتا ہے جہاں وہ خدا کے حضور جھک کر مادی چیزوں کی خواہش کرتا ہے اور نہ ان سجدوں کی وجہ غرض ہوتی ہے بلکہ روحانی سکون ہوتا ہے جو صرف خدا دے سکتا ہے اور کبھی کبھی ہم اپنی خوشیوں اور سکھوں کے لئے بڑی شدت سے اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی۔ "دنیا میں ہر انسان کو اس کے ماضی میں کی جانے والی اچھائیوں اور برائیوں کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے مگر خدا اپنے بندوں کو صرف ان کی نیتوں سے پہچانتا ہے کیونکہ وہ تو معاف کرنے والا ہے۔"

اور اس وقت زاویال کو یہ سب ایک عورت کی لفاظی لگی تھی مگر آج اس پر آشکارا ہوا کہ اس کا حرف حرف سچ تھا تبھی تو وہ ایکدم سے گاڑی سے اُتر کر اذان کی آواز کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔ عمران حیران تھا، بہت سے لوگ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر اسے کسی کی پروا نہ تھی۔ عجب بے اختیارانہ سی کیفیت اس پر طاری تھی۔

انسان اگر خدا تک جانے کی تمام راہیں اپنے ہاتھوں مسدود کردے اور اپنی اصلی شناخت کو فراموش کر بیٹھے تب دردِ دل کی دوا پانے کے لئے ہم دیوانوں کی طرح جس راہ پر اندھا دھند دوڑتے چلے جاتے ہیں، وہ راہ ہمیں خدا سے ملوا دیتی ہے کیونکہ دردِ دل کے ہونے اور دل خدا کے ہونے کا یقین ہے۔

☆......☆......☆

لائبہ تمام راستے یہی سوچتی آئی تھی کہ وہ گھر جا کر کیا جواب دے گی کہ جس زاویال کو وہ لوگ فرشتہ سمجھتے تھے، وہ تو شاید انسان بھی نہیں لیکن وہ گھر پہنچی تو گھر میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ نیہا نے مغرب کے وقت ایک بہت ہی پیارے بچے کو جنم دیا تھا اور اسپتال سے فون آتے ہی سب کے ہاتھ، پاؤں پھول گئے۔ بڑی افراتفری میں اسپتال جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔

شاہدہ نے اسے دیکھا تو جلدی سے بولیں۔

"مبارک ہو، تم خالہ بن گئی ہو۔" وہ بے پناہ خوش تھیں۔

لائبہ کی آنکھوں میں بھی خوشی کی شدت کے سبب آنسو آگئے۔ "بھئی مجھے بھی تو کوئی مبارکباد دے، آخر میں بھی تو خالہ بنی ہوں۔" راحیلہ نے بیک وقت دونوں کے شانوں پر بازو جماتے ہوئے کہا تو دونوں مسکرانے لگیں۔

سب کو اس قدر خوش دیکھ کر لائبہ کو لگا کہ جیسے اگر اس گھر میں وہ نہ ہو تو شاید کسی کو دکھ کی پرچھائیں تک اس پر نہ پڑے۔ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں کی نمی مزید بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہ لوگ اسپتال پہنچے تو ان سے پہلے اعتراز کی پوری فیملی وہاں موجود تھی مگر وہ نہیں آیا تھا، اس کا فون بھی آف تھا۔ سب لوگوں کو خوش دیکھ کر نیہا کو اچھا لگ رہا تھا مگر اعتراز کے بنا یہ خوشی بڑی ادھوری سی لگ رہی تھی۔ اُس کی نگاہیں بار بار بیتابی سے دروازے کی جانب اٹھتیں اور پھر پلٹ کر واپس آجاتیں، ناامید اور مایوس سی......!

لائبہ اس کی بے چینی کو محسوس کر رہی تھی، اس لئے جب سب بچے کے جھولے کے گرد جمع ہو کر اس کے نقوش پر بات کر رہے تھے، تبھی لائبہ تکیے کے سہارے بیٹھی نیہا کے قریب آبیٹھی۔

"کیا بات ہے، اتنی خوشی کے موقع پر بھی تم اداس ہو؟" لائبہ نے نرمی سے اس کے کھلے بال سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سبھی موجود ہیں مگر وہ نہیں جسے سب سے پہلے یہاں ہونا چاہئے، جس کی اس وقت مجھے سب سے زیادہ ضرورت ہے۔" وہ شکوہ کر رہی تھی۔

لائبہ نے پیار سے کہا۔ "پگلی کہیں کی، ایک بچے کی ماں بن گئی ہو اور بچوں کی طرح آنسو بہا رہی ہو؟" لائبہ نے اس کی آنکھوں میں آئی نمی کو انگلیوں کی پوروں سے چن لیا۔

تبھی لائبہ کا موبائل بجا۔ دوسری جانب اعتراز تھا۔ اسے نمبر دیکھ کر اندازہ ہوگیا۔ "لو آ گیا تمہارے محترم کا فون۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی اور پھر "ہیلو" کہا۔ وہ اس سے نیہا کے متعلق پوچھ رہا تھا کہ وہ کیسی ہے؟

جواباً لائبہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھئی یہ تو تم اپنی بیگم صاحبہ سے خود پوچھو۔" اس نے اتنا کہہ کر موبائل نیہا کی جانب بڑھا دیا مگر نیہا نے جونہی "ہیلو" کہا، دوسری جانب سے اعتراز نے فون بند کردیا۔

نیہا حیران رہ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کیوں......؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اسے لگا کہ جیسے اس کی زندگی میں نیہا کی کوئی اہمیت نہیں رہی......اور تو اور وہ بچہ جس کے دنیا میں آنے کا اعتراز حسن کو بے صبری سے انتظار تھا، آج جب وہ اس دنیا میں قدم رکھ چکا تھا تو اس نے اسپتال آکر اسے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ نیہا کو دکھ ہو رہا تھا۔ لائبہ کا تسلی آمیز لہجہ بھی اس کے دکھ کو کم نہیں کرسکا۔

☆......☆......☆

زاویال آپریشن کے لئے ملک سے باہر چلا گیا۔ عمران اس کے ساتھ ہی تھا۔ کسی کو شک نہ ہو، اس لئے بیگم جہاں آراء کسی اور بہانے سے کچھ دنوں کے فرق سے ان کے پاس گئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ باقی سب لوگ بھی اس اذیت سے گزریں جس سے وہ دونوں ماں بیٹا گزر رہے تھے اور آپریشن سے دو دن قبل انہوں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر سکندر خیام کو بلا لیا تھا تاکہ انہیں سبب بتا سکیں۔ زاویال ان دونوں کی اولاد تھا، اس لئے بیگم جہاں آراء کا خیال تھا کہ باپ ہونے کے ناتے زاویال کے متعلق جاننا ان کا حق تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ وہ زاویال سے کس قدر محبت کرتے تھے، اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو جاتا تو وہ شاید تمام عمر بیگم جہاں آراء کو معاف نہ کرتے جو وہ نہیں چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

لائبہ، نیہا اور اس کے بچے کے لئے کچھ خریداری کرنے آئی تھی، تبھی اُسے جولیا مل گئی۔ لائبہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ اس نے زاویال کے ساتھ اس کی کالج لائف کی کافی تصویریں دیکھی تھیں مگر جولیا نے اُسے نام سے پکارا تھا۔ یہ بات بڑی عجیب تھی۔ وہ قریب چلی آئی۔

"بھئی تم تو مجھے دیکھ کر یوں حیران ہو جیسے مجھے پہچانتی ہی نہ ہو؟" وہ گلاسز سر پر لگاتے ہوئے بولی۔

"آپ کو تو خیر میں کبھی نہیں بھول سکتی۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اچھا خیر یہ بتاؤ زاویال کیسا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ ان کی زندگی میں جتنی اہمیت آپ کی ہے، میری نہیں اور جو شخص اپنے شب وروز آپ کے ساتھ گزارتا ہے، وہ یہ مجھے بتانا کیوں ضروری سمجھے گا کہ وہ کس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔" لائبہ کے لہجے میں تلخی بڑھ گئی۔

"مجھے لگتا ہے لائبہ، تمہیں کچھ غلط فہمی ہو رہی ہے، کیوں......؟ یہ میں نہیں جانتی بٹ بلیو می میری اور زاویال کی ملاقات تو پچھلے چار مہینوں سے نہیں ہوئی، یہاں تک کہ بزنس کی مصروفیات کی وجہ سے وہ میرے اتنے اصرار کے باوجود میری شادی میں نہیں آسکا۔" جولیا نارمل سے لہجے میں بول رہی تھی جبکہ لائبہ بُری طرح چونکی تھی۔

"شادی......؟" اس لفظ پر وہ اٹک گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔" اس مرتبہ دھچکا جولیا کو لگا تھا۔ جواباً لائبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں بتاتی ہوں۔ آؤ وہ سامنے ریستوران ہے، وہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی اور لائبہ بنا سوال کئے اس کے ساتھ چل دی۔

☆......☆......☆

کتنے بہت سے دن گزر گئے تھے۔ اعتراز کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ نیہا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسے تو اپنی بھی کیفیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ جو شخص اس کی زندگی کی خوشیوں کی بربادی کا سبب تھا، جس نے اپنوں کی نگاہوں سے اُسے ناقابل اعتبار اور اس کیلئے ہر شخص ہر رشتے کو بے اعتبار کر دیا تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی گھنٹوں اس کے متعلق سوچنے لگی تھی، جس کا ساتھ گوارا نہ تھا۔ آج بے ارادہ، بے اختیار اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر آہٹ پر چونکنا، ٹیلیفون ہو یا دروازے کی گھنٹی، وہ دیوانوں کی مانند دوڑتی چلی جاتی۔

محبت راستہ نہیں ہوتی کہ جو کسی نہ کسی موڑ پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ محبت آسمان ہوتی ہے جس کی وسعت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، محبت سمندر ہوتی ہے جس میں شاید ایک پل کے لئے ٹھہراؤ آسکتا ہے مگر بہرحال رواں رہنا اس کی فطرت ہے اور فطرت کبھی نہیں بدلتی۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی۔ تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور اعتراز اندر داخل ہوا۔ نیہا نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اعتراز مجسم اس کے سامنے موجود ہے۔ دل بے اختیار ہو رہا تھا مگر اس نے خود کو روکا۔ اتنے دن اس نے نیہا کو ستایا تھا، اب اسے موقع ملا تھا تو وہ بھلا کیوں چھوڑتی اور اسی لئے اس نے جان بوجھ کر اس سے اتنے دن کی غیر حاضری کے متعلق کوئی استفسار نہیں کیا، اُلٹا انجان بن کر سوئے ہوئے بچے کے کھلونے سمیٹنے لگی۔ وہ ذرا ہلا تو اس کے جھولے کو ہلانے لگی۔

اعتراز نے بنا کچھ کہے سوٹ کیس الماری پر سے اُتارا اور بیڈ پر کھول کر رکھ لیا اور وارڈ روب کھول کر سامان سوٹ کیس میں ڈالنے لگا۔ تبھی وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کے سوال میں بے تابی تھی۔

"تمہارے لئے اتنا جاننا کافی ہے کہ میرے ساتھ اَن چاہا تعلق نبھاتے ہوئے تم جس اذیت وکرب سے گزر رہی ہو، میں تمہیں اس سے آزاد کرنا چاہتا ہوں، تمہارا سکون لوٹانا چاہتا ہوں اور خود کو تم سے دور رہ کر اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تمہیں میری ضرورت نہیں اور اب تمہارے دل اور زندگی میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔" اس کے لہجے میں کرب تھا۔

"مطلب آپ کے دل سے میرے لئے محبت ختم ہوگئی یا آپ کی محبت نے مسلسل آزمائشوں سے گھبرا کر کسی نئی راہ پر قدم رکھ دیا؟" وہ شاکی لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

تب وہ یوں مسکرایا گویا وہ کوئی معصوم بچی ہو جو انجانے میں بڑی بچگانہ سی بات کہہ گئی ہو۔

"محبت نظریہ نہیں ہوتی جو وقت وحالات کے ساتھ بدل جائے، محبت عمر کے ساتھ بڑھتی ہے، ہر گھڑی، ہر پل......اور نیہا میں جسے چاہ سکوں، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تم سی ہو اور تم سا اس جہاں میں کوئی اور ہو، ممکن نہیں۔" اس کے لہجے میں جنوں تھا۔

یہ سب کچھ وہ نجانے کتنی مرتبہ کہہ چکا تھا لیکن آج اس کے ہر لفظ پر یقین کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ بول رہا تھا۔ "جو ہوا، اس کی وجہ سے میری محبت سے تمہارا اعتبار اٹھ گیا، ایک مرتبہ بھی نہیں سوچا کہ میں انسان تھا، انسانوں کی طرح ہی تمہیں چاہا اور اپنی چاہتوں میں تمام حدیں توڑ ڈالیں، نہیں سوچا کہ تم پر کیا بیت گئی مگر کیا تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اعتراز حسن جہاں بھی رہا، صرف تمہارا رہا اور رہے گا۔" وہ پُریقین تھا۔

"اگر آپ کے نزدیک ہر بات کا اظہار ضروری ہے تو سنئے اعتراز......میں نے اپنی زندگی میں اگر کسی کو دل سے چاہا ہے تو وہ صرف آپ ہیں، آپ سے پہلے اور آپ کے بعد نہ کوئی تھا، نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے بہت محبت کی، خود سے بڑھ کر کی مگر اپنی انا کو محبت سے بھی اوپر رکھا شاید اسی وجہ سے ہم دونوں ایک دوسرے کے بنا کیا ایک دوسرے کے ساتھ بھی خوش نہیں رہے اور وقت کی آندھی ہمیں سوکھے خزاں رسیدہ پتے کی مانند اپنے سنگ اُڑا کر ایک دوسرے سے بہت دور لے گئی اور اس کے ذمہ دار ہم دونوں تھے۔" وہ آج پہلی بار اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ "میری زندگی میں ایک موڑ ایسا آیا جب ان لوگوں نے بھی مجھ پر شک کیا جنہیں خود سے زیادہ بھی مجھ پر یقین تھا اور بس اس لمحے اگر آپ صرف اتنا کہہ دیتے کہ میرے وجود میں پلنے والی زندگی سے آپ کا کوئی رشتہ نہیں تو تب مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہتا کہ میں نے آپ سے محبت کی......دکھ ہوتا کہ آپ نے میری محبت کو انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اتنے دنوں تک میری بے رخی کو شاید آپ نے نفرت سمجھا ہو مگر درحقیقت اس بات سے بے حد تکلیف محسوس ہو رہی تھی کہ آپ نے مجھے اپنے بچے کی وجہ سے اپنایا ہے لیکن آج میری غلط فہمی بھی دور ہوگئی، کوئی ایک انسان جس کی دنیا آپ ہوں اور چاہتوں کا محور بھی، یہ احساس سب سے بڑھ کر ہے۔" وہ سچائی سے بولی اور اس گھڑی اعتراز کو اپنی تمام دعائیں مستجاب ہوتی محسوس ہوئیں۔ آج دو دل ایک نئے انداز سے دھڑکے تھے۔ تمام راہیں محبت کے اُجالے میں صاف اور واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

☆......☆......☆

جولیا اور لائبہ جونہی ریستوران میں آئیں، لائبہ سب کچھ جاننے کو بے تاب ہوگئی۔ جولیا نے ایک میز منتخب کی اور کافی کا آرڈر دیا۔ پھر لائبہ کی بے قراری کو مدنظر رکھتے ہوئے بنا تمہید باندھے بولی۔ "تقدیر ہمارے ساتھ کبھی کبھی بہت عجیب کھیل کھیلتی ہے۔ لمبے سفر کے بعد جس مقام کو ہم منزل سمجھ کر ٹھہر جاتے ہیں، اچانک پتہ چلتا ہے کہ وہ منزل کبھی ہماری تھی ہی نہیں، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ زاویال نے میرے لئے تم سے شادی کی تاکہ ہماری راہیں آسان ہوسکیں مگر وہ کہتے ہیں ناکہ اگر سب کچھ ہماری سوچ یا طے شدہ پروگرام کے تحت ہونے لگے تو خدا کے وجود کا احساس نہ ہو۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا۔ چند مہینے قبل جب میں نے زاویال کے والٹ میں اپنی جگہ تمہاری تصویر دیکھی تو ایک عام عورت کی طرح اسے کھودینے کے احساس نے مجھے خوفزدہ کردیا، اس لئے میں نے اس پر شادی کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔ پہلے پہل تو اس نے مجھے ٹالا مگر جب میں ضد کرنے لگی تب اس نے پہلی مرتبہ میرا اور تمہارا موازنہ کیا یعنی وہ تمہیں مجھ میں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میری ذات میں اُسے میں نہیں، تم نظر آؤ۔"

"کیوں......؟"

"اس کا جواب اس وقت وہ نہیں دے سکا۔ مجھے لگا کہ جس طرح وہ ہر لڑکی کے سحر میں کچھ وقت کے لئے کھو جاتا ہے، شاید اس مرتبہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے، اس لئے میں نے جذباتی ہونے کے بجائے اس سے کہا کہ وہ اور میں ایک دوسرے کو کچھ وقت دیتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ ہم دونوں اپنی پوری زندگی ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے لمبے عرصے تک نہیں ملے اور جب ملے تو تب دوبارہ ملنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی کیونکہ زاویال کا کہنا تھا کہ اگر وہ اپنی پوری زندگی کسی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے تو وہ صرف ایک عورت ہے......تم یعنی لائبہ زاویال سکندر۔" جولیا کے اس انکشاف پر وہ حیران رہ گئی۔

اگر یہ سچ تھا تو جھوٹ کیا تھا؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

☆......☆......☆

زاویال کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ وہ لوٹ آیا تھا اور اس نے لائبہ سے اس کو اپنی تمام چاہتوں کے عوض مانگا تھا اور اب بھلا لائبہ کے پاس انکار کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی۔ وہ تو آخری سانس تک کے لئے خود کو اس کے نام کر چکی تھی۔

(ختم شد)